
گمشدہ قافلے
نسیم حجازی

گمشدہ قافلے

نسیم حجازی

جہانگیر بک ڈپو
لاہور ۔ راولپنڈی ۔ ملتان ۔ حیدرآباد ۔ کراچی

زندگی اور راحتیں

اب زندگی یوسف کے لئے اَن گنت امیدوں اور بے حساب خوشیوں کا نام تھا
وہ بی اے کے امتحان کے مہینے اور ہفتے گنا کرتا تھا، کبھی کبھی فہمیدہ کی والدہ یا والد کو
بھی خط لکھ دیا کرتا تھا۔ اور ہر خط میں چند الفاظ ایسے ہوتے تھے جن کا مفہوم صرف
فہمیدہ ہی سمجھ سکتی تھی جوں جوں امتحان کے دن قریب آ رہے تھے اس کا بیشتر وقت
امتحان کی تیاری میں گزرتا تھا۔

امتحان کا آخری پرچہ دینے کے بعد وہ اپنے گھر جانے کی بجائے سیدھا بلقیس کے
پاس پہنچا اور اسے السلام علیکم کہتے ہوئے بولا: "چچی جان میرا آخری پرچہ بھی بہت
اچھا ہو گیا ہے، مجھ سے تھوڑی سی حماقت ضرور ہوئی ہے کہ میں نے دو مہینے
پہلے محنت شروع نہیں کر دی ورنہ فرسٹ ڈویژن ضرور آتی۔ اب انشاء اللہ ہائی سیکنڈ
ڈویژن تو کہیں نہیں گئی۔ ویسے میری صحیح تعلیم کالج کا نصاب ختم کرنے کے بعد شروع ہو گی
چچی جان مجھے سندھ سے احمد خان صاحب کا تار ملا ہے۔ انہوں نے فوراً وہاں آنے
کی تاکید کی ہے پروگرام یہ بنایا ہے کہ سندھ میں شکار کھیلنے کے علاوہ کراچی کی سیر
کریں گے اور پھر بلوچستان میں مارخور کے شکار کے لئے بھی جائیں گے"

"بیٹے! مارخور واقعی کوئی سانپ کھانے والا جانور ہوتا ہے؟"

"چچی جان! اس مارخور کا سانپ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ ایک لمبے
سینگوں والے پہاڑی بکرے کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے اور کافی بلندی پر سرد مقامات

میں رہتا ہے۔ جہاں سردی کے باعث سانپ ہو ہی نہیں سکتے۔ وہ بھیڑ بکریوں کی طرح سبزی خور ہے اور اسے مارنا ذرا مشکل ہوتا ہے۔ بہرحال ورزش خوب ہو جاتی ہے۔ چچی جان! میں کسی ڈاک خانے کے قریب ہوا کروں گا تو آپ کو میرے خط مل جایا کریں گے۔ لیکن کبھی کبھی جب میں شکار پر ہوا کروں گا تو خط لکھنا بہت مشکل ہو گا۔ آپ میرے لئے دعا ضرور کیا کریں —— اب مجھے اجازت دیجئے، کل صبح میں سندھ کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔"

"بیٹا بیٹھ جاؤ! تم کھانا نہیں کھاؤ گے اور فہمیدہ سے ٹیلی فون پر بات کر کے جاؤ۔ ان کا ٹیلیفون کسی وقت بھی مل سکتا ہے۔ میں نے انہیں کل کہہ دیا تھا کہ یوسف پرچہ دیتے ہی سیدھا میرے پاس آئے گا۔ میں نے بھی احتیاطاً تھوڑی دیر پہلے اس طرف سے کال بک کرا دی ہے۔ اب میں کھانا رکھواتی ہوں۔"

بلقیس نے باہر نکل کر نوکر کو آواز دی اور تھوڑی دیر بعد وہ دسترخوان پر بیٹھے ہوئے تھے۔ بلقیس نے مسکراتے ہوئے پوچھا:

"بیٹا تمہارے دل میں یہ خیال نہیں آیا کہ اس وقت تمہارے چچا، فہمیدہ اور نسرین کو بھی یہاں ہونا چاہیے تھا؟"

"چچی جان آپ ہمیشہ بہت اچھی باتیں سوچتی ہیں۔ لیکن انسان کی ہر خواہش تو پوری نہیں ہو سکتی۔ ہم صرف دُعا ہی کر سکتے ہیں۔"

"بیٹا میں سمجھ سکتی ہوں کہ تم فہمیدہ کے لئے کتنی دعائیں کرتے ہو گے۔"

"نہیں چچی جان! معاف کیجئے یہ بات کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ آپ کو یقین نہیں آئے گا کہ میں امتحان کا پرچہ دیتے وقت بھی اُن کے متعلق سوچ رہا تھا۔"

ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور بلقیس نے ٹیلی فون اٹھاتے ہوئے کہا: "بیٹی! یوسف بالکل ٹھیک ہے۔ اس کے پرچے بہت اچھے ہو گئے ہیں۔ لیکن ابھی مجھے وہ یہ کہہ رہا تھا

کہ امتحان کے پرچے لکھتے وقت بھی وہ تمہیں یاد کیا کرتا تھا۔ میں مذاق نہیں کر رہی، بیٹی وہ بہت سنجیدگی سے کہہ رہا ہے۔ اچھا خود ہی اس سے بات کر لو۔ یوسف بیٹا ادھر آؤ۔"

یوسف نے اٹھ کر رسیور پکڑ لیا اور کان سے لگانے کے بعد کہا: "یہ مذاق نہیں جی یہ بات مَیں نے پوری سنجیدگی سے کہی تھی۔ اور صرف آپ کی چچی سے یہ بات کہی ہے جن کے متعلق مجھے یقین ہے کہ وہ اٹھتے، بیٹھتے، سوتے جاگتے آپ کو یاد کرتی رہتی ہیں۔ میں کل احمد خان کی دعوت پر سندھ جا رہا ہوں۔ گھر بیٹھ کر امتحان کے نتیجے کا انتظار کرنے کی بجائے سیر و شکار میں مصروف رہنا زیادہ آسان معلوم ہوتا ہے۔ جی مجھے صرف اس بات کا افسوس ہے کہ سندھ کے راستے میں جالندھر نہیں آتا۔ ورنہ خالہ جان کو سلام کرنے کے کئی بہانے مل سکتے تھے۔ . . . اچھا خدا حافظ۔"

اگلے دن یوسف اور منظور لاہور کے ویٹنگ روم میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

"منظور بھائی! جو باتیں میں تم سے کئی بار کر چکا ہوں۔ اس میں ذرا کوتاہی نہیں ہونی چاہیئے اور اگر تم صورتِ حال کو میرے ناموافق دیکھو تو مجھے فوراً اطلاع دے دینا۔ میرا پروگرام یہ ہے کہ میں امتحان کا نتیجہ نکلنے کے بعد بھی چند ہفتے اور سیر و سیاحت اور شکار میں مصروف رہوں گا۔ خان صاحب نے لکھا ہے کہ زیادہ وقت وہ بلوچستان میں گزاریں گے یا مسوری چلے جائیں گے اور میں تعطیلات کے دوران ان کے بیٹے خان محمد کی تعلیم کے سلسلہ میں ان کے ساتھ رہوں گا۔ بہرحال میں جس جگہ بھی ہُوا آپ کو میرے خط ملتے رہیں گے۔ مَیں اس بات سے بہت پریشان ہوں کہ ابا جی میرے رشتے کے لئے عبدالکریم صاحب کی بیٹی کی طرف بہت مائل نظر آتے ہیں۔ انہوں نے کبھی مجھ سے اس کا ذکر تک نہیں کیا۔ نہ میں نے انہیں اس کا موقع دیا ہے۔ تاہم اندر ہی اندر ایک مہم چل رہی ہے۔ جس سے میں پریشان ہُوں۔ اس سلسلہ

میں جب آپ میرے اباجی سے ملیں گے تو میرے مستقبل کا ذکر ضرور آئے گا۔ بھائی! اگر آپ ذرا عقل سے کام لیں تو انہیں یہ سمجھانا مشکل نہیں کہ آئندہ کئی سال تک میرے پروگرام میں شادی کا مسئلہ نہیں آئے گا۔ اگر وہ یہ بات نہ سمجھ سکیں تو عبدالکریم صاحب کو زیادہ آسانی سے سمجھایا جا سکے گا۔ امینہ ایک سمجھدار لڑکی ہے۔ لیکن میں ابھی تک یہ نہیں سمجھ سکا کہ اس کے دل میں کیا ہے۔ اور اسے کچھ سمجھانے کی ضرورت ہے بھی کہ نہیں، بہرحال مجھے اس سے یہ امید ضرور ہے کہ وہ میرے معاملات میں میری طرفدار ہوگی۔ لیکن میں نہیں چاہتا کہ یہ معاملہ اس حد تک آگے جائے۔ منظور صاحب! آپ کے لئے اباجان سے یہ کہنا مشکل نہیں ہوگا کہ میری شادی کا مسئلہ میری ذات اور میرے پروگرام سے تعلق رکھتا ہے۔ کسی کو بھی اس کے لئے پریشان نہیں ہونا چاہیئے خصوصاً اس صورت میں کہ میرے خاندان کا کوئی آدمی مجھے بے وقوف نہیں سمجھتا۔"

منظور نے کہا۔ "یوسف صاحب! میں نے آپ سے بہت کچھ سیکھا ہے اور آپ کی خاطر اپنا سارا علم کام میں لانے کی کوشش کروں گا۔ اور انشاء اللہ آپ کو کسی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ اب چلیے پلیٹ فارم پر ٹہلتے ہیں۔"

منظور نے یوسف کا بیگ پکڑ لیا اور وہ باہر نکل آئے۔ جب تک گاڑی کھڑی رہی وہ باتیں کرتے رہے۔ جب انجن نے سیٹی بجائی تو یوسف ایک ڈبے میں بیٹھ گیا اور دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ ہلا ہلا کر الوداع کہتے لگے۔

یوسف چند ہفتے احمد خان کے مہمان کی حیثیت سے سندھ میں شکار کھیلنے میں مصروف رہا۔ پھر دو ہفتے کراچی کی سیر کی اس کے بعد وہ بلوچستان چلے گئے۔

کوئٹہ میں یوسف، احمد خان کے ساتھ اسی بنگلے میں ٹھہرا جہاں وہ اس سے پہلے قیام کر چکا تھا۔ اور چوتھے روز وہ تین مقامی شکاریوں اور ایک نوکر کے ساتھ

پہاڑوں کی طرف شکار کے لئے نکل گئے۔ اور پانچویں روز یوسف کوئٹہ واپس آکر منظور کو یہ خط لکھ رہا تھا۔ "میرے بھائی! السلام علیکم۔

ہم نے کوئٹہ اور زیارت کے درمیان نو ہزار فٹ کی بلندی پر دو مارخور مارے تھے۔ ایک تو ایسے گہرے کھڈ میں گرا تھا جسے ابھی تک تلاش نہیں کیا جا سکا۔ دوسرا جس کا خوش قسمتی سے میں نے کل صبح شکار کیا تھا۔ آج بڑی مشکل سے ہمارے ساتھ کوئٹہ پہنچا ہے۔ چونکہ اس کے خراب ہو جانے کا احتمال تھا۔ اس لئے فوراً کچھ خان صاحب کے دوستوں میں بانٹ دیا گیا ہے اور باقی کی دعوت کر دی گئی ہے۔ بھئی اس دعوت میں تم بہت یاد آئے۔"

دو ہفتے بعد یوسف کو منظور کا خط ملا۔ "بھائی! نتیجہ نکل آیا ہے اور تم میری توقع کے خلاف فرسٹ ڈویژن میں پاس ہو گئے ہو! وہ مارخور جو تم نے شکار کیا تھا یقیناً ایک اچھا شگون تھا۔ بھئی ایسا نظر آتا ہے کہ یہاں کوئی کھچڑی پک رہی ہے شاید آپ کو جلدی گھر آنا پڑے۔ میں آپ کو تار دے دوں گا۔ بھائی جان، مجھے آپ کے اباجی سے گفتگو کے لئے دو بار موقع ملا ہے۔ لیکن میرا علم کسی کام نہیں آیا۔ پہلی بار تو میں ابھی تمہید باندھ رہا تھا کہ پانچ منٹ میں بات ختم ہو گئی —— دوسری ملاقات میں تو ایک لطیفہ ہو گیا۔ آؤ گے تو سناؤں گا۔"

ایک ہفتہ بعد یوسف کو پہلے منظور کا خط اور اس کے بعد اپنے باپ کا تار ملا۔ "جلدی گھر پہنچ جاؤ۔" منظور نے اپنے خط میں لکھا تھا کہ:

"بھائی صاحب! مجھے ایسا نظر آتا ہے کہ پانی سر سے گزر رہا ہے۔ آپ گھر آ جاتے تو بہتر ہوتا۔ آپ کو معلوم ہے کہ امینہ بھی میٹرک میں پاس ہو چکی ہے اور عبدالکریم صاحب آپ دونوں کی ایک بہت بڑی دعوت کرنے کے لئے کسی موقع کے

انتظار میں تھے۔ آپ کے خلاف ایک سازش ہو رہی ہے جسے روکنا میرے بس کی بات نہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ اس دعوت میں کسی تاخیر کے بغیر لڑکی اور لڑکے کے والد کی رضامندی سے یہ اعلان کر دیا جائے گا کہ آپ کی اور امینہ کی منگنی ہو چکی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس کھیل میں امینہ کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ وہ واقعی ایک سمجھدار لڑکی ہے اور آپ کو کسی مصیبت میں نہیں ڈالے گی۔ لیکن ان بزرگوں کو آپ ہی سمجھا سکتے ہیں۔ آپ جتنی جلدی آجائیں اسی قدر اچھا ہو گا ——— ہاں بھائی وہ لطیفہ بھی سن لو۔ جو میں ملاقات پر سنانا چاہتا تھا۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر کچھ اس طرح گفتگو شروع کی :

چچا جان! ایک ہونہار اور ذہین آدمی کی شادی کا مسئلہ بہت اہم ہوتا ہے۔ آپ کو کئی پہلوؤں سے اس پر غور کرنا پڑے گا۔ انہوں نے بڑے اطمینان سے جواب دیا تھا۔

"بیٹا مجھے معلوم ہے کہ یوسف جوان ہو چکا ہے۔ انشاءاللہ اب اس کی شادی کی مبارک رسم میں تاخیر نہیں ہو گی۔ لڑکی بھی پاس ہو گئی ہے اور اس کا باپ ایک شاندار دعوت کا انتظام کر رہا ہے اور کئی رشتہ داروں کو خط لکھے ہیں کہ جلدی گھر پہنچ جائیں۔" مجھے اتوار کا دن کوئی خطرناک دن محسوس ہوتا ہے۔"

یوسف نے یہ حالات بیان کئے تو احمد خان نے مشورہ دیا: "میرے بھائی! تم فوراً روانہ ہو جاؤ اور اتوار سے پہلے پہنچ جاؤ گے، مجھے اپنے حالات سے باخبر رکھو۔

تمہاری وجہ سے میں نے اپنا سارا پروگرام بدل دیا ہے۔ میں خان محمد کی خاطر ڈیرہ دون کے پاس مسوری میں قیام کروں گا اور میری کوشش یہ ہو گی کہ جب تک گھر میں تمہارے حالات ٹھیک نہیں ہو جاتے تم میرے ساتھ رہو۔ خان محمد کو ایک اچھے استاد کی ضرورت ہے اور تم سے بہتر اس کے لئے کوئی اور استاد نہیں ہو سکتا۔ مجھے تم لاہور میں جس کے ہاں ٹھہرا کرتے ہو اس کا ٹیلی فون نمبر لکھ دو۔ میں تم سے بات کر لیا کروں گا۔ میں نوکر کو بھیج کر تمہارے لئے جمعہ کی سیٹ ریزرو کروا لیتا ہوں۔"

خان صاحب! میرے لئے انٹر کلاس ٹھیک رہے گا اور کرایہ میرے پاس ہے۔"

"میرے بھائی آج سے تم میرے بیٹے خان محمد کے اتالیق ہو اور جب تک تم کہیں اور مصروف نہیں ہو جاتے تمہیں باقی اخراجات کے علاوہ چار سو روپے تنخواہ ملتی رہے گی اور میں یہ سودا بہت سستا سمجھوں گا۔ مجھے امید ہے کہ تم میری درخواست رد نہیں کرو گے۔ ورنہ مجھے بہت صدمہ ہو گا کہ میں اپنے بیٹے کی ایک بہت بڑی ضرورت پوری نہ کر سکا۔"

"خان صاحب! میں شکریہ کے ساتھ آپ کی دعوت قبول کرتا ہوں۔ شاید آپ کو معلوم نہیں کہ آپ نے میری کتنی الجھنیں دور کر دی ہیں۔"

"بھائی! الجھنیں تو میری دور ہوئی ہیں۔ جسے اس بات کا خدشہ تھا کہ تم میری پیش کش قبول نہیں کرو گے۔ میں اپنے بیٹے کو خوش قسمت سمجھتا ہوں۔"

یوسف نے جواب دیا۔ "خان صاحب! اللہ مجھے آپ کی نیک توقعات پوری کرنے کے قابل بنائے۔"

تھوڑی دیر بعد یوسف منظور کو اپنے پروگرام کے متعلق ٹیلی گرام دے رہا تھا ——— اور جمعہ کے روز احمد خان اسے دہلی ریلوے اسٹیشن پر رخصت کر رہا تھا۔

کوکے شاہ کا زہر

گاڑی آٹھ بجے شام کے قریب لاہور اسٹیشن پر رُکی۔ یوسف نیچے اترا اور اپنا سوٹ کیس پلیٹ فارم پر رکھ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ دو منٹ بعد منظور بھاگتا ہوا ہجوم سے نکلا اور اس سے لپٹ گیا۔ اور اُس نے بغیر کسی تمہید کے پوچھا۔

"تمہیں اپنے اباجی کا تار مل گیا تھا؟"

"ہاں تم نے کسی کو یہ تو نہیں بتایا کہ مَیں اس گاڑی پر آ رہا ہُوں؟"

"نہیں بالکل نہیں۔ کل شام ان کا ذکر اور آج دوپہر میاں عبدالکریم تمہارے پروگرام کے متعلق پوچھنے آئے تھے۔ لیکن مَیں نے انہیں یہ بھی نہیں بتایا کہ میں آپ کو فوراً یہاں پہنچنے کے لئے خط لکھ چکا ہُوں۔ میرا خیال ہے کہ انہوں نے بھی آپ کو تار دیئے ہوں گے۔"

"اُن کی طرف سے مجھے امتحان میں پاس ہونے پر مبارک باد کا تار ملا تھا۔ لیکن اگر تم خط نہ لکھتے تو مجھے یہ معلوم ہی نہ ہوتا کہ یہاں کیا کھچڑی پک رہی ہے۔ اباجی کا تار مجھے تمہارے خط کے ساتھ ملا تھا۔ اور اس وقت سے میرا سر چکرا رہا ہے۔ خان صاحب کو میری پریشانی کا علم ہوا تو وہ اُسی وقت مجھے اپنی کار میں بٹھا کر اسٹیشن کی طرف چل پڑے ہم گاڑی کی روانگی سے صرف پانچ منٹ قبل روہڑی پہنچے تھے۔ اب میں تم سے کوئی نئی خبر سننا چاہتا ہُوں۔"

"مجھے صرف اتنا علم ہے کہ پرسوں دوپہر کے لئے دعوت کی تیاریاں زوروں پر

ہیں۔ یہاں آنے سے پہلے تمہارے اباجی کو سلام کرنے گیا تھا۔ وہ اس بات پر پریشان تھے کہ تم نے ان کے تار کا جواب نہیں دیا۔ میں نے یہ کہہ کر ان کی تسلی کر دی تھی کہ شاید آپ شکار پر گئے ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خان صاحب آپ کو کوئٹہ یا کراچی سیر کے لئے لے گئے ہوں۔ پھر باتیں کرتے کرتے وہ اچانک عبدالکریم پر برس پڑے۔ کہتے تھے: کہ یہ کتنا بے وقوف ہے۔ جس نے یوسف کی طرف سے کسی اطلاع کے بغیر دعوت کی تاریخ بھی مقرر کر دی اور مہمانوں کو بھی بلا لیا۔" میں نے کہا تھا۔ "جناب آپ اتنی فکر کیوں کرتے ہیں۔ یوسف کی دعوت بعد میں بھی ہو سکتی ہے۔ ابھی تو میرا خیال ہے کہ عبدالکریم صاحب اپنی بیٹی کے میٹرک میں پاس ہو جانے پر خوشیاں منا رہے ہیں۔" اور تمہارے اباجان کہنے لگے۔ "بیٹا وہ بڑا بے وقوف ہے۔ میرا یہ تجربہ ہے کہ جب دولت زیادہ آتی ہے تو عقل رخصت ہو جاتی ہے۔ حماقت کی انتہا یہ ہے کہ صرف ہمیں نہیں بلکہ ہمارے رشتہ داروں کو بھی دعوت نامے بھیج دیئے۔ اور دعوت کا مقصد جو مجھے بتایا ہے وہ یہ ہے کہ مہمانوں کے سامنے یوسف اور امینہ کی منگنی کا اعلان کر دیا جائے گا" —— مَیں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا تھا۔ میاں جی آپ نے یوسف کی مرضی معلوم کر لی ہے۔ وہ کہنے لگے "یہی تو مجھے پریشانی ہے۔ یوسف نے اپنے کسی خط یا گفتگو میں یہ اشارہ تک نہیں کیا کہ وہ اُسے پسند کرتا ہے۔" مجھے انہوں نے کہا تھا۔ "دیکھو بیٹا! وہ تمہارا دوست ہے۔ جب وہ یہاں آئے تو اُسے اپنا نفع و نقصان سمجھا دینا۔ میں اتنے دوستوں اور رشتہ داروں کے سامنے شرمندہ ہونا پسند نہیں کروں گا۔"

یوسف نے کہا: "منظور! تم میرا سوٹ کیس لے جاؤ۔ میں یہ طوفان گزر جانے تک تمہارے پاس ٹھہروں گا۔ لیکن کسی کو یہ نہ بتا دینا کہ میں لاہور پہنچ گیا ہوں۔"

منظور نے کہا: "یار کہیں جانے سے پہلے میرے ساتھ کھانا تو کھاؤ۔"

یوسف بولا: "منظور! میں کسی تاخیر کے بغیر اپنے ہمدردوں سے ملنا چاہتا ہوں اگر انہوں نے روک نہ لیا تو میں تمہارے پاس آجاؤں گا۔ ورنہ ان حالات میں میرے لئے اُن کا گھر ایک محفوظ قلعہ ہوگا۔"

منظور نے سوٹ کیس اٹھا لیا اور وہ اسٹیشن سے باہر نکل کر تانگوں پر سوار ہوکر مختلف سمتوں کی طرف چل دیئے۔

کوئی نصف گھنٹے بعد یوسف عبدالعزیز کے مکان پر دستک دے رہا تھا۔ نوکر نے دروازہ کھول کر اس کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا:

"آپ تھوڑی دیر اندر بیٹھیں۔ بی بی جی ابھی ابھی کار پر باہر گئی ہیں۔ وہ مجھے کہہ گئی تھیں کہ میں واپس آکر کھانا کھاؤں گی۔"

یوسف صحن عبور کرکے برآمدے میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ نوکر نے اسے لیموں کے شربت کا ایک گلاس پیش کرتے ہوئے کہا:

"جناب دو تین دن سے آپ کا عبدالکریم کے گھر سخت انتظار ہو رہا ہے۔ آج دوپہر تک میاں صاحب کی بیوی اور بیٹی کا تیسرا پھیرا تھا۔ عبدالکریم صاحب بھی بار بار فون کرتے ہیں۔ آپ کے ابا جی کا ذکر بھی کل شام اور آج صبح آیا تھا۔ وہ شاید اسی لئے پریشان تھے کہ آپ نے سندھ جا کر اپنے متعلق کوئی اطلاع نہیں دی۔ آپ کب یہاں پہنچے ہیں؟"

"دوست محمد! میں سیر و شکار میں بہت مصروف رہا ہوں۔ اب تم اس بات کا خیال رکھو۔ کہ کوئی فون پر یا خود آکر پوچھے تو اسے یہ نہ بتاؤ کہ میں یہاں ہوں یا یہاں آیا ہوں۔ میں ایک ضروری کام میں مصروف ہوں۔ اس لئے کچھ عرصہ یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا کہ میں کہاں ہوں۔"

دوست محمد نے کہا: "صاحب جی! اب میں سمجھ گیا۔ کہ آپ کسی بڑے ڈاکو کا پیچھا کر رہے ہوں گے۔"

"دوست محمد تم سمجھدار آدمی ہو۔ ابھی میں تمہیں یہ نہیں بتا سکتا کہ میں کیا کر رہا ہوں لیکن یہاں بچی جان کے سوا ابھی کسی کو یہ معلوم نہیں ہونا چاہیئے کہ میں کہاں ہوں۔"

یوسف کی زبان سے سمجھدار کہلوا لینا دوست محمد کے لئے بہت بڑا انعام تھا۔ اس نے کہا:

"جناب آپ مطمئن رہیں۔ جو بھی اس طرف آئے گا۔ میں اسے باہر سے ہی رخصت کر دوں گا۔"

"وہ خواہ عبدالکریم ہو یا کوئی اور ہو۔"

"جناب! آپ فکر نہ کریں۔ میں کسی کو مکان کے اندر لانے سے پہلے آپ کو کسی جگہ چھپا دوں گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ عبدالکریم کے گھر والوں کی کسی بات پر ہماری بی بی جی خوش نہیں ہیں۔ دوپہر کے وقت انہوں نے آتے ہی پہلے مجھ سے آپ کے متعلق پوچھا تھا۔ اور پھر وہ میرے منع کرنے کے باوجود بی بی جی کے کمرے میں گھس گئی تھیں۔ بی بی جی گہری نیند سے ہڑبڑا کر اٹھیں اور ان پر برس پڑیں: "کہ تم بار بار یہاں آکر یوسف کے متعلق کیوں پوچھتی ہو؟ اگر وہ سندھ سے نہیں آیا ہے تو تم وہاں جاؤ۔ اگر سندھ سے آچکا ہے تو تم اس کے گھر کی تلاشی لو یا اس کے دوستوں سے پتہ کرو۔" پھر کسی دعوت کی بات چھڑی تھی۔ تو بی بی جی نے یہ جواب دیا تھا: "اگر میرے میاں گھر میں نہ ہوں تو میں کسی دعوت پر نہیں جایا کرتی۔ اور تمہاری دعوت میں تو جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" عبدالکریم کی بیوی یہ کہہ بیٹھی۔ بی بی جی آپ کو منانے کے لئے ہم یوسف کو بھیج دیں گے۔ بی بی جی نے کہا: "میں کہہ چکی ہوں کہ میں کسی صورت دعوت میں نہیں جاؤں گی۔" عبدالکریم کی بیوی اور صاحبزادی چلی گئیں تو عصر کے بعد راولپنڈی سے

انسپکٹر صاحب کا فون آیا مجھے معلوم نہیں کہ بی بی جی کے ساتھ انہوں نے کیا باتیں کی ہیں۔ میں صرف یہ سمجھ سکا ہوں کہ عبدالکریم کے گھر والوں پر اُن کا غصہ کم نہیں ہُوا۔"

یوسف نے کہا: "دوست محمد! میں بیٹھک میں جاکر نماز پڑھتا ہُوں۔ اگر چچی جان مجھ سے بھی خفا نہ ہو گئی ہوں۔ تو یہ کہہ دینا کہ یوسف سلام کے لئے حاضر ہونے کی اجازت چاہتا ہے۔"

دوست محمد نے کہا: "صاحب آپ نماز یہیں پڑھ لیں۔ آپ کو دیکھ کر بی بی جی بہت خوش ہوں گی۔"

"بہت اچھا۔"

یوسف اٹھ کر وضو کے لئے غسل خانے چلا گیا۔ وضو کے بعد وہ اس بڑے کمرے میں نماز کے لئے کھڑا ہو گیا۔ جہاں اُس نے اپنی ماں کے ساتھ فہمیدہ اور اس کے عزیزوں کو پہلی بار دیکھا تھا، نماز کے بعد دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھاتے ہُوئے وہ بڑی مشکل سے اپنے آنسو ضبط کر رہا تھا۔

باہر سے موٹر کی گڑگڑاہٹ اور اس کے چند ثانیے بعد بلقیس کی آواز سنائی دی۔ اور وہ دعا ختم کر کے برآمدے میں نکل آیا۔ بلقیس برآمدے سے کچھ دور اُسے دیکھ کر ٹھٹکی۔ اور پھر سر اونچا کر کے پوری تمکنت کے ساتھ آگے بڑھی۔

"چچی جان السلام علیکم" یوسف نے کہا۔

بلقیس نے مسکرانے یا بولنے کی بجائے اپنے ہونٹ بھینچ لئے اور پھر اچانک اُس پر قہر آلود نگاہیں ڈالتے ہوئے کہا:

"یوسف مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم اتنے بے حس ہو جاؤ گے کہ اُن کی سفارش لے کر میرے پاس آؤ گے۔ میں کئی بار یہ کہہ چکی ہوں۔ کہ میں ان کی دعوت پر نہیں جاؤں گی مجھے اس بات سے بہت تکلیف ہوئی ہے کہ اب تم ان کے وکیل بن کر یہاں پہنچ گئے ہو۔"

یوسف چند ثانیے ایک سکتہ کی حالت میں بلقیس کی طرف دیکھتا رہا۔ اور پھر اُس نے کہا:

"چچی جان آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ آپ مجھے کس جرم کی سزا دے رہی ہیں۔"

"اچھا! تو تمہیں کچھ معلوم نہیں۔ تم ساری دنیا کو بے وقوف سمجھتے ہو۔ میں نے دوپہر کے وقت انہیں کہہ دیا تھا کہ یوسف کو سفارش کے لئے یہاں بھیجنے کی ضرورت نہیں میں کسی صورت وہاں نہیں جاؤں گی۔ لیکن اس کے بعد انہوں نے پہلے میرے میاں سے فون کروایا۔ اور اس کے بعد تمہیں یہاں بھیج دیا۔"

یوسف نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"چچی جان میں سیدھا یہاں آیا ہوں۔"

"سیدھے یہاں آئے ہو تو سیدھے اپنے گھر جاؤ! اگر کوئی سمجھانے والی بات ہے تو اپنے باپ کو سمجھاؤ۔ یا پھر عبدالکریم اور اس کی بیوی کو سمجھاؤ۔ دیکھو! میری زندگی میں کوئی اُن پھولوں کو نہیں مسل سکتا۔ جو مجھے اپنی جان سے زیادہ پیارے ہیں۔"

یوسف جس قدر بلقیس کے طرزِ عمل پر حیران تھا۔ اسی قدر اس بات پر آزردہ تھا کہ وہ اُس جرأت سے یکایک کیوں محروم ہو گیا ہے۔ جس کی بدولت وہ بدترین حالات کو بھی سازگار بنا لیا کرتا تھا۔ وہ بڑی کوشش کے بعد صرف اتنا کہہ سکا:

"چچی جان! آپ نے بہت تکلیف دہ باتیں کہی ہیں۔ لیکن جب یہ باتیں آپ کو یاد آیا کریں گی۔ تو آپ کو زیادہ تکلیف ہُوا کرے گی۔ آپ کے سامنے میں پہلے بھی ایک بچّہ تھا اور اب بھی ایک بچّہ ہوں اور ایک بچّے کے پاس ماں کے غصے کا آنسوؤں کے سوا کوئی جواب نہیں ہوتا۔ لیکن میں آپ کو اپنے آنسو نہیں دکھاؤں گا۔ جب میں چلا جاؤں گا تو مجھے آپ کی دعاؤں کی ضرورت رہے گی ——— خدا حافظ چچی جان۔"

یوسف وہاں سے چل دیا اور مڑ کر دیکھے بغیر مکان سے باہر نکل گیا پھر ہر قدم پر اس کی رفتار تیز ہو رہی تھی۔

بلقیس کچھ دیر دل گرفتہ سی ہو کر صحن کی طرف دیکھتی رہی۔ وہ یوسف کو آواز دینا چاہتی تھی لیکن اس کی قوتِ گویائی سلب ہو چکی تھی۔ وہ آٹھ یا دس قدم آگے بڑھی —— رکی اور پھر نڈھال سی ہو کر ایک کرسی پر بیٹھ گئی: "میرے اللہ مجھے کیا ہو گیا تھا —— میں کیا کر بیٹھی ہوں۔ اگر میں نے یوسف کا دل دکھایا ہے تو میں اپنے آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔ اور وہ بھی مجھے دوبارہ دیکھنا پسند نہیں کرے گا —— نہیں وہ ایسا نہیں —— اُس نے یہ کہا تھا۔ کہ ایک بچے کے پاس ماں کے غصے کا آنسوؤں کے سوا کوئی جواب نہیں ہوتا —— میرے اللہ! مجھے معاف فرما۔ کاش اس کے ساتھ میری گفتگو ایک خواب ہوتی۔ میرے اللہ! اگر قدسیہ کے بیٹے کو میری دعاؤں کی ضرورت ہے تو میں مرتے دم تک اس کے لئے دعائیں کرتی رہوں گی —— اس نے کتنے وثوق سے کہا تھا کہ جب مجھے یہ باتیں یاد آیا کریں گی تو زیادہ تکلیف ہو گی —— کاش میں اس کو روک لیتی اور اطمینان سے اس کی باتیں سن سکتی۔ ممکن ہے کہ میری سوچ بالکل غلط ہو۔ اور وہ آج بھی اتنا ہی معصوم ہو۔ جتنا کہ پہلے نظر آیا کرتا تھا۔"

بلقیس نے کرب کی حالت میں اپنی مٹھیاں بھینچ لیں اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

دوست محمد نے جھجکتے ہوئے آگے بڑھ کر کہا:

"بی بی جی! یوسف صاحب سیدھے یہاں آئے تھے اور مجھے کہتے تھے کہ لاہور میں میرے متعلق چچی جان کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہونا چاہیے۔"

"یہ کہا تھا اُس نے؟"

"جی ہاں، اُن کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ وہ کسی وجہ سے چھپ کر رہنا چاہتے

ہیں۔"

"دیکھو دوست محمد! تمہیں اس کے دوست منظور کا گھر معلوم ہے؟"

"جی اگر آپ حکم دیں تو میں ڈھونڈ لوں گا۔ اُن کے اباجی کے نوکر اور عبدالکریم کے گھر والوں کو بھی یہ معلوم ہے کہ وہ کہاں رہتے ہیں۔"

"دوست محمد! میں نے اسے بہت بُرے موڈ میں یہاں سے روانہ کیا تھا۔ اسی وقت اس کا پیچھا کرنا مناسب نہیں ہو گا۔ اگر وہ صبح مل جائے تو صرف اتنا کہہ دینا کہ تم نے اُس کی چچی کو روتے ہوئے دیکھا ہے۔ اور وہ بہت پشیمان ہے۔"

"بی بی جی! اگر آپ حکم دیں تو میں انہیں یہاں لے آؤں گا۔ وہ بہت نیک ہیں۔ انہوں نے آتے ہی کہا تھا کہ میں بیٹھک میں نماز پڑھتا ہوں اگر چچی جی اجازت دیں تو انہیں کہہ دینا کہ میں سلام کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ شاید انہیں یہ ڈر تھا کہ آپ کسی بات پر خفا ہیں —— کھانا لاؤں بی بی جی؟"

"نہیں ابھی نہیں، نماز کے بعد اگر میرے دل کا بوجھ اُتر گیا تو شاید میں دو نوالے کھا لوں۔ میرے دل پر یہ کتنا بڑا زخم ہے کہ قدسیہ کا بیٹا میرے گھر سے بھوکا گیا ہے۔"

یوسف، منظور کی قیام گاہ کے قریب پہنچا۔ تو اُسے دروازے سے باہر اچانک عبدالغفور، منظور احمد سے باتیں کرتا ہوا دکھائی دیا۔ دونوں نے اسے دیکھ کر بیک وقت کہا: "لو جی وہ آگئے!"

منظور نے جلدی سے آگے بڑھ کر کہا: "آپ پریشان نہ ہوں۔ میں نے عبدالغفور کو سمجھا دیا ہے۔ جب تک آپ اجازت نہیں دیں گے۔ یہ کسی کو نہیں بتائے گا کہ آپ میرے پاس ٹھہرے ہوئے ہیں۔ ویسے آپ کے گھر میں بڑی شدت سے آپ کا انتظار ہو رہا ہے۔"

عبدالغفور نے آگے بڑھ کر کہا: "صاحب جی! آج بی بی جی نے بڑے شوق سے آپ کے لئے کھانے پکائے ہیں۔ صبح اُن کی والدہ، عبدالکریم صاحب کی بیگم کے ساتھ آپ کا پتہ کرنے آئی تھیں۔ عبدالکریم کی بیگم صاحبہ جلدی میں تھیں۔ اس لئے آپ کے متعلق پوچھ کر چلی گئیں۔ لیکن بی بی جی کی ماں کو ابھی تانگے پر سوار کرا کے آیا ہوں۔ اگر آپ کا انتظار نہ ہوتا۔ تو بی بی جی بھی ان کے ساتھ چلی جاتیں۔ وہاں بہت سے مہمان جمع ہو گئے ہیں۔"

یوسف نے پوچھا: "اباجی گھر پر ہیں؟"

"جی ہاں۔"

"اچھا تم گھر جاؤ اور وہاں یہ کہہ دو کہ میں کچھ دیر تک آجاؤں گا۔ اور کھانا وہیں کھاؤں گا۔"

منظور احمد نے پوچھا: "آپ واقعی گھر جائیں گے؟"

"ہاں منظور۔ میں نے سوچا ہے کہ مجھے حالات سے بھاگنے کی بجائے اُن کا سامنا کرنا چاہیئے۔"

عبدالغفور نے کہا: "بی بی جی نے آپ کے لئے پلاؤ پکایا ہے۔ وہ کہتی تھیں کہ آپ کو پلاؤ بہت پسند ہے۔ میں آپ کے لئے بڑا اچھا گوشت لایا تھا۔ اگر آپ کو دیر ہو گئی تو بھی میں آپ کا انتظار کروں گا۔ میں آپ کی سائیکل یہیں چھوڑ جاتا ہوں اور آپ کا سامان تانگے پر لے جاتا ہوں۔"

یوسف نے کہا: "نہیں ابھی میرا سامان یہیں رہے گا۔"

"صاحب پھر بھی آپ کو سائیکل کی ضرورت ہو گی۔ اس لئے میں تانگے پر یا پیدل چلا جاؤں گا۔"

یوسف نے اسے ایک روپیہ نکال کر دیتے ہوئے کہا: "اچھا تم جاؤ اور میرا

انتظار کرنے کی بجائے کھانا ہاٹ کیس میں رکھ دینا۔ ہو سکتا ہے کہ منظور صاحب کے ساتھ باتوں میں کچھ دیر لگ جائے۔ اور پھر میں انہیں بھی ساتھ لیتا آؤں۔ اباجی اور امی کو میرا سلام کہہ دینا۔"

منظور نے کہا۔ "یوسف صاحب مجھے یقین تھا۔ کہ آپ وہاں سے کھانا کھائے بغیر نہیں آئیں گے اس لئے میں نے یہاں آتے ہی کھا لیا تھا۔"

عبدالغفور نے کہا: "جناب میاں جی تو شاید سو گئے ہوں گے لیکن بی بی جی آپ کا ضرور انتظار کر رہی ہوں گی، منظور صاحب آپ نے کھانا کھا لیا ہے۔ تو بھی یوسف صاحب کے ساتھ آجائیں۔ وہاں آپ کو بڑے لذیذ کباب ملیں گے۔"

"یار عبدالغفور کباب تو تمہارے بناتے ہوئے بہت لذیذ ہوتے ہیں، لیکن آج میرے نوکر دین محمد نے بھی کچھ کاری گری دکھائی تھی۔ خیال تھا کہ شاید یوسف صاحب یہاں سے کھانا کھا کر اس کی تعریف کریں گے۔ اس لئے میں نے خوب کھایا ہے۔ اب میں یوسف صاحب کو دروازے پر چھوڑ کر واپس آجاؤں گا۔ مجھے واقعی افسوس ہو رہا ہے کہ میں نے اپنے پیٹ میں کچھ خالی جگہ کیوں نہیں رکھی۔"

عبدالغفور کو رخصت کرنے کے بعد یوسف اور منظور کوئی نصف گھنٹہ باتیں کرتے رہے۔ یوسف بظاہر ہنس ہنس کر باتیں کر رہا تھا۔ لیکن منظور کو یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی۔ کہ اُس کے دل پر کچھ بوجھ ہے۔ اُس نے کہا:

"یوسف صاحب مجھے بتائیے تو سہی کہ وہاں کیا بات ہوئی۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ سخت لڑائی کے موڈ میں ہیں۔"

"منظور! مجھے معلوم نہیں کہ میں کیسے موڈ میں ہوں۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مجھے چاہنے والوں نے ہنسی مذاق میں میری گردن پر چھری رکھ دی ہے۔"

"ارے یار! یوں کیوں نہیں کہتے کہ سقراط کو زہر کا پیالہ پیش کیا جا رہا ہے۔"

"یار اس میں زہر والی کوئی بات نہیں۔ یہ حکیم اللہ رکھا کا وہ جوشاندہ ہے جسے دیکھتے ہی مجھے متلی آجایا کرتی تھی۔ گھر کے بزرگ اور اباجی خاص طور پر میرے منہ میں انڈیلنے کی کوشش کیا کرتے تھے ——— میں آنکھیں بند کرتا تھا۔ مٹھیاں بھینچ لیتا تھا اور بڑی ہمت سے منہ کھول کر ایک گھونٹ اپنے حلق سے اُتار لیا کرتا تھا، لیکن اس کے ساتھ ہی مجھے قے آجایا کرتی تھی۔ ان باتوں کو کچھ برس ہو گئے ہیں، لیکن میں اب بھی جب اس جوشاندے کا تصور کرتا ہوں تو مجھے اس کی قے آور بو محسوس ہونے لگتی ہے۔"

منظور نے کہا: "یار اس لحاظ سے سقراط بدقسمت تھا کہ اس کے زمانے میں حکیم اللہ رکھا جیسے زہر فروش نہ تھے، لیکن خدا نہ کرے کہ تمہیں زہر پلانے والے کو خوش کرنے اور اس کے ساتھ ہی زندہ رہنے کا تجربہ کرنا پڑے۔"

یوسف نے کہا: "چھوڑو یار بار بار سقراط کا نام لے کر مجھ پر اپنی قابلیت کا رعب نہ ڈالو۔ تم نہیں سمجھ سکتے کہ مجھ پر کیا گزر رہی ہے۔"

"بھائی جان! معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ بہت سنجیدہ ہے، لیکن مجھے یقین ہے کہ خدا نے آپ کے ہاتھ میں زہر کا پیالہ چکنا چور کرنے کی قوت دے رکھی ہے اور اگر کسی آہنی پیالہ میں چھید کرنے کے لئے میری مدد کی ضرورت پڑی تو میں ہر وقت موجود ہوں گا۔ آپ مجھے زندگی کے اندھیروں اور اجالوں میں ہر قدم پر اپنے ساتھ دیکھیں گے۔ اگر کوئی نازک مرحلہ آگیا ہے تو میں آپ کے اباجان، عبدالکریم صاحب، عبدالعزیز صاحب اور بیگم بلقیس سے بات کر سکتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ ان سب کی خوش فہمیاں اور غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی۔"

"مجھے تمہارے خلوص پر کوئی شبہ نہیں منظور۔ لیکن ابھی دُور کے بادل صرف گرج رہے ہیں اور میں اس امکان سے مایوس نہیں ہوں کہ یہ برسے بغیر گزر جائیں گے۔ میں اباجی کا سامنا کرتے ہوئے گھبراتا ہوں۔ خطرہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں ہم دونوں

بے لچک ثابت ہوں گے، لیکن پھر مجھے یہ اطمینان بھی ہوتا ہے کہ جب میں سنجیدہ ہو جایا کرتا ہوں تو وہ میری بات اطمینان سے سُنا کرتے ہیں۔"

منظور نے کہا۔ "یوسف صاحب میں آپ کے گھریلو معاملات میں دخل دینے سے بہت جھجکتا ہوں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ آپ اپنی سوتیلی والدہ کے تعاون سے یہ الجھن بآسانی دُور کر سکتے ہیں۔ میں آپ کے بھائی صدیق سے ملتا رہتا ہوں۔ اور اس نے سوتیلی والدہ کے طرزِ عمل کے متعلق کبھی کوئی شکایت نہیں کی۔ ایک دن آپ کے چچا لاہور آئے تھے۔ اور آپ کا بھائی انہیں میرے پاس لے آیا تھا۔ بڑے خوش طبع آدمی ہیں۔ ان کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ آپ کی سوتیلی والدہ بچوں سے بہت پیار کرتی ہیں اور آپ کے خاندان میں اُن کی بہت عزت کی جاتی ہے۔ لیکن آپ کا بھائی سگی ماں سے بہت خائف ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جب وہ کسی بچے کے سر پر ہاتھ رکھ کر صدقے جاؤں واری جاؤں کہنا شروع کرتی ہے تو وہ سہم جاتا ہے ———

——— یار وہ سائیں ہیر کو کے شاہ کون ہے؟"

"بھئی میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ قائم دین اور اس کی بیوی اُس کے مرید ہیں۔"

"تمہارا چچا کہتا تھا۔ کہ وہ امرتسر کے آس پاس کہیں رہتا ہے۔ دوائیاں اور کشتے بھی بناتا ہے۔ اور قائم دین اور اس کی بیوی اسے ولی سمجھتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ایسے سادہ دل لوگوں کو اپنا طرف دار بنا لینا تمہارے لئے مشکل نہیں ہوگا۔"

"منظور تم مجھے بالکل اُلّو سمجھنے لگ گئے ہو۔ تمہارا خیال ہے کہ مجھے ان لوگوں کو بھی سہارا سمجھ لینا چاہیئے جو نیک و بد کی تمیز نہیں رکھتے۔ اگر مجھے کسی کے تعاون کی ضرورت پیش آئی تو میرے لئے امینہ اور اس کے والدین کو راہِ راست پر لانا زیادہ آسان ہوگا ——— اب چلو۔"

وہ سائیکل پکڑ کر باہر نکلے تو یوسف نے کہا: "یار اگر تم پیدل چل سکو تو میری تھکاوٹ

دور ہو جائے گی۔"

"ٹھیک ہے۔" منظور نے جواب دیا اور وہ سڑک کے کنارے باتیں کرتے ہوئے چل پڑے۔

گھر کے قریب پہنچ کر یوسف نے منظور کو رخصت کیا۔ اور آگے بڑھ کر ڈیوڑھی کے دروازے کی زنجیر کھٹکھٹانے ہی لگا تھا کہ اندر سے کنڈی کھلنے کی آہٹ سنائی دی — دروازہ کھلا۔ اور وہ بجلی کی روشنی میں چراغ بی بی کو دیکھ رہا تھا۔ یوسف السلام علیکم کہہ کر ڈیوڑھی میں داخل ہوا اور چراغ بی بی نے اسے دعائیں دیتے ہوئے کہا:

"اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تم آ گئے۔ تمہارے ابا جان بہت پریشان تھے۔ وہ ابھی ابھی سوئے ہیں۔ صدیق بھی سو گیا ہے۔ لیکن اُس نے مجھ سے کہہ دیا تھا کہ جب تم آؤ گے تو میں اُسے جگا دوں گی۔"

"اُسے جگانے کی ضرورت نہیں۔ اور آپ بھی آرام کریں۔ میرا خیال تھا کہ عبدالغفور کنڈا کھلا رکھے گا اور میں دبے پاؤں اُوپر جا کر چند نوالے کھانے کے بعد سو جاؤں گا۔"

"یوسف! تم یہ کیسے سوچ سکتے ہو۔ کہ میں تمہیں کھانا کھلائے بغیر سو سکتی ہوں۔"

"آپ کا بہت شکریہ، لیکن اب آپ آرام کریں — میرا بستر چھت پر ہے نا؟"

"ہاں۔ ابھی گرمی تو اتنی نہیں آئی۔ لیکن میں نے تمہارا بستر اُوپر لگوا دیا تھا۔"

"بہت اچھا۔ میں ہاٹ کیس وہیں لے جاؤں گا۔"

"میں نے کباب بھی پلاؤ کے ساتھ ہاٹ کیس میں رکھ دیئے ہیں۔ امید ہے کہ تم دونوں چیزیں پسند کرو گے۔ اور میں اس بات پر بہت خوش ہوں کہ تم کہیں باہر سے کھانا نہیں کھا آتے۔ ورنہ مجھے بہت افسوس ہوتا۔"

چند منٹ بعد یوسف اپنے بستر پر بیٹھ کر ہاٹ کیس کھول رہا تھا۔ پلاؤ کے دو لقمے کھانے کے بعد اسے فوری طور پر پانی کی ضرورت محسوس ہوئی۔ وہ نیچے اترا۔ اور اس نے دوسری چھت کے زینے کے قریب مٹی کی صراحی سے ٹھنڈے پانی کا ایک گلاس بھر کر منہ کو لگا لیا۔ اور پھر صراحی اور گلاس اٹھا کر اوپر چلا گیا۔ لیکن زینہ عبور کرتے ہی اسے تلخی محسوس ہوئی اور اس نے یکے بعد دیگرے پانی کے دو اور گلاس بھر کر پی لئے۔ پھر وہ ایک کباب نکال کر چکھنے لگا۔ تو اسے محسوس ہوا کہ اسے مزید پانی کی ضرورت ہے۔ اُس نے کباب رکھ دیا۔ اور گلاس بھرنے کی بجائے دونوں ہاتھوں سے صراحی اٹھا کر منہ کو لگا دی۔ اسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اس کے اندر کوئی آگ ہے۔ جو ٹھنڈے پانی سے بجھ نہیں رہی۔ اُس نے صراحی حلق میں انڈیل لی۔ اور پھر اچانک اسے زور سے قے آئی۔ وہ نقاہت کے باعث لیٹ جانا چاہتا تھا۔ لیکن اچانک اسے خیال آیا کہ وہ کسی زہر کے اثر سے مر رہا ہے اور زہر اس کے کھانے میں تھا۔

زیادہ پانی پینے اور فوراً قے کرنے کے باعث وہ بچ گیا۔ لیکن زہر کا اثر ابھی تک زائل نہیں ہوا۔ اگر وہ چند نوالے اور کھا لیتا تو اب تک وہ ختم ہو گیا ہوتا۔ موت کے خوف سے اس پر کپکپاہٹ سی طاری ہو گئی۔ ابھی تک پیاس سے اس کا سینہ جل رہا تھا۔ وہ اٹھا اور نیچے اتر کر زینے کے اس کونے تک جا پہنچا۔ جہاں پانی کے گھڑے رکھے ہوئے تھے۔ پھر اس نے مٹی کا ایک بڑا پیالہ اٹھایا جو گھڑے کے لئے ڈھکنے کا کام دیتا تھا۔ اور بھر بھر کر پینا شروع کر دیا۔ ایک بار پھر اسے متلی محسوس ہوئی۔ وہ اٹھ کر بیت الخلاء کی طرف بھاگا۔ لیکن پیٹ میں شدید ابال کی وجہ سے اس نے بیت الخلاء کے باہر ہی قے کر دی۔ قے سے فارغ ہو کر وہ لڑکھڑاتا ہوا اس جگہ پہنچ گیا جہاں پانی کے گھڑے رکھے ہوئے تھے وہ کمرے کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اس کے دائیں ہاتھ وہ کمرہ تھا۔ جہاں اس کا بھائی صدیق سو رہا تھا۔ اور اس کے

ساتھ اس کے والد اور سوتیلی ماں کا کمرہ تھا۔ نیچے جانے والے زینے کے قریب دیوار کے ساتھ دو چارپائیاں کھڑی تھیں۔ وہ ایک بار پھر پانی پینے کے بعد اٹھا اور ایک چارپائی بچھا کر لیٹ گیا: ـــ "کیا میں زندہ ہوں" ـــ "کیا میں زندہ رہوں گا؟" وہ اپنے دل سے بار بار پوچھ رہا تھا۔ آسمان پر وہی ستارے جگمگا رہے تھے۔ جنہیں وہ رات کے وقت چھت پر لیٹ کر دیکھا کرتا تھا۔ ایک ستارہ ٹوٹا اور ایک ثانیہ کے لیے روشنی بکھیرنے کے بعد فضا میں تحلیل ہو گیا۔ "اس سے کیا فرق پڑتا ہے"؟ اس نے اپنے دل میں کہا۔ "یہ ستارے اگر رات بھر ٹوٹتے رہیں تو بھی آسمان پر کوئی کمی محسوس نہیں ہوگی"۔ پچھلے پہر کے چاند کی روشنی پھیل رہی تھی۔ اچانک اسے محسوس ہوا کہ کوئی دوسری چھت کے زینے پر چڑھ رہا ہے۔ پھر اس نے یہ محسوس کیا کہ اس کے جسم کی نقاہت آنکھوں تک جا چکی ہے۔ لیکن چھت کے قریب پہنچ کر چڑھنے والا متحرک سایہ اُسے صاف طور پر نظر آنے لگا۔ وہ اٹھا اور درمیانے جنگلے کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا بالائی منزل کی سیڑھی کے قریب پہنچ گیا۔ پھر جب وہ جنگلے کا سہارا لے کر اوپر کی طرف دیکھ رہا تھا تو اس کی سوتیلی ماں ایک ہاتھ میں ہاٹ کیس اور دوسرے ہاتھ میں وہ ڈبہ اٹھائے نیچے آرہی تھی۔ جس میں سے اس نے پلاؤ کے دو لقمے کھائے تھے۔ وہ اچانک یوسف کو سامنے دیکھ کر ٹھٹکی لیکن یوسف نے آگے بڑھ کر کہا:

"آپ کیوں تکلیف کرتی ہیں۔ میں نے ابھی کھانا ختم نہیں کیا تھا۔ وہ تو پیاس لگ گئی تھی۔ صراحی میں پانی شاید کم تھا۔ اس لیے مجھے نیچے آنا پڑا۔ لائیے میں اپنا کھانا اطمینان سے ختم کروں گا"۔

پیشتر اس کے کہ وہ کوئی جواب دیتی۔ اس نے اس کے ہاتھوں سے ہاٹ کیس اور ڈبہ جس میں سے اس نے پلاؤ کھایا تھا۔ پکڑ لیا۔

"یوسف ـــ"! اس نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔ "تم ٹھیک ہو نا"؟

"ہاں میں بالکل ٹھیک ہوں۔ مجھ سے یہ غلطی ہوئی ہے کہ میں نے اپنی پیاس بجھانے کی بجائے کھانا شروع کر دیا تھا۔ یہ پلاؤ اتنا لذیذ ہے کہ میں اس کا ایک دانہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا ـــ آپ آرام کریں۔ اب خنکی بھی ہو گئی ہے۔ میں نیچے جا کر کھانا کھانے کے بعد آرام سے سو جاؤں گا"۔

"یوسف! تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں"۔

"جب میں پیٹ بھر کر کھا لوں گا تو میری طبیعت بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔ آپ جائیں جا کر آرام کریں۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ سب جاگ جائیں گے اور میرے حصے کا کھانا چھین لیں گے"۔

یوسف اُسے کچھ اور کہنے کا موقع دیئے بغیر مڑا اور چند قدم دُور نیچے جانے والے زینے میں غائب ہو گیا۔

چراغ بی بی خوف سے لرزتی ہوئی جنگلے سے نیچے دیکھنے لگی۔ اسے پہلے ہینڈ پمپ چلنے کی آواز آئی۔ پھر اُسے یہ محسوس ہوا کہ یوسف قے کر رہا ہے۔ اس کے بعد خاموشی چھا گئی ـــ خاموشی کے یہ دو تین منٹ اسے انتہائی خوفناک محسوس ہوئے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھی اور زینے کے ساتھ بجلی کا بٹن دبا کر نیچے اترنے لگی ـــ نیچے پہنچ کر اس نے دوسرا بٹن دبایا اور بجلی کی روشنی ڈیوڑھی سے صحن تک پھیل گئی ـــ یوسف اپنی سائیکل پکڑ کر ڈیوڑھی سے باہر نکل رہا تھا۔

"یوسف"! اس نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔ "تم کہاں جا رہے ہو"؟

یوسف نے مڑے بغیر جواب دیا۔ "آپ کا لذیذ پلاؤ چکھتے ہی مجھے جو پیاس محسوس ہوئی ہے۔ وہ گھر کے پانی سے نہیں بجھ سکی۔ اس لیے دریا کے کنارے کھلی ہوا میں یہ کھانا اطمینان سے ختم کروں گا"۔

"یوسف! تم بیمار ہو۔ تم قے کر رہے تھے ـــ ٹھہرو"۔

یوسف نے جواب دیا: "نہیں جب بیماری کے ساتھ قے شروع ہو جاتے تو مریض کو گھر سے باہر رہنا چاہیئے۔ آپ کو اوپر کی چھت اور درمیانی چھت پر گھڑے رکھنے والی جگہ اور یہاں نلکے کے آس پاس اچھی طرح صفائی کروانی چاہیئے۔ اور وہ برتن بھی اچھی طرح صاف کر لیجئے جن میں میرے لئے لذیذ کھانے تیار کئے گئے تھے تاکہ بیماری کا اثر کسی اور تک نہ پہنچے۔ اگر میں گھر نہ آسکا۔ تو یہ یا اس سے بہتر اطلاع کہیں یہاں پہنچ جائے گا۔"

چراغ بی بی کو ایسا محسوس ہوا۔ جیسے اُس کی ٹانگیں اس کا بوجھ نہیں سہار سکتیں۔ وہ نڈھال سی ہو کر سیڑھی پر بیٹھ گئی۔ اور یوسف سائیکل لے کر باہر نکل گیا۔ وہ اٹھی لرزتی اور لڑکھڑاتی ہوئی ڈیوڑھی کے دروازے کی طرف بڑھی۔ یوسف گلی سے غائب ہو چکا تھا۔ صحن کی پچھلی کوٹھڑی سے عبدالغفور نمودار ہوا۔

"بی بی جی! کیا ہوا؟ میں پمپ چلنے کی آواز سے بیدار ہوا تھا۔ اور پھر مجھے ایسا لگا جیسے کوئی قے کر رہا ہے۔ جب میں پوری طرح بیدار ہوا تو مجھے آپ کی اور یوسف صاحب کی آوازیں سنائی دیں ——— اُن کی سائیکل یہاں نہیں ہے؟ کہیں میاں صاحب تو اُن سے ناراض نہیں ہوئے۔"

چراغ بی بی نے بڑی مشکل سے جواب دیا: "میں بھی نلکہ چلنے اور قے کی آواز سن کر آئی تھی، لیکن شاید یوسف یہ سمجھتا تھا۔ کہ اسے ہیضہ ہو گیا ہے۔ اس لئے گھر نہیں ٹھہرنا چاہیئے۔ وہ اتنی جلدی باہر نکل گیا تھا کہ میں اُسے روک بھی نہ سکی۔"

"بی بی جی، آپ آرام کریں شاید وہ ڈاکٹر کے پاس گئے ہوں۔"

"دیکھو عبدالغفور! اگر یوسف کے ابا جی کو یہ پتہ چلا کہ میں نے اسے بیماری کی حالت میں نکلتے ہوئے دیکھا تھا اور تم بھی جاگ اٹھے تھے تو وہ بہت ناراض ہوں گے۔ میں کیا جواب دوں گی کہ میں اُسے بھاگ کر روک بھی نہ سکی ——— میں نے شور بھی نہ مچایا۔ میں نے اس کے بھائی کو بھی نہ جگایا۔"

"بی بی جی! خدا خیر کرے گا۔ آپ اوپر جا کر اُن کے لئے دُعا کریں۔ یہاں کئی ڈاکٹر انہیں جانتے ہیں۔ انشاءاللہ وہ کل مسکراتے ہوئے گھر آئیں گے۔"

چراغ بی بی نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا: "دیکھو عبدالغفور! تم نے مجھے یوسف کے ابا جی کے غصے سے بچا لیا تو میں تمہارا احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔"

"بی بی جی! آپ فکر نہ کریں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

چراغ بی بی آہستہ آہستہ اوپر چڑھنے لگی۔ اور نچلی چھت کے اوپر پہنچ کر سر پکڑ کر اسی چارپائی پر بیٹھ گئی۔ جہاں کچھ دیر پہلے یوسف بیٹھا تھا۔ وہ بار بار اپنے دل میں کہہ رہی تھی۔ یا اللہ میں کیا کر بیٹھی ہوں ——— اب کیا ہو گا ——— وہ یہ سمجھ گیا ہے کہ اُسے زہر دیا گیا ہے۔ اور وہ باقی کھانا اپنے ساتھ لے گیا ہے۔ اس نے ایک مشہور ڈاکو کو گرفتار کیا تھا۔ میں اس سے کیسے بچ سکتی ہوں۔ اگر وہ چاہتا تو ایک ہاتھ سے میرا گلا گھونٹ سکتا تھا۔ لیکن اس نے مجھے زندہ کیوں چھوڑ دیا؟ کیا یہ اس لئے تھا کہ وہ اپنے باپ سے بہت پیار کرتا ہے۔ اور مجھے اس کی بیوی سمجھ کر معاف کر گیا ہے ——— کاش! میری ماں مجھے جنم نہ دیتی ——— کاش! میں اس کے مشورے نہ سنتی۔ اگر یہ معاملہ آگے بڑھا۔ تو میں، میری ماں، میرا باپ اور وہ کالے منہ والا پیر کوکے شاہ سب پکڑے جائیں گے۔ یا اللہ میرے دل میں یہ خیال کیوں پیدا ہوا تھا۔ کہ اگر امینہ اس گھر میں بہو بن کر آ گئی تو میں بہت حقیر ہو جاؤں گی ——— کاش میں اپنی ماں کے مشوروں سے کان بند کر لیتی۔ اب یوسف کالے پیر کا زہر کھا کر بھی زندہ ہے۔ اور میں اور میری ماں جو اس گھر پر حکومت کرنا چاہتی تھیں۔ اتنی ذلیل ہو جائیں گی۔ کہ کوئی ہمیں منہ لگانا پسند نہیں کرے گا۔ یہ معاملہ امینہ کے گھر تک پہنچے گا تو دنیا میں ہمارے لئے سر چھپانے کے لئے جگہ نہیں رہے گی جو تھوڑی سی جائیداد میرے باپ نے خریدی ہے۔ اس کے باوجود

ہیں کسی جگہ قابلِ عزت نہیں سمجھا جائے گا۔ مجھے اپنی جان بچانے کے لئے بھی امینہ اور اس کی ماں کے پاؤں پر گرنا پڑے گا ـــــ وہ کتنی پریشان تھیں کہ یوسف گھر نہیں پہنچا۔ کاش میں یوسف کو زہر والے کھانے کھلانے کی بجائے اسے ساتھ لے کر امینہ کے گھر چلی جاتی اور پھر اس کے ساتھ خوشی خوشی واپس آتی۔ اور یوسف کے ابا کو جگا کر یہ کہتی کہ آپ گہری نیند سو رہے تھے۔ اس لئے میں یوسف کو لے کر لڑکی والوں کے گھر چلی گئی تھی۔ تاکہ انہیں تسلی دے سکوں۔ آپ بلا وجہ پریشان تھے کہ یوسف یہ رشتہ پسند نہیں کرے گا۔ لیکن وہ بہت خوش تھا۔ امینہ آپی اپنی کار پر چھوڑ کر گئی ہے۔
پیر کرکے شاہ تیرا بیڑہ غرق ہو۔ تو نے ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑا۔ اگر اس وقت تو میرے سامنے آجائے تو میں تیرا منہ نوچ لوں گی۔

کمرے سے عبدالرحیم اسے آواز دیتا ہوا باہر نکلا۔ اور اس نے خوف سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا:

"جی! میں یہاں ہوں"

"یوسف نہیں آیا؟" اس نے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

"جی وہ آیا تھا۔ آپ سو رہے تھے اس لئے وہ کہیں چلا گیا ہے"

"کہاں چلا گیا ہے؟"

"جی مجھے معلوم نہیں۔ اس کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ اسے قے آنا شروع ہو گئی تھی۔ اور وہ یہ سمجھ کر سائیکل پر باہر نکل گیا تھا کہ شاید اسے ہیضہ ہو گیا ہے"

عبدالرحیم نے گرج کر کہا: "وہ ہیضہ کی حالت میں باہر نکل گیا ہے اور تم نے مجھے اطلاع تک نہ دی۔ تمہارے منہ سے آواز بھی نہ نکل سکی"

"جی اُس نے مجھے کسی کو جگانے سے منع کر دیا تھا۔ وہ اپنی سائیکل پر گیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ سیدھا ڈاکٹر کے پاس جائے گا ـــــ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ

میاں عبدالکریم کے گھر چلا گیا ہو"

"تم نے مجھے جگایا کیوں نہیں! وہ مجھے ملے بغیر کہیں نہیں جا سکتا تھا"

"جی مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہاں آتے ہی اس کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔ اور وہ اس طرح اچانک چلا جائے گا"

"اگر وہ کریم کے گھر گیا ہو تو مجھے اس بات سے خوشی ہوگی۔ مجھے اس بات کا ڈر تھا۔ کہ وہ رشتے کے متعلق ہمارے فیصلے سے بغاوت نہ کر دے"

"آپ کا مطلب ہے کہ امینہ اسے پسند نہیں تھی؟"

"مجھے معلوم نہیں کہ اس کے دل میں کیا ہے۔ کیونکہ جب بھی میں اس کی منگنی کے بارے میں کچھ کہنا چاہتا تھا۔ تو وہ ٹال دیتا تھا"

"جی وہ شرماتا ہوگا۔ یہ بات تو آپ کے گاؤں کے سب لوگ اور اس محلے والے بھی جانتے ہیں کہ یوسف کیا چاہتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ امینہ اپنے ساتھ کیا کچھ لائے گی۔ عبدالکریم کی بیوی نے یہ بات تو میرے سامنے کہی تھی۔ کہ دوسری کوٹھی وہ امینہ کے لئے بنوائیں گے"

"میرا بیٹا ایسی باتیں نہیں سوچتا۔ وہ جہیز کے لالچ میں شادی نہیں کرے گا۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ لڑکی قدسیہ مرحومہ کو بھی پسند نہ تھی۔ ورنہ یہ منگنی اس کی زندگی میں ہی ہو گئی ہوتی۔ اگر عبدالکریم فوراً منگنی کے اعلان پر ضد نہ کرتا تو میں یوسف کے دل کی بات پوچھنے کی ذمہ داری تمہیں سونپ دیتا۔ مجھے محسوس ہوتا تھا۔ کہ وہ تعلیم سے فارغ ہو کر اس لڑکی کو پسند کرے گا۔ جو بلقیس بیگم کے ساتھ ہمارے گھر آئی تھی۔ تم نے اس کی ماں اور نانی کو بھی دیکھا ہوگا۔ وہ لڑکی بڑی خوب صورت ہے۔ اگر یوسف کے دل میں اس کے ساتھ شادی کرنے کا خیال پیدا ہو گیا، تو یہ معاملہ بہت خراب ہو جائے گا"

"نہیں جی! یوسف وہی کرے گا جو آپ چاہتے ہیں۔"

"اگر وہ لڑکی تم نے غور سے دیکھی ہوتی تو تم فوراً یہ سمجھ جاتیں کہ جب یوسف نے ایک بار اُس خاندان سے تعلق جوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ تو ہم بے بس ہو جاتیں گے وہ اُن لوگوں میں سے ہے جو کچھ حاصل کرنے کے لئے بہت کچھ ترک کر دیا کرتے ہیں۔"

"یہی تو میں کہتی ہوں کہ وہ امینہ کا گھر ڈاکوؤں سے بچانے کے لئے جان پر کھیلنے کے لئے تیار ہو گیا تھا۔ وہ بہت دُور کی سوچتا ہے۔ اُسے معلوم ہے کہ امینہ کی وجہ سے دونوں گھروں پر اس کی حکومت ہو گی۔ اور امینہ کا باپ بھی یہ سمجھتا ہے کہ اس کی بیٹی دونوں خاندانوں پر راج کرے گی۔"

چراغ بی بی کو اس گفتگو کے دوران یہ محسوس ہو رہا تھا کہ وہ یوسف کے والد کو قائل کرنے کی بجائے اپنے دل کو تسلی دے رہی ہے اور اس کا دِل ملامت کے احساس سے پسا جا رہا تھا۔

عبدالرحیم نے کہا: "میں مسجد میں نماز پڑھنے جا رہا ہوں۔ اگر یوسف آجائے تو اُسے روک لینا۔ اگر اُس کے دِل پر کوئی بوجھ ہے، تو میں چند منٹ میں دور کر دوں گا۔"

چراغ بی بی نے اُٹھ کر کہا: "اگر اُس کے دل پر اس وجہ سے بوجھ ہے کہ اس دعوت میں اس کی منگنی کا اعلان ہو گا، تو آپ کیسے دُور کر سکیں گے؟"

عبدالرحیم نے جواب دیا: "خدا میرے بیٹے کو صحت دے۔ اگر وہ اس دعوت میں شریک نہ ہو سکا، تو چند دن بعد میاں عبدالکریم کو ایک اور دعوت کا انتظام کرنا پڑے گا۔ اور اس میں منگنی کے اعلان کی بجائے نکاح پڑھا دیا جائے گا۔"

عبدالرحیم یہ کہہ کر نیچے اُتر گیا، اور چراغ بی بی اپنے دل کو پھر یہ تسلی دے رہی تھی کہ اس سے جو جرم سرزد ہوا ہے وہ بلا وجہ تھا ـــــ پھر وہ کمرے کے اندر بستر

پر لیٹی اپنے دِل میں کہہ رہی تھی: کاش! مجھے یہ معلوم ہوتا کہ امینہ کو اس گھر سے دور رکھنے کے اور بھی طریقے ہیں۔ لیکن میں بیوقوف تھی۔ میں نے فہمیدہ کے متعلق کیوں نہیں سوچا تھا۔ میں امینہ کے حسد سے کیوں اندھی ہو گئی تھی۔ ایک احمق ماں اور بے وقوف باپ کی بیٹی نے کیوں یہ سمجھ لیا تھا کہ اُس سے کوئی عقل کی بات بھی ہو سکتی ہے۔ میں نے امینہ کے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کی بجائے اپنے پاؤں کاٹ لئے ہیں، کاش میں اس کے ساتھ فہمیدہ کے متعلق باتیں کیا کرتی۔ اور اس کے خیالات معلوم کرنے کے بعد پُوری قوت کے ساتھ جالندھر والوں کے گھر میں یوسف کی منگنی کی حمایت کرتی۔ پھر وہ عمر بھر کے لئے میرا احسان مند ہو جاتا ـــــ میری کسی نیکی کے بغیر بھی تو وہ دِل سے میری عزت کرتا تھا، لیکن اب کیا ہو گا۔" اس کے پاس اضطراب کی حالت میں مٹھیاں بھینچنے، آہیں بھرنے، سسکیاں لینے اور آنسو بہانے کے سوا کوئی جواب نہ تھا۔

یوسف منظور کے مکان کے قریب پہنچ کر نڈھال سا ہو چکا تھا۔ اس نے سائیکل ایک دیوار کے ساتھ کھڑی کی اور لڑکھڑاتے ہوئے آگے بڑھ کر دروازے کو دھکا دینے کے بعد دہلیز پر بیٹھ گیا۔ پانچ منٹ بعد وہ پھر دروازے پر ہاتھ مارنے لگا۔

اندر سے کنڈی کھلی اور دین محمد نے گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھا:

"صاحب کیا ہُوا آپ کو؟ آپ یہاں کیوں بیٹھ گئے؟"

"دین محمد میری طبیعت ٹھیک نہیں!"

منظور بھاگتا ہوا وہاں پہنچا اور اس نے یوسف کا بازو پکڑ کر اٹھنے کے لئے سہارا دیتے ہوئے کہا:

"یوسف بھائی کیا ہُوا؟"

"تم مجھے کسی نچلے کمرے میں ہی لٹا دو۔ اور جلدی سے ڈاکٹر کو بلا لاؤ اور دیکھو اس ہاٹ کیس کی پوری طرح نگرانی کرو۔ اس کے اندر جو کھانا ہے۔ اسے چھونا بھی خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ اسے الماری میں بند کر کے تالا لگا دو۔ تم ڈاکٹر کو یہ بتا سکتے ہو کہ مریض نے کوئی زہریلی چیز کھالی ہے اور تین مرتبہ پیٹ بھر کر پانی پینے سے کھل کر قے آئی ہے۔ اب قے رک گئی ہے۔ لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے۔ کہ انتڑیاں اندر سے ٹوٹ رہی ہیں۔ اگر تم ڈاکٹر ٹھاکر کے گھر پہنچ سکو۔ تو وہ میرا نام سنتے ہی تمہارے ساتھ چل پڑیں گے۔ تم میرے ساتھ ان کا مکان اور دکان بھی دیکھ چکے ہو۔ اگر وہ نہ ملے تو ڈاکٹر نور الہی کے گھر چلے جاؤ۔ میں موجودہ حالات میں کسی اجنبی کو اعتماد میں نہیں لے سکتا۔"

"نہیں یوسف صاحب میرے ماموں ڈاکٹر محمود علی تبدیل ہو کر ریلوے ہسپتال میں آچکے ہیں۔ میں سیدھا ان کے پاس جاؤں گا۔"

یوسف نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا: بہت اچھا۔ انہیں یہ بتا دینا کہ میں کوئی زہریلی چیز کھا چکا ہوں۔"

منظور نے اسے سہارا دے کر ایک کمرے کے اندر بستر پر لٹا دیا۔ اور بجلی کا پنکھا آن کرتے ہوئے نوکر سے کہا:

"دین محمد تم ان کا خیال رکھو — میں جلدی آجاؤں گا۔"

وہ چلا گیا تو یوسف نے دین محمد سے کہا:

"تم ٹھنڈے پانی کا ایک جگ لے آؤ اور اس میں ایک چمچہ نمک ڈال کر میرے پاس رکھ دو۔"

تقریباً ایک گھنٹہ بعد منظور واپس آیا۔ تو اس کی سائیکل کے پیچھے ایک تانگہ

آ رہا تھا۔ دین محمد دروازے سے باہر کھڑا تھا۔ منظور نے سائیکل سے اترتے ہی سوال کیا:

"یوسف صاحب کا اب کیا حال ہے؟"

"جناب! وہ بستر پر آنکھیں بند کئے پڑے ہوئے ہیں۔ نمکین پانی کے چند گھونٹ پینے کے بعد ان کا جی متلانے لگا تھا۔ لیکن قے نہیں آئی۔ پھر انہوں نے کہا۔ اس پانی میں برف ڈالو اور مجھے چمچے کے ساتھ پلاتے جاؤ۔ اور میں اب تک ایک بڑا گلاس انہیں پلا چکا ہوں۔"

ڈاکٹر تانگے سے اترا اور منظور اس کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ یوسف نے ان کی آہٹ سن کر آنکھیں کھول دیں اور بستر سے اٹھنے کی کوشش کی، لیکن منظور نے جلدی سے آگے بڑھ کر اسے روکتے ہوئے کہا:

"یوسف صاحب آپ آرام سے لیٹے رہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ ماموں جان مجھے جاتے ہی مل گئے تھے۔"

ڈاکٹر محمود نے کسی تاخیر کے بغیر یوسف کی نبض دیکھی، اس کا بلڈ پریشر چیک کیا۔ اس کے بعد اس کی آنکھوں کا معائنہ کیا۔ پھر اسے ایک ٹیکہ لگایا۔ اور چند سوالات پوچھنے کے بعد منظور کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"بیٹا قدرت نے تمہارے دوست کی مدد کی ہے۔ اس طرح اس کا ایک لخت اتنی مقدار میں پانی پی جانا اور پھر قے کر دینا ایک معجزہ ہے۔ اب انہیں نمکین پانی میں گلوکوز ڈال کر پلاتے رہو، گلوکوز کا ڈبہ میرے بیگ میں ہے۔ اور اگر انہیں نیند آجائے تو بہت اچھا ہو گا۔ کچھ دیر سونے کے بعد ان کی طبیعت بہت بہتر ہو جائے گی اور ہم انہیں دودھ پلا سکیں گے۔ اس کے بعد میں انہیں اپنے ساتھ ہسپتال میں لے جاؤں گا۔"

یوسف نے کہا۔"ڈاکٹر صاحب مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ میں ٹھیک ہو رہا ہوں۔ اور ہسپتال جانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔"

"نہیں بیٹا!" ڈاکٹر محمود علی نے شفقت سے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا: "جب تک مجھے یہ تسلی نہیں ہو جاتی کہ تم بالکل ٹھیک ہو گئے ہو۔ تمہیں ہسپتال میں رہنا پڑے گا۔"

"ڈاکٹر صاحب میں نے دو نوالے ہی منہ میں ڈالے تھے۔"

"بیٹا! بعض خوش قسمت لوگوں کی انتڑیوں کا نظام ایسا ہوتا ہے کہ اگر وہ کوئی مُضر چیز نگل لیں تو فوراً قے آجاتی ہے۔ اور تم اسی وجہ سے بچ گئے ہو۔ ہم وہ کھانا بھی اُٹھا کر لے جائیں گے۔ اور لیبارٹری میں میرے کچھ دوست ہیں اور میں ان سے پوری طرح چیک کرواؤں گا۔"

"لیکن ڈاکٹر صاحب میں یہ نہیں چاہتا۔ کہ یہ معاملہ ہمارے گھر تک پہنچے۔ کسی کو یہ معلوم نہیں ہونا چاہیئے۔ کہ مجھے زہر دینے والا کون تھا۔"

"بیٹا! اگر یہ بات ہے۔ تو ہم پرائیویٹ طور پر اپنی تسلی کے لئے یہ کھانا چیک کروالیں گے۔ اور لیبارٹری میں ایسے لوگ موجود ہیں۔ جن پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔"

———— ————

تیسرے دن بلقیس ظہر کی نماز سے فارغ ہوئی تو دوست محمد نے برآمدے سے اندر جھانکتے ہوئے کہا:

"بی بی جی! یوسف صاحب کا نوکر آیا ہے۔ اس کے چہرے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ کوئی اچھی خبر نہیں لایا۔"

"کیا کہتا ہے وہ؟"

"بی بی جی! وہ مجھے صرف یہ بتا کر رو پڑا تھا کہ میں یوسف صاحب کی خبر لینے

آیا ہوں۔"

بلقیس نے کہا۔"اُسے اندر لے آؤ۔"

"بی بی جی! آپ اُسے کچھ نہ کہیں۔ وہ بہت دُکھی معلوم ہوتا ہے۔"

دوست محمد یہ کہہ کر ڈیوڑھی کی طرف بڑھا اور ایک منٹ بعد عبدالغفور بلقیس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کی مغموم صورت دیکھ کر بلقیس کا دل دھڑکنے لگا اور اس نے پوچھا۔"عبدالغفور کیا بات ہے؟"

"بی بی جی! ہم کل صبح سے یوسف صاحب کو تلاش کر رہے ہیں۔ وہ رات کے وقت گھر آئے تھے اور پچھلے پہر کہیں چلے گئے تھے۔ وہ آج عبدالکریم کے گھر دعوت میں بھی شریک نہیں ہوئے۔ میاں جی کا خیال تھا کہ اگر آپ دعوت میں آئیں تو شاید ان کے متعلق کچھ بتا سکیں۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ یوسف عبدالکریم کے گھر نہیں گیا تھا؟"

"جی نہیں۔ وہ نہیں آئے تھے۔ میں ان کے دوست منظور صاحب کے گھر بھی گیا تھا۔ لیکن ان کے نوکر نے بتایا تھا۔ کہ وہ گھر نہیں ہیں اور یوسف بھی وہاں نہیں آئے۔ میں کل رات اور آج صبح بھی منظور صاحب کے گھر گیا تھا۔ لیکن وہ اپنے نوکر کو یہ بتا کر نہیں گئے کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔ عبدالکریم کا نوکر فضل دین بھی منظور صاحب کے علاوہ اُن کے کئی جاننے والوں سے پتہ کر چکا ہے لیکن کسی کو معلوم نہیں کہ یوسف صاحب کہاں ہیں۔ منظور صاحب کا بھی کسی نے نہیں بتایا۔"

بلقیس بولی: "میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ کہ یوسف اپنے گھر کیوں نہیں ٹھہرا اور پچھلے پہر یہ بتا کر کیوں نہیں گیا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔"

عبدالغفور نے کہا: "بی بی جی۔ میں صرف اتنا جانتا ہوں۔ کہ یوسف صاحب جب گھر سے نکلے تھے تو اُن کی طبیعت خراب تھی۔ وہ قے کرنے کے بعد نکلے

سے پانی پی رہے تھے۔ پھر وہ اپنی سائیکل پر سوار ہو کر باہر نکل گئے تھے۔"

"تم نے اُن سے کچھ پوچھا تھا؟"

"جی نہیں۔ مجھے پوچھنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ میں کمرے سے باہر نکلا تو وہ سائیکل پر سوار ہو کر کہیں جا رہے تھے۔ میرا خیال تھا کہ وہ کسی ڈاکٹر سے دوائی لینے گئے ہونگے"

بلقیس نے کہا: "دیکھو عبدالغفور تم ایک اچھے آدمی ہو، یوسف کو تلاش کرو اور اگر وہ مل جائے تو فوراً مجھے اطلاع کر دو۔"

پانچویں دن عبدالرحیم کو یوسف کا خط ملا۔

"ابا جان مجھے آپ کی پریشانی کا پورا احساس ہے اور میں خلوص دل سے اپنی کوتاہی کے لئے معافی مانگتا ہوں۔ میں گھر پہنچا تھا تو آپ سو رہے تھے۔ اس لئے میں نے جگانا مناسب نہ سمجھا۔ میری طبیعت راستے میں ہی ٹھیک نہیں تھی۔ لیکن گھر پہنچتے ہی مجھے قے شروع ہو گئی۔ مجھے احساس ہوا کہ شاید مجھے اُسی بیماری نے پکڑ لیا ہے، جس نے چند گھنٹوں میں امی جان کو ہم سے جُدا کر دیا تھا۔ مجھے یہ احساس تھا کہ ایسی بیماری میں وقت بہت اہم ہوتا ہے۔ اس لئے آپ کو پریشان کرنے کی بجائے۔ میں ڈاکٹر کی تلاش میں چل پڑا تھا۔ میرا ایک مخلص دوست میرے ساتھ تھا۔ اور وہ مجھے اپنے ماموں کے پاس لے گیا تھا۔ صرف چند گھنٹے میں ہسپتال میں رہا تھا۔ پھر یہ بزرگ ڈاکٹر مجھے اپنے گھر لے گئے ——— اب میں رُو بہ صحت ہوں، لیکن اتنا کمزور ہو چکا ہوں۔ کہ اگر آپ مجھے دیکھیں تو آپ کو تکلیف ہوگی۔ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں، کہ ایک ہفتہ آرام کرنے کے بعد میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔ لیکن میری خواہش یہ ہے کہ مجھ میں کچھ جان آ جائے۔ اور میں فوراً گھر پہنچ جاؤں۔"

عبدالرحیم نے یہ خط بیوی کو سنایا۔ پھر صدیق کو پیار کر کے اسے تسلی دی اور اُٹھ کر عبدالکریم کی کوٹھی میں داخل ہوئے۔ تو عبدالکریم نے ان کا چہرہ دیکھتے ہی سوال کیا:

"یوسف کا کچھ پتہ چلا؟"

"جی ہاں، مجھے بلا وجہ اس پر غصہ آتا رہا۔ اور آپ بھی پریشان رہے ہیں۔ لیکن وہ بے قصور تھا۔ وہ گھر پہنچتے ہی بیمار ہو گیا تھا۔ قے کی وجہ سے اُسے شک ہوا کہ شاید اسے بھی اپنی ماں کی طرح ہیضہ ہو گیا ہے۔ یہ اس کی عادت ہے کہ وہ اپنی تکلیف میں کسی دوسرے کو حصہ دار نہیں بنایا کرتا۔ اس لئے وہ چپکے سے کسی ڈاکٹر کے پاس چلا گیا تھا۔ آج اس کے خط سے معلوم ہوا ہے۔ کہ وہ کمزوری کی حالت میں میرے سامنے بھی آنا پسند نہیں کرتا ——— بیٹی امینہ ادھر آؤ۔"

امینہ اپنی آنکھیں پونچھتی ہوئی آگے بڑھی۔ عبدالرحیم نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا:

"بیٹی مجھے یقین تھا کہ میرا بیٹا کسی کا دل نہیں دکھا سکتا۔ اُس کا خط پڑھ کر تمہارے اور تمہاری امی کے تمام گلے شکوے دور ہو جائیں گے۔"

"ابا جان! یوسف صاحب سے کسی کو گلہ نہیں ہونا چاہیئے۔ جو راستہ وہ اختیار کرتے ہیں ہمیشہ صحیح ہوتا ہے۔ مجھے اس پر بھی تعجب نہیں کہ انہوں نے بیماری اور تکلیف کی حالت میں اپنے عزیزوں سے دور رہنا پسند کیا ہے تاکہ انہیں تکلیف نہ ہو۔ لوگ یوسف صاحب جیسے انسانوں کو سمجھنے میں اکثر غلطی کر جاتے ہیں۔ اور میں اس بات سے ڈرتی ہوں۔ کہ کہیں آپ اور میرے والدین بھی انہیں سمجھنے میں غلطی نہ کر بیٹھیں، ممکن ہے کہ ان کے گھر سے نکلنے اور پھر بیماری کی حالت میں اتنے دن غائب رہنے میں کسی ایسی بات کا دخل ہو۔ جو اس وقت ہماری سمجھ میں نہیں آ سکتی۔"

عبدالرحیم نے کہا: "بیٹی میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ یوسف کی بہت سی باتیں سمجھنے

کے لئے ہمیں تمہاری مدد کی ضرورت ہوگی۔"

امینہ نے جواب دیا۔" ایک صاف دل اور سیدھے آدمی کو کسی کی عقل سے نہیں بلکہ اپنے دل سے سمجھا جا سکتا ہے۔"

عبدالرحیم نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا:

"بیٹی مجھے ٹھنڈا پانی پلاؤ اور سب میرے پاس بیٹھ جائیں۔ میں ایک اہم فرض سے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں۔"

امینہ نے شربت کا ایک گلاس لا کر پیش کیا اور پوچھا:

"میاں جی آپ کی طبیعت ٹھیک ہے نا؟"

عبدالرحیم نے چند گھونٹ اطمینان سے پینے کے بعد کہا:

"بیٹی میں بالکل ٹھیک ہوں، اس وقت میں اپنے دل کی بات کر رہا ہوں اور مجھے امید ہے کہ ایک سیدھی سی بات پر آپ لوگوں کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

عبدالرحیم نے یہ کہہ کر گلاس تپائی پر رکھ دیا اور پھر اپنی جیب سے ایک ڈبیہ نکال کر کھولتے ہوئے کہا۔"بیٹی اپنا ہاتھ ادھر کرو۔"

امینہ نے جھجکتے ہوئے اپنا ہاتھ آگے کر دیا لیکن کھلی ڈبیہ میں سنہری انگوٹھی دیکھ کر اچانک پیچھے ہٹا لیا۔

ماں نے جلدی سے کہا:"بدشگونی نہ کرو بیٹی۔"

امینہ نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا:

"امی جان بدشگونی تو یہ ہے کہ جس کی طرف سے مجھے یہ انگوٹھی پیش کی جا رہی ہے وہ خود یہاں نہیں ہے —— اگر یہ میرا اور یوسف صاحب کا مسئلہ ہے۔ تو اس کا فیصلہ ہم علیحدہ علیحدہ نہیں کر سکتے۔ میں ان کے متعلق یہ نہیں سوچ سکتی کہ ان کی تائید اور رضامندی کے بغیر ہمارا کوئی فیصلہ صحیح ہوگا۔"

عبدالرحیم نے پریشان ہو کر کہا:

"بیٹی تمہیں اس کے خلوص اور شرافت پر شک نہیں کرنا چاہیئے۔"

"اباجان اگر وہ میرے ہاتھوں میں یہ انگوٹھی دیکھنا پسند نہ کریں تو بھی مجھے اُن کے خلوص اور شرافت پر شبہ نہیں ہوگا، لیکن ہمیں یہ تو معلوم ہونا چاہیئے کہ ہم کیا چاہتے ہیں اور کچھ چاہتے بھی ہیں یا نہیں۔ آپ یہ انگوٹھی امانت کے طور پر رکھ جائیں۔ جب یوسف صاحب یہ کہیں گے۔ کہ مجھے یہ انگوٹھی پہن لینی چاہیئے۔ تو میں آپ کی حکم عدولی نہیں کروں گی۔ وہ بہت نیک دل ہیں اور میں نے بھی ان سے دوسروں کے احساسات کا احترام کرنا سیکھا ہے۔"

عبدالرحیم نے کہا:"بیٹی تم بہت اچھی لڑکی ہو۔ اور مجھے یقین ہے کہ یہ بات میرے بیٹے کو بھی معلوم ہوگی۔ میں پرسوں دورے پر جا رہا ہوں۔ اگر وہ میری غیر حاضری میں گھر آیا۔ تو اسے میری طرف سے یہ پیغام مل جائے گا۔ کہ اسے بلا تاخیر تمہارے والدین کے پاس حاضری دینی چاہیئے —— بہن رشیدہ آپ یہ انگوٹھی اپنے پاس رکھ لیں۔ اب یوسف کے رُوبہ صحت ہو کر گھر آنے پر آپ کو اس انگوٹھی کے لئے ایک اور چھوٹی سی دعوت کرنی پڑے گی۔ بیٹی امینہ تم اس کے لئے دعا کرتی ہونا!"

امینہ نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کچھ کہنے کی بجائے اثبات میں سر ہلا دیا۔

دس دن بعد علی الصبح یوسف سائیکل دوڑاتا ہوا اپنے گھر سے کچھ دور ایک مسجد کے قریب آکر رکا۔ اور دروازے سے باہر سائیکل کھڑی کر کے نماز کے لئے اندر چلا گیا۔ نماز کے بعد وہ سائیکل پکڑ کر پیدل چلتا ہوا اپنے گھر کے سامنے آکر ٹھہر گیا اور سائیکل کھڑی کر کے دروازے پر دستک دی۔ جب چند ثانیئے جواب نہ آیا تو اس نے عبدالغفور کو آواز دی۔

اچانک کنڈی کھلنے کی آواز آئی۔ آہستہ سے دروازہ کھلا اور چراغ بی بی نے باہر جھانکا۔ اور اسے دیکھ کر ڈیوڑھی میں بجلی کا بٹن دبا دیا۔ یوسف نے باہر سے سائیکل اٹھا کر ڈیوڑھی میں رکھ دی اور چند ثانیے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ چراغ بی بی کا رنگ زرد تھا اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ یوسف نے بڑی مشکل سے کہا:

"ماں جی آپ ٹھیک ہیں۔ آپ کا چہرہ بہت زرد ہو رہا ہے۔"

چراغ بی بی کی آنکھوں سے آنسو پھوٹ نکلے اور اس نے اچانک جھک کر یوسف کے پاؤں پکڑتے ہوئے کہا:

"یوسف خدا کے لئے مجھے معاف کر دو۔ مجھے زندہ نہیں رہنا چاہیئے تھا لیکن میں بہت سخت جان ہوں۔ جو سزا میں اپنے آپ کو خود دے رہی ہوں۔ وہ کوئی دوسرا نہیں دے سکتا۔ میں کتنی بار اوپر کی چھت پر کھڑی ہو کر چلانا چاہتی تھی۔ کہ مَیں مجرم ہوں ــــــ مَیں قاتل ہوں۔ لیکن خوف یہاں بھی میری زبان بند کر دیتا تھا ماں نے مجھے ڈرایا تھا۔ کہ ہم سب پھانسی چڑھ جائیں گے۔"

یوسف نے اس کے ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا: ماں جی! یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ مجھے کچھ نہیں ہوا، میں زندہ ہوں۔ اباجی ایسی باتیں سنیں گے تو کیا کہیں گے؟"

"وہ دورے پر گئے ہوتے ہیں۔ اور تین چار دن بعد آئیں گے۔"

"عبدالغفور کہاں ہے؟"

"وہ سو رہا ہوگا۔ تمہارا بھائی بھی سو رہا ہے۔"

یوسف نے کہا: آپ اوپر چلیں میں آپ سے چند باتیں کرنے کے بعد واپس چلا جاؤں گا۔ اور آپ کو یہ اطمینان ہونا چاہیئے کہ مَیں لڑائی کے لئے نہیں آیا۔"

چراغ بی بی نے پر اُمید ہو کر اس کی طرف دیکھا اور زینے پر چڑھنے لگی ــــــ

تھوڑی دیر بعد یوسف اس کے کمرے میں اس کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔

چراغ بی بی نے قدرے تذبذب کے بعد کہا:

"یوسف میں تم سے پوچھتی ہوں کہ کیا خدا مجھ جیسی گناہ گار کو بھی معاف کر دے گا؟"

یوسف نے جواب دیا۔ "وہ سب کو معاف کرنے پر قادر ہے۔ اور توبہ کرنے والوں کو تو اس سے بالکل مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔"

"یوسف! میں ہزار بار توبہ کرتی ہوں۔ اور باقی عمر ہر سانس کے ساتھ توبہ کیا کروں گی۔ میں بہت پشیمان ہوں اگر تم مجھے اوپر کی چھت سے نیچے پھینک دو۔ تو بھی میرے منہ سے کوئی آواز نہیں نکلے گی۔"

یوسف نے کچھ سوچ کر کہا:

"ماں جی میں نے آپ کے ساتھ پہلے بھی کوئی دشمنی یا بُرائی نہیں کی تھی اور اب بھی نہیں کروں گا۔ کیا میرے پاس شکر کرنے کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ میں زندہ ہوں لیکن ایک سوال ایسا ہے۔ جس کا جواب معلوم کرنا میں ضروری سمجھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اگر وہ زہر آلود کھانا جس کے دو نوالے میں نے اس رات کھاتے تھے آپ کی توقعات پوری کرتا اور میں مر جاتا۔ تو آپ کو اس سے کیا حاصل ہوتا؟"

چراغ بی بی نے پھر آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا:

"یوسف! خدا گواہ ہے کہ مجھے تم سے کوئی دشمنی نہیں تھی، لیکن حسد کی آگ نے میرا دل سیاہ کر دیا تھا۔ میری ماں یہ کہتی تھی کہ جب امینہ اس گھر میں دلہن بن کر آئے گی تو تمہاری حیثیت ایک نوکرانی کی سی رہ جائے گی۔ اور تمہارے ابا بھی امینہ کے ذکر سے باغ باغ ہو جایا کرتے تھے۔ میں یہ سمجھ بیٹھی تھی کہ مجھے جیتے جی قبر میں ڈالا جا رہا ہے۔ خدا اس کالے پیر کا بیڑا غرق کرے۔ اس نے ماں کے دل سے خدا کا خوف اٹھا دیا تھا اور میری ماں نے میرے دِل پر مُہر لگا دی تھی۔"

"آپ کو اباجان نے میرا وہ خط نہیں دکھایا تھا جس میں مَیں نے لکھا تھا کہ چند سال تک میرا شادی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں۔ چوں کہ میاں عبدالکریم کو جلدی ہے۔ اس لئے آپ ان سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی صاحبزادی کے لئے کوئی اور رشتہ تلاش کرلیں۔"

"تم نے یہ لکھا تھا؟" چراغ بی بی پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ "مجھے انہوں نے ایسا کوئی خط نہیں دکھایا اور نہ ہی مجھ سے کوئی ذکر کیا تھا۔ اب مجھ پر ندامت کا بوجھ اور زیادہ ہو جائے گا۔ کاش! تم مجھے صرف ایک بار یہ کہہ دیتے کہ تم نے کسی اور لڑکی کو پسند کرلیا ہے۔ تو میں تمہارے باپ کو اپنے ساتھ لے جاتی اور اُن کے پاؤں پکڑتی، منت سماجت کرتی۔ اور پھر اس خوشی کے ساتھ زندگی گزارتی کہ میں تمہاری ماں ہوں۔"

یوسف نے پوچھا۔ "آپ نے اباجی کو یہ کیوں نہیں بتایا کہ آپ امینہ کو پسند نہیں کرتیں؟"

چراغ بی بی دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر بولی: "اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ تم اُسے پسند نہیں کرتے تو میں اُس میں سو عیب نکالتی۔"

"آپ کو عیب نکالنے کی ضرورت نہ تھی۔ امینہ ایک اچھی لڑکی ہے۔ آپ اُسے اطمینان سے سمجھا سکتی تھیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ میں بھی اسے سمجھا سکتا تھا۔ میں یہ محسوس کرتا ہوں۔ کہ اب پھر یہ مسئلہ بڑے زور شور سے اٹھے گا۔ اور اباجی جو عام حالات میں میری بات مان جایا کرتے تھے۔ پوری قوت کے ساتھ اپنا فیصلہ نافذ کریں گے۔ اگر آپ اپنے والدین سے مشورہ کرنے کی بجائے۔ اپنے دماغ سے کام لیں۔ تو آپ میری ایک بہت بڑی الجھن دُور کر سکتی ہیں۔"

"یوسف! میں خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں۔ کہ تم جو کہو گے۔ وہی کروں گی۔"

"آپ صرف یہ کوشش کریں۔ کہ شادی کے متعلق جب اباجی سے میری گفتگو ہو تو اباجی کا موڈ اتنا خراب نہ ہو جائے کہ مجھے گھر چھوڑنا پڑے۔ گھر چھوڑنے کی صورت میں آپ کے والدین کو یہ خوش فہمی نہیں ہونی چاہیئے کہ انہوں نے کوئی میدان مار لیا ہے۔ اور اس کالے پیر نے جو لذیذ مسالہ آپ کو دیا ہے۔ وہ کسی اور کے کھانے میں بھی استعمال ہو سکتا ہے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ میں باقی تمام کھانا اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ اس کھانے کا معائنہ ہو چکا ہے۔ اور اس کی رپورٹ میرے ایک دوست کے پاس امانت ہے۔ آپ یہ احتیاط کریں کہ اس گھر میں میرے بھائی یا اباجی کو بھی کھانے کے بعد قے نہ آئے۔ ورنہ وہ زہر مہیا کرنے والوں، کھلانے والوں اور کھلانے کا مشورہ دینے والوں کے لئے پھانسی کا پھندہ بن جائے گی۔ اگر آپ توبہ کر چکی ہیں تو ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ میں صرف احتیاطاً آپ کو یہ بتا رہا ہوں۔ اور دیکھئے اباجی کو اس بات کا قطعی علم نہیں ہونا چاہیئے۔ کہ اس رات جب میں گھر سے نکلا تھا تو مجھ پر کیا گزری تھی میں نہیں چاہتا کہ ان کی باقی زندگی تلخ ہو جائے —— اب مجھے اجازت دیجئے میں صدیق سے مل کر چلا جاؤں گا۔ اور ایک ضروری کام سے فارغ ہو کر اباجی کے سلام کے لئے حاضر ہو جاؤں گا۔"

عبدالغفور نے اُوپر آکر آواز دی۔ "بی بی جی ناشتے کے لئے مکھن، ڈبل روٹی اور دہی لے آیا ہوں۔ اگر حکم ہو تو چائے کے لئے آگ جلا دوں۔"

"عبدالغفور! صدیق سے کہو کہ تمہارے بھائی جان آگئے ہیں۔"

"بی بی جی! یوسف صاحب کب آتے ہیں؟"

"وہ اذان سے تھوڑی دیر بعد آگئے تھے اور تم اس وقت سو رہے تھے۔ ہاں! تم صدیق کو جگا دو۔"

صدیق بھاگتا ہوا آیا۔ "بھائی جان کب آئے تھے۔ مجھے کیوں نہیں جگایا۔"

یوسف نے اُسے پکڑ کر گود میں بٹھا لیا۔

"صدیق تم نے نماز نہیں پڑھی۔ میرا خیال ہے کہ اب بھی وقت ہے۔ تم جلدی سے وضو کر کے نماز پڑھ لو۔"

"بہت اچھا بھائی جان۔ لیکن آپ وعدہ کریں کہ آپ کہیں چلے نہیں جائیں گے۔"

یوسف نے کہا "پہلے تم نماز پڑھ لو۔ ورنہ وقت نکل جائے گا۔"

صدیق بھاگتا ہوا باہر نکل گیا۔ چراغ بی بی نے کہا: "یوسف صاحب اگر آپ اجازت دیں تو عبدالغفور آپ کے لئے بہت سا دہی لے آئے۔"

"ماں جی! مجھے صرف یوسف کہیں ——— عبدالغفور! جاؤ دہی لے آؤ۔ اور لسی کے لئے برتن بھی لے جاؤ۔ میں یہیں ناشتہ کروں گا۔"

چراغ بی بی کی آنکھیں اب تشکر سے لبریز ہو رہی تھیں۔ ایک گھنٹہ بعد یوسف نے کہا "میں چند دن مصروف رہوں گا۔ جب اباجی دورے سے واپس آ جائیں گے، میں حاضر ہو جاؤں گا۔"

جب وہ کمرے سے باہر نکل رہا تھا تو چراغ بی بی یہ محسوس کر رہی تھی: کہ وہ جس طوفان سے خوفزدہ تھی وہ گزر چکا ہے۔

چھٹے روز یوسف دوبارہ گھر پہنچا۔ تو عبدالغفور نے دروازے سے اسے اطلاع دی کہ میاں صاحب پرسوں آ گئے تھے اور آپ کے متعلق سخت بے چین ہیں۔ مجھے انہوں نے منظور صاحب کے گھر بھی بھیجا تھا، لیکن آپ وہاں بھی نہیں تھے۔ اور منظور صاحب بھی دین محمد کو یہ بتا کر نہیں گئے تھے کہ انہیں کہاں تلاش کیا جا سکتا ہے۔ آج صبح سڑک پر مجھے دوست محمد بھی ملا تھا۔ وہ بھی آپ کو تلاش کر رہا تھا۔ فضل دین تو صبح شام آیا کرتا ہے۔ گزشتہ شام میاں عبدالکریم اپنے بال بچوں کے

ساتھ آئے تھے۔ اور کافی دیر یہاں بیٹھے رہے تھے۔ جب وہ چلے گئے تو میں نے پہلی بار میاں صاحب کی زبان سے آپ کے متعلق سخت الفاظ سنے تھے۔ اور مجھے بڑا دکھ ہوا تھا۔"

یوسف نے اس کے کندھے پر تھپکی دیتے ہوئے کہا: "میرے لئے تمہیں بہت کچھ برداشت کرنا پڑے گا۔ اور اباجی نیچے بیٹھک میں ہیں یا بیڈروم میں؟"

"جی وہ نیچے بیٹھک میں لیٹے ہوئے ہیں۔ ابھی انہوں نے چائے نہیں پی۔"

یوسف بیٹھک میں داخل ہوا۔ اور "اباجی! السلام علیکم" کہہ کر ادب سے کرسی پر بیٹھ گیا۔

عبدالرحیم نے دبی زبان میں اس کے سلام کا جواب دیا اور پھر اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا:

"تم کہاں غائب ہو گئے تھے؟ مجھے یہ نہیں لکھ سکتے تھے کہ تم کہاں چھپے ہوئے ہو؟ مجھے تم سے یہ توقع نہ تھی کہ تم لوگوں کے سامنے مجھے اتنا ذلیل و خوار کرو گے۔"

"اباجی اگر میں نے آپ کو کوئی تکلیف پہنچائی ہے تو میں آپ سے معافی مانگتا ہوں۔"

چراغ بی بی بھاگتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے کہا: "میں نے آپ کو کتنی بار یہ سمجھایا ہے کہ آپ کا بیٹا بے قصور ہے۔ جرم اگر کوئی تھا تو میرا تھا۔ جو اسے بیماری کی حالت میں باہر نکلنے سے روک نہ سکی۔"

"لیکن تم نے اسے یہ نہیں بتایا تھا۔ کہ میں تین چار دن بعد دورے سے واپس آ جاؤں گا؟ اور میں تین دن سے اس کا راستہ دیکھ رہا ہوں۔"

چراغ بی بی نے آواز دی۔ "عبدالغفور، جلدی سے لیمن کی چار بوتلیں لے آؤ اور پھر چائے تیار کرو۔"

عبدالرحیم نے کہا: "لیمن لے آؤ۔ چائے ہم عبدالکریم کے ہاں جا کر پئیں گے۔ غضب خدا کا وہ کل بھی یہاں تین گھنٹے انتظار کر کے گئے۔ اور اس برخوردار کو یہ خیال ہی نہیں آیا کہ اُسے کہیں سے فون کر لیتا۔"

چراغ بی بی نے کہا: "جی یوسف مجھے یہ بتا کر گیا تھا۔ کہ وہ ایک کام میں بہت مصروف ہے۔ اور کام ختم کرنے کے بعد حاضر ہو جائے گا۔"

"تم بلاوجہ اس کی طرف داری کرتی ہو۔ تم نے اسے یہ احساس نہیں دلایا تھا کہ اُن کے گھر جانا کتنا ضروری تھا۔"

چراغ بی بی بولی "اب غصہ میں آنے کی کون سی بات ہے۔ جلد بازی وہ کر رہے تھے۔ آپ نے تو یہ نہیں کہا تھا کہ آپ یوسف سے پوچھے بغیر اس کی منگنی کا اعلان کر دیں گے۔ آپ نے خود یہ کہا تھا کہ میرا بیٹا اپنا مستقبل بہتر سوچ سکتا ہے۔ اور اب آپ اس کے ساتھ اطمینان سے بات بھی نہیں کر رہے ہیں۔"

"بات ہو چکی ہے۔ اور یہ مسئلہ اب ہماری عزت کا مسئلہ بن چکا ہے۔ میں اُن کے گھر انگوٹھی بھی دے آیا ہوں۔ وہ لڑکی اتنی سمجھدار ہے کہ اس نے یہ کہہ کر انگوٹھی اپنی ماں کے پاس رکھوا دی تھی۔ کہ جب یوسف تندرست ہو کر یہاں آئیں گے۔ تو ان کے سامنے خوشی سے یہ انگوٹھی پہنوں گی۔ اُس دن مجھے پہلی دفعہ یہ احساس ہوا تھا۔ کہ اُس کے دل میں کوئی بے اطمینانی ہے۔ اب تم بھی یوسف کے ساتھ ان کے گھر چلنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ مجھے اُس بچی کو انگوٹھی پہنائے بغیر اطمینان نہیں ہو گا۔"

یوسف نے کہا: "ابا جی آپ میرے معاملے میں وہی کرنا چاہتے ہیں جسے ڈاکٹر کے معاملے میں غلط سمجھتے رہے ہیں۔"

"بے وقوف! اگر تم اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لو گے۔ تو میں تمہیں پکڑ کر کھینچتا ہوا سیدھے راستے کی طرف لے جاؤں گا۔"

"ابا جی میں نے اپنی آنکھوں پر پٹی نہیں باندھی۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ میری آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی ہے؟"

"ابا جی میں نے یہ نہیں کہا۔"

"تو پھر تم کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"ابا جی جو مسئلہ میری زندگی سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے متعلق میں عبدالکریم صاحب یا کسی اور کو فیصلہ کرنے کا حق نہیں دیتا۔ اگر آپ اطمینان سے یہ سن سکیں کہ میرا پروگرام کیا ہے۔ اور میں کن مقاصد کے لئے کام کرنا چاہتا ہوں۔ تو آپ اس مسئلہ کو اتنی اہمیت نہیں دیں گے۔"

"میں جانتا ہوں کہ تمہارے پروگرام اور مقاصد کیا ہیں: تم سمجھتے ہو کہ ملک کی ہر اچھی لڑکی کے والدین تمہاری طرح بے وقوف ہوں گے اور وہ اُس دن کا انتظار کریں گے۔ جب تم ایک مشہور مصنف بن جاؤ۔ خواہ روٹی ملے یا نہ ملے۔"

"ابا جی! اس وقت میں آپ کو یہ اطمینان دلا سکتا ہوں کہ میں روٹی کے لئے کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاؤں گا۔ اور میں ایک مصنف بن کر بھی آپ کو مایوس نہ کرتا، لیکن میں نے آپ کی خواہش پوری کرنے کے لئے اپنا ارادہ بدل دیا ہے۔ میں فوج میں شامل ہو رہا ہوں اور مجھے اُمید ہے۔ کہ مجھے بہت جلد کمیشن مل جائے گا۔"

کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ عبدالرحیم غور سے اپنے بیٹے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کمزوری کے باوجود یوسف کے چہرے پر عزم و یقین کی روشنی تھی: "میری مصروفیت کی وجہ بھی یہی تھی۔"

عبدالرحیم نے کہا: "بیٹا! میں نے تمہیں کب فوج میں جانے کا مشورہ دیا تھا۔"

"ابا جی! آپ نے مشورہ نہیں دیا تھا لیکن مجھے معلوم تھا کہ آپ مجھے فوج میں ایک بڑا افسر

دیکھنا پسند کریں گے اور میں آپ سے یہ وعدہ کر سکتا ہوں۔ کہ میں قدم قدم چلنے کی بجائے بھاگتا ہوا اپنے راستے کی منازل طے کروں گا۔"

عبدالرحیم نے نرم ہو کر کہا: "بیٹا یہ مجھے معلوم ہے۔ اس لئے میں نہیں چاہتا کہ تم ردی کے لئے وقت میں جاؤ۔ عبدالکریم کے ساتھ رشتہ جوڑنے کے بعد تم جو چاہو کرتے رہو۔ مجھے فکر نہیں ہوگی۔ وہ لوگ تمہیں ردی کے معاملے میں پریشان نہیں ہونے دیں گے۔ اور امینہ تم سے کبھی نہیں پوچھے گی کہ تم کتابیں کیوں لکھتے ہو۔ پھر اگر تم یہ دیکھو کہ کتابوں کا تجربہ کامیاب نہیں ہوا۔ تو تمہاری تعلیم ان کا کاروبار چمکانے کے کام آسکے گی۔ اور تمہیں کوئی کمی نہیں ہوگی۔"

"اباجی خدا کے لئے میرے لئے یہ دعا نہ کریں کہ مجھے زندہ رہنے کے لئے سہارے تلاش کرنے کی ضرورت پیش آئے۔"

عبدالرحیم نے برہم ہو کر کہا: "تم مجھ سے سیدھی بات کیوں نہیں کرتے۔ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ عبدالکریم کی لڑکی میں کس بات کی کمی ہے؟"

"اباجی۔ میں نے اس کی کوئی برائی نہیں کی وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ اور میں اس کی عزت کرتا ہوں۔ لیکن جن لوگوں کے زندگی کے راستے متوازی جا رہے ہوں۔ ان کے درمیان ہمیشہ ایک فاصلہ رہتا ہے۔"

چراغ بی بی نے نوکر کو آواز دی: "عبدالغفور چائے یہیں لے آؤ۔ ہم کہیں نہیں جائیں گے۔"

عبدالرحیم نے گرج کر کہا: "تم اس نالائق کے ساتھ مل کر مجھے رسوا کرنا چاہتی ہو۔"

یوسف نے اٹھتے ہوئے کہا: "اباجی! مجھے اجازت دیجئے، مجھے اپنے دامن سے نالائقی کا دھبہ دھونے کے لئے ایک طویل سفر طے کرنا پڑے گا۔"

عبدالرحیم نے غصہ سے کانپتے ہوئے کہا: "جاؤ دور ہو جاؤ میری نظروں سے

اگر تمہاری قسمت میں ٹھوکریں ہیں تو میں تمہارا راستہ تبدیل نہیں کر سکتا۔"

یوسف "خدا حافظ" کہہ کر باہر نکلا۔ چراغ بی بی اس کے پیچھے بھاگی اور اس نے ڈیوڑھی میں اس کا بازو پکڑ کر کہا: "یوسف خدا کے لئے گھر چھوڑ کر نہ جاؤ۔ میں نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن ابھی انہیں غصہ ہے۔ یہ غصہ بہت جلد دور ہو جائے گا۔ اور وہ تمہارا راستہ دیکھنا شروع کر دیں گے۔"

صدیق روتا ہوا نیچے اترا اور یوسف سے لپٹ کر بولا: "بھائی جان آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

یوسف نے اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا: "صدیق میں ایک کام سے جا رہا ہوں۔"

"آپ اباجی سے لڑ رہے تھے؟"

"نہیں صدیق میں اباجی سے نہیں لڑ سکتا۔ تم میرے لئے دعا کیا کرو۔"

یوسف یہ کہہ کر باہر نکل گیا۔

تین ہفتے بعد امینہ اپنے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی کہ برآمدے سے ماں کی آواز آئی:

"امینہ بیٹی! ادھر آؤ۔ تمہارا خط آیا ہے۔"

امینہ اٹھ کر ماں کے پاس گئی۔ تو اس نے تپائی پر پڑی ہوئی ڈاک میں سے اسے ایک لفافہ دکھاتے ہوئے کہا: "بیٹی تمہارا ایڈریس کسی نے بڑے ادب اور احترام سے لکھا ہے —— محترمہ امینہ صاحبہ۔ بوساطت جناب عبدالکریم صاحب —— تمہاری پرانی سہیلیوں کا خط میں پہچانتی ہوں یہ کوئی نئی لگتی ہے۔"

امینہ نے خط لے کر کھولا۔ اور دل میں تیز دھڑکنیں محسوس کرتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اور صوفہ پر بیٹھ کر خط پڑھنے لگی۔ یہ یوسف کا خط تھا اور اس نے لکھا تھا:

"میں یہ خط اس یقین اور اعتماد کے ساتھ لکھ رہا ہوں کہ میں نے آپ کو سمجھنے میں غلطی نہیں کی۔ اس لئے میں یہ بھی کبھی نہیں چاہوں گا۔ کہ آپ میرے متعلق کسی خوش فہمی یا غلط فہمی میں مبتلا رہیں۔ آج خط لکھنے کی بجائے سیدھا مجھے آپ کے گھر آنا چاہیے تھا، لیکن پچھلے دنوں میں ایسے حالات سے گزرا ہوں۔ کہ مجھے آپ اور آپ کے والدین کا سامنا کرنے کا حوصلہ نہیں ہوتا۔ میں عنقریب لاہور چھوڑ رہا ہوں اور شاید ایک طویل مدت کے لئے مجھے باہر رہنا پڑے۔ جانے سے پہلے میں وہ تمام باتیں لکھ بھیجوں گا جو اس وقت بیان نہیں کی جا سکتیں۔ اگر میں نے یہ خط بذریعہ ڈاک بھیجنا مناسب نہ سمجھا تو میرے دوست منظور صاحب جو مجھے بھائی کی طرح عزیز ہیں بذاتِ خود حاضر ہو کر آپ کو میرا خط پہنچا دیں گے۔ فی الحال یہ مختصر سا خط لکھنے سے آپ کو یہ بتانا مقصود ہے۔ کہ میں خلوص دل سے آپ کی عزت کرتا ہوں اور یہ پیغام دینا چاہتا ہوں۔ کہ مجھے اپنی زندگی کے ایک نازک مرحلے میں اپنے ہر بہی خواہ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔

اپنے ابا اور امی جان کو میرا مؤدبانہ سلام پہنچا دیجئے۔ اگر وہ کسی بات پر مجھ سے ناراض ہوں۔ تو مجھے اُمید ہے کہ آپ ان کا غصہ دور کر سکیں گی ——— والسلام"

امینہ نے خط بند کر کے الماری میں رکھ دیا اور ماں کو آواز دی: "امی جان ذرا ادھر آیئے"!

ماں اندر آئی اور اس نے کہا:

"امی جان اگر میں یہ کہوں کہ وہ خط یوسف صاحب کا تھا۔ تو آپ کو یقین آجائیگا؟"

"ارے بیٹی مجھ سے زیادہ خوشی کس کو ہو سکتی ہے"!

امی جان! آپ مجھے اس بات کی اجازت دیں گی کہ میں یوسف صاحب کا حال پوچھ آؤں"!

"بیٹی اس کا حال پوچھنے کے لئے ہم سب کو جانا چاہیے۔ تمہارے ابا آجائیں گے تو ہم فوراً چل پڑیں گے"!

"نہیں امی جان اگر آپ مجھے بے وقوف نہیں سمجھتیں تو مجھے اسی وقت اجازت دیجئے۔ میں فضل دین کے ساتھ انہیں تلاش کروں گی۔ امی جان میں اُن کے خط سے یہ اندازہ لگا سکتی ہوں کہ جو بات وہ مجھے کہنا چاہتے ہیں۔ وہ کسی اور سے نہیں کہیں گے۔ فضل دین کو یہ معلوم ہے کہ وہ کہاں ہو سکتے ہیں"!

"بیٹی میں نے تمہیں منع تو نہیں کیا۔ اور تمہارے ابا جان بھی تمہیں منع نہیں کریں گے۔ اگر فضل دین یوسف کو تلاش کر سکتا ہے تو تمہیں فوراً جانا چاہیئے۔ تم تیار ہو کر نکلو میں فضل دین کو بلاتی ہوں"!

"امی جان اسے کہیں کہ ڈرائیور کو بھی بلا لے"!

ماں نے باہر نکلتے ہوئے کہا: "خدا کا شکر ہے کہ تم مجھ سے زیادہ عقلمند ہوتی جا رہی ہو"!

———

ایک گھنٹہ بعد یوسف منظور سے باتیں کر رہا تھا کہ دین محمد بھاگتا ہوا اوپر آیا۔ اور اس نے یوسف سے مخاطب ہو کر کہا:

"جی فضل دین آیا ہے۔ اور وہ کہتا ہے کہ سڑک پر آپ کے مہمان کھڑے ہیں"!

یوسف نے جلدی سے اُٹھ کر جوتا پہنتے ہوئے کہا: "منظور مجھے خط لکھتے وقت ہی یہ احساس تھا کہ وہ میرا پتہ کریں گے۔ لیکن مجھے یہ توقع نہ تھی۔ کہ خط ملتے ہی میری تلاش شروع ہو جائے گی۔ شاید میں کافی دیر لا پتہ رہا ہوں۔ اگر مناسب سمجھو تو میرے مہمانوں کو رخصت کرنے کے لئے سڑک تک آجاؤ"!

پھر نیچے آکر منظور کے ساتھ سڑک کی طرف چلتے ہوئے اس نے فضل دین

سے پوچھا: "کیا چچی اور میاں صاحب دونوں آئے ہیں؟"

"جی نہیں۔ صرف چھوٹی بی بی آئی ہیں۔ اور میاں صاحب گھر میں نہیں تھے ورنہ بڑی بی بی بھی آجاتیں۔ وہ کسی خط کی وجہ سے پریشان تھیں۔"

یوسف نے سڑک پر پہنچ کر گلی سے چند قدم پیچھے امینہ کو کار میں بیٹھے ہوئے دیکھا۔ ڈرائیور کار سے باہر کھڑا تھا۔ امینہ سیاہ چشمہ لگائے ہوئے تھی۔ اور اس نے اپنا بیشتر چہرہ سفید چادر سے ڈھانپ رکھا تھا۔

منظور نے دبی آواز میں کہا: "یوسف تم جاؤ اور اطمینان سے ان کے ساتھ بات کرو۔"

یوسف نے اس کا بازو پکڑ کر کہا: "یار بے وقوف نہ بنو۔ میرے ساتھ آؤ۔"

پھر وہ جلدی سے امینہ کے قریب پہنچ کر بولا:

"اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ آپ اتنی گرمی میں تکلیف اٹھائیں گی۔ تو میں خط لکھنے کی بجائے خود آپ کے گھر پہنچ جاتا۔"

"جی میں نے آپ کا خط پڑھتے ہی یہ محسوس کیا تھا کہ مجھے فوراً آپ کا حال پوچھنا چاہیے۔ اور آپ کو اچھی حالت میں دیکھ کر مجھے گرمی کا احساس نہیں رہا۔"

یوسف نے منظور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "یہ میرے دوست منظور صاحب ہیں۔"

منظور نے ایک قدم آگے بڑھ کر السّلام علیکم کہا۔ اور امینہ نے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا: "میں منظور صاحب کو جانتی ہوں اور مجھے اِن سے ایک گلہ بھی ہے۔"

منظور بولا: "مجھے یقین ہے کہ اس گرمی کے باوجود میں آپ کا گلہ دور کر سکوں گا۔"

"نہیں منظور صاحب میں آپ سے جھگڑنے نہیں آئی۔ لیکن آپ نے یہ کیوں سمجھ لیا تھا کہ یوسف صاحب اس دنیا میں تنہا ہیں۔ اور ان کا کوئی بہی خواہ ان کی تکلیف میں حصہ دار نہیں بن سکتا۔ ان کا چہرہ بتا رہا ہے کہ یہ بیمار رہے ہیں اور ہمیں اطلاع تک

نہیں دی گئی۔"

منظور نے کہا۔ "جی اس سوال کا جواب یوسف صاحب زیادہ بہتر دے سکیں گے ——— کیا۔ یہ بہتر نہیں ہوگا کہ یہاں دھوپ میں باتیں کرنے کی بجائے آپ یوسف صاحب کو اپنے گھر لے جائیں۔ اور وہاں انہیں کھانا کھلائیں اور اطمینان سے باتیں بھی کریں مجھے اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ میرے متعلق شاید آپ کے خیالات بدل جائیں گے۔"

امینہ بولی۔ "کھانا تو ابھی میں نے بھی نہیں کھایا۔ یوسف صاحب چلیں گے آپ ہمارے گھر؟"

یہ کہہ کر امینہ نے کار کا دروازہ کھول دیا۔ یوسف کچھ کہے بغیر اس کے ساتھ بیٹھ گیا اور فضل دین اور ڈرائیور پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ اور امینہ نے کار چلا دی۔

———— ————

نصف گھنٹہ بعد یوسف، امینہ، اس کی والدہ اور اس کے بھائی علی اکبر کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھا ہوا تھا۔ کھانے کے دوران گفتگو رسمی باتوں تک محدود رہی پھر یوسف نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا:

"نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ میں یہ فرض پورا کرنے کے بعد اطمینان سے باتیں کروں گا۔"

امینہ نے اٹھتے ہوئے کہا: "میں ساتھ والے کمرے میں جائے نماز بچھا دیتی ہوں آپ وہیں غسل خانے سے وضو کر لیجیے۔"

تھوڑی دیر بعد یوسف نماز پڑھ رہا تھا۔ اور امینہ سرگوشی کے انداز میں اپنی ماں سے کہہ رہی تھی۔

"امی جان! آپ جا کر آرام کریں۔ یوسف صاحب مجھ سے کوئی ایسی بات کہنا چاہتے ہیں جو آپ کے سامنے نہیں کہہ سکتے ——— علی اکبر کو بھی ساتھ لے جائیں ——— میں یہیں نماز پڑھ کر انہیں روک لوں گی۔ اور اگر کوئی خاص بات ہوئی تو انہیں آپ

کے کمرے میں لے آؤں گی "۔

"ٹھیک ہے بیٹی، لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہاری کسی بات پر ناراض ہو جائیں"

"امی وہ ناراض ہونے کے لئے یہاں نہیں آئے۔ ان کی بات کسی کو پسند آئے یا نہ آئے۔ اس میں عقل ضرور ہوگی"۔

"اچھا بیٹی، میں بھی اپنے کمرے میں جا کر نماز پڑھتی ہوں۔ اور تمہارے لئے دعا کرتی ہوں ـــــ علی اکبر تمہیں یوسف صاحب بہت پسند ہیں نا؟"

"جی امی جی، مَیں اُن کے لئے بہت دُعا کیا کرتا تھا کہ وہ تندرست ہو جائیں"۔

امینہ نے کہا "آہستہ بولو۔ اور امی جان کے ساتھ جا کر نماز پڑھو"۔

علی اکبر نے جواب دیا "آپا جی میں نماز پڑھ کر یہ دعا کروں گا۔ کہ بھائی جان یوسف ہم سے کسی بات پر ناراض نہ ہو جائیں"۔

وہ ماں کے ساتھ چلا گیا۔ امینہ اپنے کمرے سے وضو کر کے جائے نماز لائی۔ اور کمرے کے ایک کونے میں بچھا کر نماز کے لئے کھڑی ہو گئی۔

اس نے نماز ختم کر کے بائیں طرف دیکھا تو یوسف ساتھ والے کمرے کے دروازے کے قریب تذبذب کی حالت میں کھڑا تھا۔

امینہ نے کہا۔ "آپ اسی کمرے میں بیٹھ جائیں۔ مَیں ابھی آتی ہوں"۔

یوسف واپس چلا گیا۔ اور ساتھ والے کمرے میں بیٹھنے کی بجائے ٹہلنے لگا۔ پانچ منٹ بعد امینہ شربت کا ایک جگ اور گلاس اٹھائے کمرے میں داخل ہوئی۔ اور تپائی پر رکھتے ہوئے بولی:

"میرا خیال ہے آپ پیاس محسوس کر رہے ہوں گے۔ تشریف رکھئے۔ اور ٹھنڈا شربت پینے کے بعد اطمینان سے بات کیجئے"۔

اُس نے گلاس بھر کر یوسف کو پیش کر دیا۔ یوسف نے گلاس پکڑتے ہوئے کہا:

"آپ نہیں پئیں گی؟"

"میں ٹھنڈے پانی کے دو گلاس پی کر آئی ہوں۔ اور اب میں اطمینان سے آپ کی ہر بات سُن سکتی ہوں"۔

امینہ یہ کہہ کر اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔ یوسف شربت پی کر خالی گلاس تپائی پر رکھنے لگا تو امینہ نے جلدی سے جگ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"اور لیجئے"۔

یوسف نے کہا۔ "آپ اطمینان سے بیٹھی رہیں۔ جب میں اپنی بات ختم کروں گا۔ تو یہ جگ بھی ختم ہو جائے گا"۔

امینہ نے بیٹھ کر سر جھکا لیا۔ یوسف نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا:

"امینہ آپ اتنی اچھی ہیں۔ کہ مجھے دل کی بات زبان پر لاتے ہوئے بہت تکلیف محسوس ہوتی ہے"۔

امینہ بولی "یوسف صاحب اگر آپ مجھے اچھا سمجھتے ہیں۔ تو میں کسی حالت میں بھی آپ کی نظر میں بُری بننے کی کوشش نہیں کروں گی۔ آپ کھُل کر بات کریں۔ ممکن ہے۔ آپ سے گفتگو کے بعد میں زیادہ اچھی نظر آنے لگوں"۔

یوسف نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا: "اب بات کرنا میرے لئے زیادہ دشوار ہو گیا ہے"۔

امینہ نے ایک ثانیہ کے لئے یوسف کی طرف دیکھا اور پھر سر جھکاتے ہوئے کہا:

"یوسف صاحب میں آپ کی مشکل کو آسان بنانے کی کوشش کروں گی۔ آپ اپنی کوئی ایسی مجبوری بتانے کے لئے آئے ہیں۔ جو مجھے معلوم نہیں۔ یا آپ مجھے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ آپ کی زندگی کے پروگرام میں میرے لئے کوئی جگہ نہیں ـــ اگر یہ بات ہے۔ تو بھی مجھے آپ سے کوئی گِلہ نہیں ہوگا۔ میں اتنا سمجھ سکتی ہوں کہ اس دنیا کی ہر بات

میری مرضی کے مطابق نہیں ہو سکتی۔ میں اسے بھی قدرت کا احسان سمجھتی ہوں کہ میں آپ کو جانتی ہوں اور میں نے آپ سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ مجھے آپ نے جو یقین اور اعتماد دیا ہے۔ وہ میری زندگی کا ایک قیمتی سرمایہ ہو گا۔"

یوسف نے اس کی طرف دیکھا تو وہ بولی: "آپ اتنے اچھے ہیں، لیکن معلوم نہیں میں اتنا کیوں ڈرا کرتی تھی شاید ڈاکوؤں کے ساتھ آپ کی لڑائی کے بعد آپ سے کچھ زیادہ ہی مرعوب ہو گئی۔"

"ارے امینہ! تم سچ کہتی ہو کہ تم مجھ سے خوف کھاتی ہو؟"

"جی! میں یقین سے کوئی بات نہیں کہہ سکتی۔ مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ آپ ہر لحاظ سے بہت بڑے اور میں ہر لحاظ سے بہت چھوٹی ہوں۔"

یوسف نے مسکراتے ہوئے جواب دیا: "یہ جھوٹ ہے بہنیں کبھی چھوٹی نہیں ہوتیں۔"

"پھر وہ کیا ہوتی ہیں؟"

یوسف نے کہا: "بہنیں ضدی ہو سکتی ہیں، جھگڑالو ہو سکتی ہیں۔ عقلمند ہو سکتی ہیں، بے وقوف بھی ہو سکتی ہیں، لیکن وہ چھوٹی نہیں ہو سکتیں کیونکہ ان کے اندر چھپی ہوئی ماتا انہیں چھوٹا نہیں ہونے دیتی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ میں اپنی توقع سے زیادہ خوش قسمت ہوں، یوسف صاحب! اگر مجھے یہ اطمینان ہو جائے کہ آپ کی شفقت کا ہاتھ ہمیشہ میرے سر پر رہے گا۔ تو میں اسے بھی ایک انعام سمجھوں گی۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں ایک سوال پوچھنا چاہتی ہوں، شکایت کے طور پر نہیں، صرف اپنے دل کے اطمینان کے لئے۔"

"پوچھئے۔ میں سوال کے جواب کے ساتھ آپ کی شکایت بھی دور کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"یوسف صاحب! کیا آپ بتائیں گے کہ آخر وہ خوش نصیب کون ہے۔ جسے آپ کا قرب حاصل ہو گا؟"

یوسف نے جواب دیا: "اگر مجھے اپنے خواب کی تعبیر کا علم ہوتا، تو میں فوراً آپ کے سوال کا جواب دیتا، لیکن ابھی مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ جسے آپ خوش نصیب سمجھتی ہیں اس کے اور میرے درمیان کتنے پہاڑ اور دریا حائل ہیں۔"

امینہ نے کہا: "مجھے یقین ہے کہ کوئی پہاڑ اور کوئی دریا آپ کے راستے میں حائل نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کسی مرحلہ پر میں آپ کی مدد کر سکوں تو میں یہ سمجھوں گی کہ میں نے زندگی سے بہت کچھ پا لیا ہے۔"

"مجھے صرف آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔"

امینہ بولی: "میرا دل گواہی دیتا ہے کہ میں اسے جانتی ہوں۔ وہ جالندھر سے تعلق رکھتی ہے اور بہت خوب صورت ہے۔"

"آپ کے دل کی گواہی غلط نہیں ہو سکتی، لیکن حالات نے ہمیں ایک دوسرے سے بہت دور کر دیا ہے۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ جس لڑکی کو میں جانتی ہوں۔ اس کے بارے میں میں یہ سوچ بھی نہیں سکتی کہ وہ آپ سے دور جا سکتی ہے۔"

یوسف نے کہا: "اس سے تو مجھے کوئی شکایت نہیں۔ مجھے صرف اپنے حالات سے شکوہ ہے۔ امینہ ان حالات نے مجھے مجبور کر دیا ہے کہ کچھ عرصہ میں اپنے گھر سے دور رہوں۔ میں فوج میں کمیشن حاصل کرنے کے ابتدائی مراحل سے گزر چکا ہوں۔ اور عنقریب میں کہیں دور چلا جاؤں گا۔ یہاں منظور سے بہتر میرا اور کوئی دوست نہیں۔ اور وہ وقت آنے پر میرے مسائل اور الجھنوں سے تمہیں آگاہ کر سکے گا۔ اب اگر آپ اپنی امی کو میرے اچانک چلے جانے کے لئے کوئی موزوں الفاظ سوچ سکتی ہیں تو میں یہیں

سے رخصت ہوتا ہوں۔ آپ کی جو تصویر پہلے میرے دل میں تھی۔ وہ آج اور بھی دلکش ہوگئی۔" یوسف اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور امینہ بھی اٹھ کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ یوسف بولا:

"آپ نے کہا تھا کہ آپ کے سر پر میری شفقت کا ہاتھ ایک انعام ہوگا۔ آج رخصت ہوتے ہوتے میں آپ کے سر پہ دونوں ہاتھ رکھ کر یہ وعدہ کرتا ہوں کہ یہ ہاتھ تمام عمر آپ کے سر پہ رہیں گے۔ اور میں یہ دعا بھی کیا کروں گا۔ کہ مجھ سے آپ بھی اور علی اکبر بھی کسی مرحلہ پر مایوس نہ ہوں۔ آپ نے ایک دن علی اکبر کی تعلیم کے بارے میں اپنی کچھ پریشانی ظاہر کی تھی۔ تو میں منظور سے بات کر چکا ہوں چونکہ میں اچانک چلا جاؤں گا۔ اس لئے بہتر یہ ہوگا کہ منظور سے آج ہی فیصلہ کر لیا جائے فضل دین کو اپنے ڈرائیور کے ساتھ میری طرف سے یہ رقعہ دے کر بھیج دیں کہ منظور صاحب پانچ بجے تک یہاں پہنچ جائیں، ابھی نہیں انہیں چار بجے کے بعد بھیج دیں، میں آپ سے کئی اور باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ میں پسند نہیں کروں گا کہ آپ کے دل میں میری قدر نہ رہے۔ مجھے سندھ سے لاہور پہنچتے ہی آپ سے رابطہ قائم کرنا چاہیئے تھا۔ لیکن رات ہو چکی تھی اور مجھے کافی دیر منظور صاحب کے پاس رکنا پڑا۔ میرا خیال تھا کہ میں اپنے گھر پہنچتے ہی آپ کو اطمینان سے خط لکھوں گا! اور علی الصباح منظور صاحب کو آپ کے پاس بھیج دوں گا، لیکن گھر پہنچ کر میں زہر آلود کھانے کے دو نوالے کھاتے ہی زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہوگیا تھا۔"

امینہ نے کرب انگیز لہجے میں کہا۔ "چراغ بی بی نے آپ کو زہر دے دیا تھا۔" اور اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہوگئیں۔

یوسف بولا: "لیکن اب یہ بات کسی اور کو معلوم نہیں ہونی چاہیئے۔ میں نے دو لقمے کھاتے ہی اپنے اندر ایک آگ سی محسوس کی تھی اور پانی کی پوری صراحی بھی پی گیا تھا۔ ساتھ ہی مجھے قے آنی شروع ہوئی اور میرا بچ جانا ایک معجزہ تھا۔"

امینہ نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے اور سسکیاں ضبط کرتے ہوئے کہا: "میں سوچ رہی تھی کہ آپ نے چراغ بی بی کا گلا گھونٹ ڈالا ہوگا۔"

یوسف بولا: "شاید میں اتنا نڈھال ہو چکا تھا کہ زہر کے ساتھ میرا غصہ بھی ختم ہو چکا تھا۔ اور میں نے اسے اس لئے معاف کر دیا تھا کہ اس نے اپنے جرم پر رونا شروع کر دیا تھا اور آئندہ کے لئے توبہ کی تھی۔"

"نہیں بھائی جان یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گی۔ اگر مجھے فوراً خبر مل جاتی تو میں اسی وقت آپ کے گھر پہنچتی اور چراغ بی بی کا گلا گھونٹ دیتی۔"

"چپ رہنے کی وجہ بھی یہی ہو سکتی ہے کہ میں کیسے یہ گوارا کر سکتا تھا کہ ایک بے وقوف سی عورت کے لئے کوئی اپنی زندگی خطرے میں ڈال دے، لیکن تمہاری اور تمہارے گھر کی سلامتی کے لئے ہمیشہ سوچتا رہا ہوں — میرے پاس آپ کی حفاظت کے لئے منظور صاحب جیسا آدمی موجود ہے۔ وہ تعلیم میں آپ اور علی اکبر دونوں کی مدد کر سکے گا۔ لیکن وہ کوئی معاوضہ لینے کے لئے رضامند نہیں ہوگا۔ وہ ایک کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتا ہے۔"

امینہ بولی: "لیکن معاوضہ انہیں ضرور لینا پڑے گا۔"

یوسف بولا: "لین دین کے مسئلہ میں تمہارے ابا جی ہم سب سے زیادہ جانتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ منظور کو رضامند کرنے کا کوئی راستہ نکال لیں گے۔ جب آپ منظور کو اچھی طرح جان لیں گی۔ تو آپ کو اس میں بہت سی خوبیاں نظر آئیں گی۔"

"میں یہ سمجھ سکتی ہوں کہ ایک معمولی آدمی آپ کے دل سے اتنا قریب نہیں ہو سکتا۔"

بھٹکا ہوا مسافر

یوسف اور منظور لاہور ریلوے اسٹیشن پر کھڑے روہڑی کی طرف سے آنے والی گاڑی کا انتظار کر رہے تھے۔ گاڑی عین وقت پر آئی۔ احمد خان انہیں فرسٹ کلاس کے ڈبے سے اُترتا دکھائی دیا۔ یوسف بھاگ کر اس سے بغلگیر ہوا۔ اور منظور کا تعارف کرواتے ہوئے بولا:

"خان صاحب یہ میرے دوست منظور احمد ہیں۔"

احمد خان نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا: "بھائی میں پہلے بھی انہیں تمہارے ساتھ دیکھ چکا ہوں۔ آج کل دنیا میں بہت کم ایسے لوگ رہ گئے ہیں۔ جو اپنے دوستوں کی پریشانیوں میں حصہ دار بننے کی کوشش کرتے ہیں ـــ یوسف! تمہاری صحت کچھ اچھی معلوم نہیں ہوتی ـــ تم ٹھیک تو ہو نا؟"

"جی ہاں میں بالکل ٹھیک ہوں۔ اور آپ کی اس شفقت کا شکریہ ادا کرنے کے لئے تو مجھے الفاظ ہی نہیں ملتے کہ آپ نے میرا خط پڑھتے ہی اپنی آمد کا تار بھیج دیا تھا۔"

"بھئی مجھے یہ بتاؤ کہ اب دہرہ دون سے تمہیں کال کب آئے گی؟"

"جی وہ تو پرسوں مل گئی تھی۔"

"یار یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ مجھے لاہور کی گرمی میں رکنا نہیں پڑے گا ـــ کب تک حاضری ہے تمہاری؟"

"جی مجھے تیئیس جون کو حاضر ہونے کا آرڈر آیا ہے۔"

"بس پھر آج ہی تم تیاری کر لو۔ اور کل ہم دہرہ دون روانہ ہو جائیں گے۔ میں نے خان محمد کو گرمیوں کی چھٹیوں میں گھر بلانے کی بجائے ایک دوست کی معرفت مسوری کے ایک ہوٹل میں ٹھہرانے کا انتظام کر دیا تھا۔ میرا ایک دوست دہرہ دون میں کاروبار کرتا ہے اور اس نے اس بات کا ذمہ بھی لیا ہے کہ جب میں مسوری پہنچوں گا تو ایک مکان بھی کرایہ پر مل جائے گا۔ ویسے مجھے اس بات سے تعجب ہوا ہے کہ تم نے یکایک فوج میں شامل ہونے کا ارادہ کر لیا ہے۔"

"خان صاحب جب آپ ساری باتیں سُنیں گے۔ تو آپ کو تعجب نہیں ہو گا فلیٹیز ہوٹل میں آپ کے لئے ایک کمرہ لے لیا ہے اور مجھے تنہا دہرہ دون جانے کی بجائے آپ کی رفاقت میں سفر کرنے سے زیادہ خوشی ہو گی۔"

"بھئی جب تک کسی سنٹر سے تمہاری فائنل کال نہیں آجاتی تم مسوری میں ہمارے ساتھ رہو گے۔ میں چاہتا ہوں کہ خان محمد تم سے کچھ سیکھ جائے۔ ہم دہرہ دون کے ہیڈ کوارٹر میں تمہارے لئے مسوری کا پتہ لکھوا دیں گے۔ اب چلو باقی باتیں ہم ہوٹل میں پہنچ کر کریں گے۔"

یوسف نے کہا: "خان صاحب ٹھہریں گے تو آپ ہوٹل میں۔ لیکن کھانا آپ کو منظور صاحب کے ہاں کھانا پڑے گا۔ ان کا مکان تو آپ کے شایانِ شان نہیں مگر ان کا باورچی بہت اچھا کھانا پکاتا ہے۔"

احمد خان نے کہا: "بھئی تمہارے دوست کا باورچی اگر اچھا کھانا نہ بھی پکاتا ہو تو بھی مجھے بہت اچھا محسوس ہو گا۔ لیکن میں یہ چاہتا ہوں۔ کہ ہم اسٹیشن سے نکلنے سے پہلے کل کے لئے دہرہ دون کی سیٹوں کی بکنگ کرالیں۔"

اگلے روز وہ دہرہ دون کا رُخ کر رہے تھے۔

یوسف نے اپنے لئے پچھلے درجہ کا ٹکٹ لینے کی بہت کوشش کی تھی، لیکن احمد خان نے بضد ہو کر اپنے ساتھ اُس کا ٹکٹ خرید لیا تھا اور یوسف کو قائل کرنے کے لئے اس کی آخری دلیل یہ تھی۔

"دیکھو یوسف اگر تم نے اپنے گھر سے تار اور خط آنے کے بعد اچانک لاہور پہنچنے کا فیصلہ نہ کر لیا ہوتا، تو میں آپ سے یہ کہنے والا تھا۔ کہ میں آپ کو اپنے سیکرٹری اور خان محمد کے اتالیق کی حیثیت سے معقول تنخواہ دے سکتا ہوں اور اب آپ کو دیکھتے ہی میرے دل میں امید پیدا ہو گئی ہے کہ آپ میری تجویز کو رد نہیں کریں گے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ، جب تک آپ کسی اور کام پر نہیں لگ جاتے تو آپ میرے ساتھ رہیں گے۔ اور جس کلاس میں میں اور خان محمد سفر کریں گے۔ آپ کو بھی اسی کلاس میں سفر کرنا پڑے گا۔ اور آپ کو لکھنے پڑھنے کے لئے تمام سہولتیں مہیا کرنا بھی میری ذمہ داری ہوگی۔"

لاہور سے امرت سر تک یوسف احمد خان سے باتیں کرتا رہا۔ جب گاڑی امرتسر سے روانہ ہوئی تو وہ اچانک خاموش ہو گیا اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا —— احمد خان اخبار اٹھا کر پڑھنے میں مصروف ہو گیا۔

کچھ دیر بعد اخبار سے اکتا کر اُس نے ایک کتاب اٹھالی۔ اور یوسف سے مخاطب ہو کر کہا:

"بھئی یوسف تمہاری طبیعت ٹھیک ہے نا؟"

"جی میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"نہیں یار کوئی بات ضرور ہے تم مغموم نظر آتے ہو۔"

"کوئی خاص بات نہیں خان صاحب۔ مجھے یہ خیال آ رہا تھا کہ زندگی کی جو منازل کئی برس سے میری نگاہوں کے سامنے ہیں۔ میں ان سے دُور جا رہا ہوں۔ اور اس کے باوجود

میں اس امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہتا کہ یہ ایک نیا راستہ جس پر حالات نے مجھے اچانک چلنے پر مجبور کر دیا ہے۔ بالآخر مجھے اپنی اہم ترین منزل تک لے جائے گا۔"

"بھائی یوسف میری بات غور سے سنو۔ تم ایک اچھے سوار ہو اور تمہیں معلوم ہے کہ جب سوار راستہ بھول جائے تو عقل کی بات یہی ہوتی ہے کہ وہ گھوڑے کو اپنی مرضی پر چھوڑ دے۔ پھر گھوڑا اُسے کسی بستی کے بہترین آدمی کے گھر تک پہنچا دیتا ہے۔"

یوسف کچھ دیر خاموش رہا۔ اور پھر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ جب گاڑی جالندھر کے اسٹیشن سے گزر رہی تھی۔ تو اس نے دونوں بازو کھڑکی پر رکھتے ہوئے اپنی پیشانی دونوں ہاتھوں پر اس طرح رکھ دی کہ اس کا چہرہ احمد خان کی نظروں سے چھپ گیا۔ احمد خاں کچھ دیر ایک کتاب کے ورق الٹتا رہا۔ پھر اس نے کہا:

"بھائی یوسف تمہاری طبیعت ٹھیک ہے نا؟"

یوسف نے آہستہ سے گردن اٹھائی تو احمد خان کو محسوس ہوا۔ کہ وہ آستین سے اپنے آنسو پونچھ رہا ہے۔

"کیا ہوا تھا یوسف؟" احمد خان نے شفقت سے پوچھا۔

"کچھ نہیں خاں صاحب۔ میں اپنی عقل کے گھوڑے کی باگ ڈھیلی چھوڑ دینے کی نصیحت پر عمل کر رہا ہوں۔ لیکن وہ بہترین گھر جسے تلاش کرنے کی مجھے امید ہو سکتی تھی۔ پیچھے رہ گیا ہے۔"

"بھائی یوسف اگر تم اس قدر آزردہ ہو تو ہم سو بار جالندھر آ سکتے ہیں۔ اور میں یہ بھی کر سکتا ہوں کہ میرا ایک بھائی وہیں ڈیرہ ڈال لے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ لوگ بہت اچھے ہوں گے اور تمہاری دل آزاری نہیں کریں گے۔"

"خان صاحب وہ یقیناً بہت اچھے لوگ ہیں۔ لیکن مجھے ان کا قرب حاصل کرنے کے لئے کئی بے نشان راستوں سے گزرنا پڑے گا —— بے نشان اور تاریک

راستوں پر! لیکن میرا دل گواہی دیتا ہے۔ کہ ایک روشنی خواہ کس قدر دھندلی ہو جائے۔ اپنے مستقبل کے متعلق میرے یقین اور اعتماد میں کمی نہیں آنے دے گی ــــ خانصاحب راستہ خواہ کتنا دشوار ہو۔ میں چلتا رہوں گا۔ اس وقت تک چلتا رہوں گا۔ جب تک کہ ہمارے راستے کسی موڑ پر مِل نہیں جاتے۔"

احمد خاں نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا: "یوسف بھائی! میں اللہ سے دعا کیا کروں گا۔ کہ تمہارے راستے بہت جلد مِل جائیں۔ اور میں تمہاری اور اس نیک بیٹی کی خوشیاں اپنی زندگی میں ہی دیکھ لوں۔ جس کے تصور سے تمہارے چہرے پر رونق آجاتی ہے۔ میرے بھائی اگر تمہیں سفر کے کسی مشکل مقام پر سہارے کی ضرورت محسوس ہوئی تو میں یہ وعدہ لینا چاہتا ہوں کہ تم مجھے آواز ضرور دو گے۔"

"خان صاحب! مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے۔ کہ ضرورت کے وقت آپ مجھ سے اتنی دور نہیں ہوں گے کہ مجھے آواز دینے کی ضرورت پیش آئے۔"

دہرہ دُون کے اسٹیشن پر اُن کا خیر مقدم کرنے کے لئے ایک سندھی تاجر سیٹھ جمنا داس وہاں موجود تھا۔ اس نے احمد خان کو ادب سے سلام کرنے کے بعد اطلاع دی: "جناب فی الحال ایک ہوٹل میں آپ کے قیام کا انتظام ہو چکا ہے۔ مکان آپ کو اسی ہفتے مل جائے گا۔ میں نے مالک مکان کو چھ ماہ کا پیشگی کرایہ دے دیا ہے۔ کل اس کی مرمت اور رنگ روغن کا کام شروع ہو چکا ہے۔ جس ٹھیکیدار کو مالک مکان نے یہ کام سونپا ہے اس نے مجھ سے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ پانچ دن تک یہ کام مکمل کرے گا اور چھٹے روز آپ وہاں جا سکیں گے۔ پرسوں خان محمد کو چھٹیاں ہو جائیں گی اور میں انہیں آپ کے پاس پہنچا دوں گا باہر آپ کے لئے ٹیکسی کھڑی ہے اور میں آپ کو مسوری پہنچا کر واپس آجاؤں گا۔"

مسوری برصغیر کے صحت افزا مقامات میں سے ایک انتہائی خوب صورت شہر تھا۔

اس کے نشیب و فراز میں حدِ نگاہ تک قدرت کے دلکش مناظر پھیلے ہوتے تھے۔ موسم گرما میں دور دراز سے خوش حال لوگ وہاں آتے تھے اور شہر کے نچلے حصے سے لے کر بالائی حصے تک وہ عام سڑکیں جن پر صرف پیدل چلنے کی اجازت تھی۔ ان لوگوں سے بھر جاتی تھیں۔ جو اپنی صورتوں کے ساتھ نئے نئے قیمتی ملبوسات کی نمائش کے لئے وہاں آتے تھے۔

احمد خان نے جس ہوٹل میں قیام کیا اس کے ساتھ دو سنیما گھر تھے جن کے ہر روز تین شو ہوتے تھے۔ یوسف دوپہر کا کھانا کھا کر ظہر کی نماز پڑھ رہا تھا کہ سینما گھروں میں گانے شروع ہو گئے۔ نماز ختم کرنے کے بعد وہ بستر پر لیٹ گیا۔ لیکن سینما گھر لاؤڈ سپیکروں کی مدد سے اتنا شور پیدا کر رہے تھے کہ اس کے لئے اخبار پڑھنا بھی مشکل ہو گیا۔ احمد خان گہری نیند میں خراٹے لے رہے تھے۔ یوسف نے اٹھ کر جوتے پہنے اور منیجر کے دفتر میں جا کر کہا: "میں سیر کے لئے جا رہا ہوں اور شام تک سیٹھ جمنا داس کا ایک نوکر خان صاحب کی خدمت کے لئے پہنچ جائے گا اور میں چاہتا ہوں کہ اس وقت تک ایک قابلِ اعتماد بیرا خان صاحب کے دروازے پر موجود رہے۔" منیجر نے کہا: "جناب آپ مطمئن رہیں ہمیں معلوم ہے کہ خانصاحب ایک بڑے آدمی ہیں۔"

"ہاں سیٹھ صاحب! وہ جس قدر بڑے ہیں۔ اسی قدر شریف ہیں۔"

منیجر بولا۔ "بھائی صاحب سیٹھ جمنا داس ہمیں ان کے متعلق بہت کچھ بتا چکے ہیں آپ مطمئن رہیں۔ میں خود ان کا خیال رکھوں گا۔ آپ مزے سے سیر کریں۔"

یوسف نے بلندی کی طرف جانے والی سڑک کا رخ کیا اور ایک گھنٹہ بعد وہ مسوری کے بلند ترین مقام پر کھڑا تھا۔ یہاں سے نیچے کی طرف ایک گنجان جنگل دکھائی دیتا تھا۔ وہ ایک پگڈنڈی پر جا رہا تھا کہ اچانک ایک درخت دیکھ کر رک گیا جو اس کے گاؤں کے قریب پردیسی درختوں سے گہری مشابہت رکھتا تھا۔ اس کے پتے اور اس

کی شاخیں اسی طرح تھے۔ لیکن فرق صرف یہ تھا کہ اس کا قد بہت چھوٹا تھا۔ اس نے ایک شاخ پکڑ کر کھینچی تو وہ اسی طرح ٹوٹ گئی جیسے پردیسی درختوں کی بے لچک شاخیں ٹوٹ جایا کرتی تھیں۔ پھر وہ قریباً نصف گھنٹہ جنگل میں ادھر ادھر دیکھتا رہا، لیکن اسے کوئی اور ایسا درخت نظر نہ آیا۔ دوبارہ چوٹی پر جاکر اس نے عصر کی نماز ادا کی اور پھر واپس چل دیا۔ سڑک کا پررونق حصہ شروع ہو چکا تھا، لیکن اس نے کسی جگہ رک کر دائیں بائیں دیکھنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ وہ اپنے دل میں کہہ رہا تھا ——— "میں ایک چھوٹا سا پردیسی درخت ہوں جو اپنے قافلے سے بچھڑ کر بہت دور پہنچ گیا ہے۔ اور بونے درخت کی طرح میرے لئے واپسی کے تمام راستے بند ہو چکے ہیں۔ انتہائی مایوسی کی حالت میں بھی یوسف کے لئے یہ امید ایک بہت بڑا سہارا ہوا کرتی تھی کہ خواہ کتنی دور چلا جاؤں میرے لئے واپسی کے راستے بند نہیں ہوں گے۔ قدرت کا کوئی معجزہ مجھے کسی دن ان لوگوں کے دروازے تک پہنچا دے گا جن کے بغیر میں زندگی کا تصور نہیں کر سکتا! لیکن آج اسے محسوس ہو رہا تھا کہ مایوسیوں کے تاریک سائے آہستہ آہستہ گہرے ہوتے جائیں گے۔ پھر جب وہ کافی دیر ادھر ادھر گھومنے کے بعد اذان سن کر ایک مسجد میں داخل ہوا تو نماز کے بعد دعا کرتے ہوئے بے اختیار رو پڑا اور پھر ہولے ہولے سسکیاں لیتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا:

"یا اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اگر میری آزمائش شروع ہو چکی ہے تو میں تجھ سے صبر اور حوصلے کا طلب گار ہوں۔ میرے اللہ مجھے کسی ایسی آزمائش میں نہ ڈالیو، جس میں میں پورا نہ اتر سکوں، میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ زمانے کی ٹھوکریں مجھے تیری رحمت سے مایوس نہ کر دیں، اے تھکے ہاروں، لوگوں کی دعائیں سننے اور انہیں قبول کرنے والے! میں تیری رحمت کا طلب گار ہوں۔ یا اللہ! اُن نیک انسانوں پر کرم فرما جو انتہائی بیچارگی کے عالم میں میرے لئے زندگی کا بہت بڑا سہارا بن گئے تھے۔ میرے اللہ! میں جن مقصد کے لئے زندہ رہنا چاہتا تھا ان سے منہ پھیر کر زندگی کا ہر سانس میرے لئے ایک عذاب بن جائے گا۔ میں اس عذاب کے خوف سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد جب وہ احمد خان کے کمرے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھتے ہی کہا:

"بھائی یوسف! آپ نے ہمیں بہت پریشان کیا، بیٹھ جاؤ۔ آپ کہاں چلے گئے تھے؟"

"خان صاحب! میں سیر کے لئے نکلا تھا اور کافی دور چلا گیا تھا۔"

"میرے بھائی میں تمہارا چہرہ دیکھ کر تمہارے دل کی کیفیت کا اندازہ لگا لیا کرتا ہوں ابھی میں تمہارے لئے دعا مانگ رہا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ تم جیسے نیک انسانوں کو دیر تک پریشان نہیں چھوڑے گا۔ تاریک راستوں پر چلتے ہوئے گھبراہٹ ضرور ہوتی ہے، لیکن کسی وقت اچانک تم یہ دیکھو گے کہ سورج تاریک بادلوں سے نکل آیا ہے اور تمہاری دنیا چکاچوند ہو رہی ہے۔ میرے بھائی ہمت اور حوصلے سے کام لو۔ تمہارا کوئی مسئلہ ایسا نہیں جو حل نہ ہو سکے۔ میں اس بات کا ذمہ لیتا ہوں کہ جب ضرورت پڑے گی میں خود ان لوگوں کے پاس جاؤں گا جن کے تصور سے تمہارے سارے غم دور ہو جاتے ہیں۔ اگر ضرورت پڑے تو میں تمہارے والد کے پاس بھی جاؤں گا تم جیسے آدمی کا باپ کبھی یہ گوارہ نہیں کرے گا کہ اس کا بیٹا زندگی سے مایوس ہو جائے۔"

یوسف نے کہا: "خان صاحب! آپ بہت نیک ہیں اور آپ کی باتیں سن کر میں پُر امید ہو جاتا ہوں۔"

احمد خان نے ہنستے ہوئے کہا: "میرے بھائی تم اتنے نیک ہو کہ تمہیں میری باتیں سنے بغیر بھی مطمئن رہنا چاہیئے۔"

عبدالعزیز ایک ہفتہ دورے کے بعد جھنگ واپس آیا۔ وہ رات آٹھ بجے کے قریب اپنے دفتر میں ضروری ڈاک دیکھنے اور چند جوابات لکھوانے کے بعد اٹھا، لیکن دفتر سے باہر نکلتے ہی اسے اردلی نے آکر آواز دی: "جناب لاہور سے آپ کا فون آیا

ہے۔ شاید بیگم صاحبہ کی آواز تھی۔" عبدالعزیز واپس مڑا۔ اور تھوڑی دیر بعد وہ ریسیور اٹھا کر بلقیس سے گفتگو کر رہا تھا۔

بلقیس کہہ رہی تھی۔ "جی میں نے تین بار آپ کو گھر میں فون کیا تھا اور دوسری مرتبہ دفتر میں فون کر رہی ہوں۔"

عبدالعزیز نے جواب دیا۔ "میرا دورہ زیادہ طویل ہوگیا تھا اور تھکاوٹ کی وجہ سے آج دفتر بھی ذرا دیر سے پہنچا تھا، لیکن آپ کی آواز میں گھبراہٹ مجھے بہت پریشان کرتی ہے۔ آپ اطمینان سے بات کریں۔"

بلقیس نے کہا: "جی اپنی حماقتوں کا ذکر کرتے ہوئے مجھے اطمینان کیسے ہوسکتا ہے۔"

"کیا آپ گزشتہ حماقتوں سے کسی بڑی حماقت کا ذکر کرنا چاہتی ہیں؟"

"جناب میری گفتگو اسی حماقت سے تعلق رکھتی ہے۔ جب میں نے یوسف کو دھتکار کر گھر سے نکالا تھا تو مجھے جلد ہی یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتا تھا۔ لیکن میں نے اسے موقع نہ دیا۔ اس کے یہ الفاظ دیر تک میرے کانوں میں گونجتے رہے۔ "چچی جان آپ کی یہ باتیں بڑی تکلیف دہ ہیں لیکن کسی دن آپ یہ باتیں یاد کیا کریں گی تو آپ کو زیادہ تکلیف ہوا کرے گی۔" میں بھاگ کر اسے آواز دینا چاہتی تھی لیکن وہ جاچکا تھا۔"

عبدالعزیز نے کہا۔ "بیگم صاحبہ! یہ بات میں پہلے بھی سن چکا ہوں، میں یہ بھی سن چکا ہوں کہ آپ روتی بھی تھیں اور آپ نے اگلے روز اسے تلاش کرنے کی کوشش بھی کی تھی، لیکن وہ اپنے دوست منظور احمد کے ساتھ کہیں غائب ہوچکا تھا۔ پھر آپ کو یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ یوسف کے یکایک کہیں غائب ہوجانے کی وجہ سے اس کے والد بہت پریشان ہیں۔ پھر آپ کو عبدالکریم کے گھر سے بھی اس کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔ اور میں نے آپ کو ٹیلی فون پر یہ تسلی دی تھی کہ جس یوسف کو میں جانتا ہوں وہ ہمیں چھوڑ

کر کہیں نہیں جاسکتا۔"

بلقیس کہہ رہی تھی کہ "بعض معاملات میں میری پہلی سوچ عام طور پر غلط ہوتی ہے۔"

"بیگم صاحبہ بعض اوقات آپ کی دوسری اور تیسری سوچ بھی غلط ہوتی ہے، لیکن اللہ نے آپ کو ایک خوبی دی ہے کہ آپ فوراً اپنی غلطی کا اعتراف کرلیا کرتی ہیں۔ اطمینان رکھیئے جب یوسف یہ محسوس کرے گا کہ آپ کا غصہ دور ہوچکا ہے تو ہنستا ہوا آپ کے پاس آئے گا۔"

"جی میرا غصہ تو اسی وقت دور ہوچکا تھا، لیکن اس بات سے خوف محسوس کرتی ہوں کہ ہم ایک قابل فخر بیٹے کو ہمیشہ کے لئے کھو چکے ہیں۔"

"کیا ہوا اسے اور آپ رو کیوں رہی ہیں؟"

"میں اس لئے رو رہی ہوں کہ مجھے بڑی دیر سے اطلاع ملی ہے کہ وہ کہیں چلا گیا ہے۔ امینہ نے اچانک مجھے فون کیا تھا کہ وہ لاہور چھوڑنے سے پہلے ان کے گھر آیا تھا۔ میں اسی وقت ان کے گھر پہنچی تھی اور مجھے پہلی بار احساس ہوا کہ میں اسے غلط سمجھتی رہی ہوں۔ امینہ نیک اور معصوم لڑکی ہے۔ مجھے علیحدہ بٹھا کر اس نے ایک دلخراش واقعہ بیان کیا تھا اور گفتگو کے دوران وہ رو رہی تھی اور مجھ سے بار بار معذرت کرتی تھی کہ میں نے فوراً آپ کو یہ واقعہ اس لئے نہیں بتایا کہ یوسف صاحب مجھے یہ کہہ گئے تھے کہ جب چچی جان سے یہ باتیں ظاہر کرنے کا وقت آئے گا تو میں خط لکھوں گا۔"

عبدالعزیز نے کہا: "بیگم صاحبہ خدا کے لئے مجھے یہ بتایئے کہ یوسف ٹھیک تھا؟"

"جی جس رات وہ میرے عتاب سے پریشان ہوکر گیا تھا اس کی سوتیلی ماں نے اسے زہر دے دیا تھا۔ منظور احمد اسے کسی ڈاکٹر کے پاس لے گیا تھا اور اس نے کسی کو معلوم نہ ہونے دیا کہ وہ کہاں ہے۔ جب وہ تندرست ہونے کے بعد منظور کی قیام گاہ میں آگیا تو وہ اسے تلاش کرکے اپنے گھر لے گئی تھی اور اس نے یہ بتایا تھا کہ میرا گھر رہنا مشکل ہو

گیا ہے اس لئے میں کہیں جا رہا ہوں۔ امینہ نے یہ بھی کہا تھا کہ اُسے فوج میں کپتانی حاصل کرنے کی امید ہے یہ کتنی عجیب بات ہے کہ میں امینہ کی گفتگو سے پہلے اتنا بھی نہ سمجھ سکی کہ وہ یوسف کو اپنا بھائی سمجھتی ہے اور وہ دونوں ہاتھ اس کے سر پہ رکھ کر رخصت ہوا تھا۔ یہ بات میری سمجھ میں بھی آجانی چاہیئے تھی، لیکن آپ کو معلوم ہے کہ فہمیدہ کے متعلق میرے جذبات کتنے نازک ہیں۔ میں یہ کیسے برداشت کر سکتی تھی کہ کسی اور جگہ اس کی منگنی ہو جائے۔ کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ سندھ سے واپسی پر وہ کسی اور کے پاس جانے سے پہلے سیدھا میرے پاس آیا تھا۔"

"بیگم صاحبہ! یقین جانیئے وہ اب بھی سیدھا ہمارے پاس آئے گا۔ ورنہ ہم اسے تلاش کر لیں گے۔ یہ زہر والا واقعہ یقیناً تکلیف دہ ہے۔ مجھے اس کی پوری تفتیش کروانے کے لئے چند دن کی چھٹی لینا پڑے گی۔"

"لیکن آپ کو یقین کر تعجب ہوگا کہ اس نے اپنی سوتیلی ماں کو معاف کر دیا تھا۔ ورنہ یہ کیس اتنا مضبوط ہے کہ منظور احمد نے زہریلے کھانے کے متعلق کسی لیبارٹری سے رپورٹ حاصل کر لی تھی۔"

"ایسی صورت میں ہم یوسف کی رضامندی کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے۔"

"جی اسی بات سے تو مجھے تکلیف ہوتی ہے کہ یوسف لاپتہ ہو گیا ہے۔"

"بیگم صاحبہ! اگر آپ نے اب بھی اُسے غور سے دیکھا ہوتا تو آپ یہ سوچ بھی نہ سکتیں کہ یوسف کہیں دور جا سکتا ہے۔"

"لیکن امینہ یہ کہتی تھی کہ وہ اپنی زندگی کے سارے پروگرام چھوڑ چکا ہے۔"

عبدالعزیز نے جواب دیا: "بیگم صاحبہ آپ اس کے لئے دعا کیا کریں مجھے یقین ہے کہ زندگی کا ہر راستہ اسے کامیابی کی طرف لے جائے گا۔"

بلقیس نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ "میں اس کے لئے ہر وقت دعا کیا کرتی ہوں

لیکن فہمیدہ کے متعلق میں بہت فکر مند ہوں۔"

"تمہیں فہمیدہ کے متعلق فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں، وہ اسے زندگی کے ہر موڑ پر دکھائی دے گی۔ شاید یوسف کو گھریلو پریشانیوں کی وجہ سے یہ احساس ہو گیا ہے کہ وہ ہماری نگاہوں سے گر چکا ہے۔ اسے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگے گی۔ کہ جو لوگ اس سے پہلے پیار کرتے تھے اب بھی وہ پیار کرتے ہیں۔"

بلقیس نے کہا: "ایک دفعہ اُس نے کہا تھا کہ بیٹا اگر روٹھے گا تو بھی ماں کے سوا اور کس کے پاس جائے گا۔ اب مجھے جس قدر یہ الفاظ یاد آتے ہیں اسی قدر اطمینان محسوس ہوتا ہے۔"

عبدالعزیز نے کہا: "دیکھو بلقیس ان حالات میں اس کو ہماری دعاؤں کی ضرورت ہے اور مجھے یقین ہے کہ تمہاری دعائیں قبول ہوا کرتی ہیں۔"

احمد خان کا بیٹا خان محمد مسوری پہنچ چکا تھا اور وہ ہر روز کبھی علی الصبح اور کبھی بعد از دوپہر ایک لمبی سیر کے لئے یوسف کا ساتھ دیا کرتا تھا۔ خان محمد ایک ذہین لڑکا تھا اور ہر سیر کے بعد وہ یہ محسوس کیا کرتا تھا کہ یوسف کی گفتگو سے اس کی معلومات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ چوتھے روز وہ کرائے کے مکان میں جا چکے تھے اور یوسف نے باقاعدہ ایک پروگرام کے مطابق اسے پڑھانا شروع کر دیا تھا، استاد اور شاگرد کا یہ رشتہ بتدریج دوستی میں تبدیل ہوتا جا رہا تھا۔ جب یوسف خان محمد سے کسی دلچسپ موضوع پر گفتگو کیا کرتا تھا تو احمد خان بھی ان کے پاس بیٹھ جایا کرتا تھا۔ ایک دن اس نے کہا: "یوسف صاحب میرا بیٹا بہت خوش قسمت ہے کہ اسے آپ جیسا استاد مل گیا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں آپ کے لئے کیا دعا کرتا ہوں۔"

"جی میں صرف یہ سمجھتا ہوں کہ آپ میرے لئے کوئی اچھی ہی دعا کرتے ہوں گے۔"

"مجھے معلوم نہیں کہ اچھی ہے کہ بُری، بہر حال میری خواہش ہے کہ آپ جس کام کے لئے پیدا ہوئے ہیں وہ آپ کو ترک نہیں کرنا چاہیئے۔ آپ نے قوم کے جوانوں کے لئے بہت اچھی کتابیں لکھی ہیں۔ پاکستان کی جدوجہد میں بھرپور حصہ لیا ہے۔ اور یہ ایسے مقاصد ہیں جن سے منہ پھیر کر آپ خوش نہیں رہ سکتے۔ آج صبح جب آپ سیر پر گئے ہوئے تھے تو جمنا داس کے ساتھ دہرہ دون سے ایک پروفیسر بھی مجھے ملنے آیا تھا۔ میں نے آپ کی تعریف شروع کر دی تو اس نے کہا۔ امیر لوگوں کو اپنے بچوں کے لئے ہمیشہ اچھے استادوں کی ضرورت رہتی ہے۔ اگر یوسف تین چار لڑکوں کو ٹیوشن دے سکیں تو ان کی آمدنی میں بہت اضافہ ہو سکتا ہے۔"

یوسف نے کہا۔ "خان صاحب جو رقم آپ دیتے ہیں وہ بھی میری ضرورت سے زیادہ ہوتی ہے۔ میں جلد از جلد اپنی کتاب ختم کرنا چاہتا ہوں اور خان محمد کے سوا میرے پاس کسی اور کے لئے وقت نہیں ہے۔ مجھے اپنے مستقبل کے متعلق یہ اطمینان ہے کہ دو تین کتابیں لکھنے کے بعد میں رزق سے بے نیاز ہو جاؤں گا اور کسی تنخواہ کے بغیر آپ کی خدمت کر سکوں گا۔"

"بھئی مجھے یقین ہے کہ اللہ آپ کو بہت زیادہ دے گا۔ اور مجھے یہ بھی یقین ہے کہ آپ کو معقول معاوضہ دینے سے ہمارے رزق میں کمی نہیں آئے گی، بلکہ جس قدر ہمارا دل کشادہ ہے اسی طرح ہمارا رزق کشادہ ہو گا۔"

یوسف نے کہا: "خان صاحب اگر میرے لئے آپ کی دعائیں قبول ہو جائیں تو مجھے اپنی زندگی میں کسی چیز کی کمی محسوس نہیں ہو گی۔"

"بھائی مجھے یقین ہے کہ آپ کے لئے بہت سے لوگ دعائیں کرتے ہیں اور ان میں سے اللہ کا کوئی نیک بندہ ایسا ضرور ہو گا۔ جس کی دعائیں قبول ہوں گی۔"

"خان صاحب میں آپ کا شکر گزار ہوں۔"

دھند اور روشنی

تین ہفتے اور گزر گئے اور احمد خان یوسف کی ظاہری مسکراہٹوں کے باوجود یہ محسوس کرتا تھا کہ اسے اندر ہی اندر کوئی چیز کھائے جا رہی ہے۔ وہ رات کے وقت چند گھنٹے باقاعدہ لکھا کرتا تھا اور کبھی کبھی اس کے انہماک کا یہ عالم ہوتا تھا کہ وہ تہجد کی نماز کے وقت اپنا کام چھوڑتا تھا۔ رات کی تنہائیوں میں اسے اللہ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھاتے ہوئے ایک تسکین محسوس ہوتی تھی۔ ایک دن وہ عصر کی نماز کے لئے اٹھا تو فضا میں گھرے بادل تیر رہے تھے وہ مسجد سے نکل کر اس سڑک پر چل دیا جو بازار سے نکلتے ہی شروع ہو جاتی تھی اور پہاڑی کے گرد چکر لگانے کے بعد پھر بازار سے آملتی تھی۔ لوگ اس پرسکون سڑک کو کیمل بیک روڈ کہتے تھے اور اس کے دائیں جانب وہ کھڈ شروع ہو جاتی تھی جو اوپر کی جانب شہر کے بالائی حصے کے پہاڑ سے جا ملتی تھی اور دوسری طرف کشادہ ہوتے ہوتے دہرہ دون کی سرسبز وادی سے جا ملتی تھی۔ یوسف نے تھوڑی دیر چلنے کے بعد پیچھے مڑ کر دیکھا تو بالائی مسوری پر گہری دھند چھا رہی تھی وہ کنارے کے آہنی جنگلے پر ایک ہاتھ رکھ کر اپر مسوری کی طرف دیکھنے لگا۔ یہاں سے گہری دھند ایک عظیم آبشار کی طرح کھڈ میں اتر رہی تھی۔ چند منٹ کے اندر اندر یہ کھڈ اور اس کے ارد گرد کے تمام مناظر دھند کے اندر غائب ہو چکے تھے۔ اور وہ چند قدم سے زیادہ دور نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اچانک اسے اپنے قریب کسی لڑکے کی آواز سنائی دی۔

"ابا جان ذرا ادھر آ کر دیکھو: معلوم ہوتا ہے کہ سارا کھڈ دور دور تک روئی کے گالوں سے بھر گیا ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ دھنکی ہوئی روئی کی طرح اس سفید اور خوب صورت بستر پر چھلانگ لگاؤں، میں نیچے کودنے لگا ہوں۔"

ایک لڑکی نے سڑک کے دوسرے کنارے سے بھاگ کر لڑکے کا بازو پکڑ لیا۔ اور اُسے جھنجھوڑتے ہوئے بولی "شرم نہیں آتی تمہیں لوگوں کے سامنے اپنی بے وقوفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے۔"

یوسف نے آگے بڑھ کر لڑکے کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا: "دیکھو منی اپنی بہنوں کو اس طرح پریشان نہیں کیا کرتے۔" لڑکی لڑکے کو چھوڑ کر یوسف کا بازو پکڑ کر چلائی: "آپا جان آپا جان۔ دیکھو یہ کون ہیں۔ جلدی آؤ۔ ورنہ بھائی جان بادلوں میں چھپ جائیں گے۔"

"نسرین! کون ہے؟" دوسری جانب سے کسی نے سوال کیا۔

ظہیر چلایا: "آپا جان یہ بھائی جان یوسف ہیں۔"

فہیدہ چند ثانیے خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اس نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا: "آپ کہاں تھے؟ آپ کو یہ احساس کیوں نہ ہوا کہ کچھ لوگ آپ کے لئے تڑپ رہے ہیں ـــــ میں یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ آپ کو دوسروں کے دکھ سے خوشی ہوتی ہے۔ اب اگر آپ نے غائب ہونے کی کوشش کی تو میں آپ کے سامنے اس کھڈ میں کود پڑوں گی۔"

یوسف نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا: "فہیدہ میں بھاگ رہا تھا اور یہاں تک بھاگنے کے بعد میں یہ سوچ رہا تھا کہ میں اپنے عزیزوں سے بہت دور آ گیا ہوں۔ لیکن میرا سفر جاری رہے گا۔ یہ مسئلہ اپنی پسند یا ناپسند کا نہیں تھا۔ بھاگنا میری مجبوری بن گیا تھا۔ لیکن ۔ ۔ ۔"

"لیکن کیا؟" فہیدہ اس کی طرف مبہوت ہو کر دیکھ رہی تھی۔ اور چھٹتے ہوئے بادلوں سے سورج کی روشنی اس کے خوب صورت چہرے پر پڑ رہی تھی۔ یہاں تک کہ وہ اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں آنسو دیکھ سکتا تھا۔

"فہیدہ" اس نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا: "اب میں کہیں نہیں بھاگ سکتا یہ ایک معجزہ ہے۔ کہ قدرت نے میرے لئے فرار کے تمام راستے مسدود کر دیئے ہیں۔ آپ

کو یہاں دیکھنا قدرت کا ایک عظیم انعام ہے۔ اس وقت مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ میں ایک پردیسی درخت ہوں اور اپنے گاؤں کے قریب پردیسی درختوں کے متعلق جو کہانیاں سنی تھیں۔ وہ شاید درست نہیں تھیں۔ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ ایک شہزادی بادلوں پر سوار ہو کر پردیسی درختوں کے جنگل سے گزر رہی تھی۔ پردیسی درختوں نے اس کی ایک جھلک دیکھی اور اس کے پیچھے بھاگنا شروع کر دیا۔ دھند اس قدر گہری تھی۔ کہ شہزادی کو یہ معلوم نہ ہوا کہ کسی نامعلوم جنگل کے درخت اس کا پیچھا کر رہے ہیں۔ پھر دھند کے بادل اچانک چھٹنے لگے اور شہزادی پریشان ہو کر چلائی: "یہ بے وقوف درخت میرا پیچھا کیوں کر رہے ہیں۔" اور درخت جس جگہ تھے وہیں سہم کر رک گئے۔"

فہیدہ نے پوچھا: "اور شہزادی کا کیا بنا؟"

"میرا خیال ہے۔ شہزادی پریوں کے ساتھ سیر کے لئے نکلی تھی اور کسی ان دیکھے جنگل میں پہنچ گئی تھی اور اس ان دیکھے جنگل کے درخت اتنے مسحور ہو گئے تھے کہ اس کے پیچھے چل پڑے تھے۔ جب شہزادی نے اپنے محل کے قریب مڑ کر دیکھا تو بادل چھٹ چکے تھے۔ اور اس نے محل کے پہرے داروں کو آواز دی تھی۔ "ان بے وقوف درختوں کو روک کر پوچھو کہ وہ میرا پیچھا کیوں کر رہے ہیں؟" اور درخت جہاں پہنچے تھے وہیں شرم و ندامت کے سبب گڑ گئے تھے۔"

فہیدہ نے کہا: "نسرین تم گھر جا کر اطلاع دو کہ ہمارے ایک عزیز مہمان راستہ بھول کر ادھر آ گئے ہیں۔ وہ بہت تھکے ہوئے ہیں۔ میں انہیں آہستہ آہستہ اپنے ساتھ لا رہی ہوں۔"

نسرین نے کہا: "بھائی جان آپ میرے سر کی قسم کھائیں کہ اب آپ راستے میں کہیں غائب نہیں ہو جائیں گے۔"

"پگلی تمہیں فہیدہ پر اعتماد ہونا چاہیئے۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ ان کے حکم کے

بغیران کی آنکھوں سے دور ہونا پسند نہیں کروں گا۔"

"بھائی جان! جتنی دیر میں آپ گھر پہنچیں گے۔ اتنی دیر میں دہرہ دون، جالندھر، لدھیانہ، لاہور اور کئی اور شہروں میں یہ خبر پہنچ جائے گی کہ آپ مسوری میں مل گئے ہیں بھائی جان میں بہت رویا کرتی تھی اور باجی فہمیدہ بھی۔ فرق صرف یہ ہے کہ میں سب کے سامنے رویا کرتی تھی اور باجی چھپ چھپ کر۔"

فہمیدہ نے برہم ہو کر کہا: "چڑیل یہاں سے بھاگو۔ اور گھر پہنچ کر امی جان کو پریشان نہ کرنا۔ صرف یہ بتانا کہ یوسف صاحب بالکل ٹھیک ہیں۔ ذرا تھکے ہوئے نظر آتے ہیں۔"

نسرین بولی۔ "میں اور ظہیر بھاگتے ہوئے گھر پہنچیں گے۔ صرف ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں۔"

"پوچھو۔"

"بھائی جان میں یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ بھابی جان کیسی ہیں؟"

ایک ثانیہ کے لئے یوسف کا چہرہ منجمد سا ہو کر رہ گیا اور فہمیدہ نے کہا:

"نسرین تم بڑی چڑیل ہو۔ بھاگو یہاں سے۔"

اور نسرین ہنستی ہوئی ظہیر کے ساتھ بھاگ گئی۔

یوسف کچھ دیر خاموشی سے فہمیدہ کے ساتھ چلتا رہا۔ پھر اس نے رک کر پوچھا:

"دیکھو فہمیدہ اگر تم بھی اس وہم کا شکار ہو گئی ہو۔ کہ میری منگنی ہو گئی ہے تو اس وقت تک میں خاموش رہوں گا۔ جب تک کہ آپ کی تمام غلط فہمیاں خود بہ خود دور نہیں ہو جاتیں۔"

"آپ کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، جب آپ پردیسی درختوں کی نئی کہانیاں سنا رہے تھے۔ تو مجھے خیال آیا تھا۔ کہ شہزادی نے اپنے محل کے قریب پہنچ کر پیچھے بھاگنے والے درختوں کو غصہ کی حالت میں یہ کہا تھا۔ "تم اس جنگل سے کیوں بھاگ آئے ہو۔ جہاں ایک شہزادہ شکار کے لئے گیا تھا اور اسے تلاش کرنے کی بجائے تم میرے پیچھے کیوں آ گئے ہو۔ جاؤ اسے

تلاش کرو۔ ورنہ میں تم سب کو کاٹ کر آگ میں ڈال دوں گی اور پھر فوج بھیج کر سارا جنگل تباہ کر دوں گی۔ اور پھر دور سے ایک سوار کے سرپٹ گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز سنائی دی اور پہریدار چلا اٹھے، "شہزادہ آگیا" شہزادہ آگیا"۔ اور پردیسی درخت اتنے خوش ہوئے کہ وہ وہیں رک کر رہ گئے، لیکن یوسف صاحب میں اس بات سے خوف کھانے لگی ہوں ـــــ کہ آپ حقیقتوں کو افسانے بنا دیتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ کسی دن ہماری یہ ملاقات بھی ایک افسانہ بن جائے۔"

"فہمیدہ! نہیں ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ کچھ باتیں ایسی ہیں جو میں آپ پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا، لیکن آپ سے چھپانا بھی میرے بس کی بات نہیں۔ اب دیکھو دھوپ نکل آئی ہے اور تمہارا چہرہ اتنا خوبصورت معلوم ہوتا ہے کہ میں اس پر ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی ملال دیکھنا نہیں چاہتا۔"

"یوسف صاحب! آپ سمجھتے تھے کہ آپ مجھے ایک طویل سفر کے بعد ملے ہیں اور اگر اس سفر کے دوران آپ کے پاؤں زخمی ہوئے ہیں تو ان پر پھاہے رکھنا میری ہی ذمہ داری ہے۔ آپ کو اپنے تاریک اور بے نشان راستوں کے ہر قدم پر یہ سوچنا چاہیے تھا کہ آپ تنہا نہیں ہیں۔"

"فہمیدہ میں اپنے مقدر کی ٹھوکروں میں آپ کو کیسے حصہ دار بنا سکتا ہوں۔ میں تو یہ چاہتا تھا کہ دنیا کی انتہائی خوب صورت وادیوں سے پھولوں کے انبار جمع کر کے تمہارے راستے میں بچھا دوں۔ پھر میں یہ کیسے سوچ سکتا تھا کہ میں کسی خطرناک راستے سے پھسلتے ہوئے آپ کا ہاتھ پکڑ لوں۔ اور آپ کے جسم پر کوئی خراش آجائے۔ فہمیدہ! میں نے زندگی کی تلخیوں سے بے بس ہو کر ایک تکلیف دہ فیصلہ کیا تھا۔ اور یہ فیصلہ سراسر اپنی ذات کے لئے تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ آپ یہ فیصلہ سنیں تو آپ کے دل میں کوئی تلخی پیدا ہو جب ایک سپاہی نڈھال ہو کر ہتھیار پھینک دیتا ہے اور اپنے آپ کو زندگی سے زیادہ

موت کے قریب محسوس کرتا ہے۔ تو اپنے عزیزوں اور پیار کرنے والوں کے لئے اس کی آنکھیں اور اس کے کان بند ہو جاتے ہیں۔ فہمیدہ میں اس بات پر شرمسار ہوں کہ میری یہ حالت نہیں ہوئی تھی۔ میں جسے بھول جانا چاہتا تھا اور یہ دعا کیا کرتا تھا کہ وہ بھی مجھے بھول جائے۔ اس کی آواز ہر وقت میرے کانوں میں گونجا کرتی تھی اور اس کی تصویریں ہر وقت میری آنکھوں کے سامنے رہتی تھیں ۔۔۔ میں نے اپنے دل پر پتھر رکھ کر اپنے ماضی سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ میں نے یہ محسوس کیا تھا کہ میرے لئے فوج میں شامل ہو کر کہیں دور نکل جانے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ میں ابتدائی مراحل طے کر چکا ہوں۔ ایک اہم مرحلہ چند دن بعد مجھے دہرہ دون میں پیش آئے گا۔ لیکن آپ وہ ہیں جن کا ایک اشارہ، ایک مسکراہٹ اور ایک آنسو یا ایک قہقہہ میرے تمام فیصلے منسوخ کر سکتا ہے اور میں آپ کا قہقہہ سننے سے پہلے یہ اعلان کرتا ہوں کہ اس مقام سے میری پسپائی شروع ہو چکی ہے ۔۔۔ فہمیدہ مجھے ہنس کے دکھاؤ۔ مجھے اس پسپائی میں بھی تمہارے سہارے کی ضرورت پڑے گی۔ میں وہ تمام کاغذات جو میرے سوٹ کیس میں پڑے ہوئے ہیں۔ آپ کو پیش کر دوں گا اور یہ درخواست کروں گا کہ آپ اپنے ہاتھوں سے انہیں پھاڑ ڈالیں۔"

فہمیدہ مسکرائی اور اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں سے آنسو امڈ پڑے۔ "یوسف"

اس نے کہا: جن طوفانوں سے آپ گزرے ہیں۔ وہ یقیناً بڑے ہولناک ہوں گے۔ میں آپ کے سفر کی پوری رُوداد سننا چاہتی ہوں۔ تاکہ مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ زندگی کی تلخیوں میں مجھے آپ کا ساتھ دینے کے لئے کس قدر صبر اور حوصلے کی ضرورت ہے ۔۔۔ مجھے یہ سن کر یقیناً بہت صدمہ ہوا ہے کہ آپ نے اچانک اپنی زندگی کے پروگرام ترک کر دیئے تھے اور صرف زندہ رہنے کے لئے فوج کی ملازمت میں پناہ لینا چاہتے تھے۔"

"فہمیدہ میرے ساتھ بہت سے ناقابلِ یقین واقعات پیش آئے ہیں، لیکن جس راستے پر میں نے انتہائی مایوسی کی حالت میں قدم اٹھایا تھا۔ اس کے متعلق آخری وقت تک مجھے یہ اطمینان نہیں تھا کہ میں اس پر چل سکوں گا اور ابھی تھوڑی دیر پہلے جب میں سڑک کے کنارے کھڑا تھا اور مجھے چند مانوس آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ اس وقت بھی مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا۔ کہ میں نے جو فیصلہ کیا ہے۔ اس پر قائم نہیں رہ سکوں گا۔ اور میں نے جس کرب سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس دن تک میرے ساتھ رہے گا۔ جب کسی موڑ پر میرے سپنوں کی شہزادی یہ آواز نہیں دے گی کہ میرے پردیسی درخت تم کہاں جا رہے ہو؟"

فہمیدہ کچھ دیر خاموشی سے چلتی رہی اور پھر اچانک رُک کر بولی:

"یوسف صاحب کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ شہزادی صرف اپنے دل سے باتیں کر سکتی ہو۔ اور اس کی ہزاروں آوازیں آپ کے کانوں تک نہ پہنچ سکیں۔"

"آپ کو کیا معلوم کہ میں گہری نیند میں بھی آپ کی آوازیں سنا کرتا ہوں لیکن اس وقت میں آپ کو اپنے سپنوں کی دنیا میں نہیں لے جانا چاہتا۔ میں اس وقت ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا جو مجھے آپ کی سننے اور اپنی سنانے کے لئے ملا ہے۔ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اس مقام سے آگے ہمارے راستے میں کتنے پھول ہیں اور کتنے کانٹے۔ اور مستقبل میں ہمیں کتنے دریاؤں اور صحراؤں میں سے گزرنا پڑے گا۔"

فہمیدہ بولی: "اگر مجھے یہ یقین ہو کہ آپ میرے ہمسفر ہیں تو مجھے یہ معلوم بھی نہیں ہوگا کہ میں کیسے مہیب دریاؤں اور صحراؤں میں سے گزر رہی ہوں۔ آج سے آپ کو دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا ہے کہ ہمارے سر پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ آپ کی امی، میری امی اور چچی بلقیس کی خاموش دعائیں قبول ہوئی ہیں۔"

"کاش! میری زبان پر کوئی ایسی دعا آ سکتی کہ چچی بلقیس کا غصہ دور ہو سکتا۔"

فہمیدہ نے کہا: "معلوم ہوتا ہے کہ چچی بلقیس آپ سے بہت زیادہ ناراض ہو گئی

تھیں۔ لیکن کاش! آپ دو دن بعد جا کر ان کی حالت دیکھتے۔ آپ کو معلوم نہیں کہ انہوں نے سب سے پہلے چچا جان کو فون کیا تھا۔ کہ مجھ سے ایک بہت بڑا جرم ہو گیا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے امی جان سے بات کی تھی۔ اور مجھے بلا کر کہا تھا۔ "بیٹی میں بہت بے وقوف ہوں میں نے یوسف کو بہت صدمہ پہنچایا ہے۔ وہ کہیں غائب ہو گیا ہے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ اگر ساری دنیا سے روٹھ جائے تو بھی تم سے نہیں روٹھ سکتا۔ خدا کے لئے جب اس کے متعلق کوئی اطلاع ملے تو فوراً مجھے فون کرو۔ تمہارے چچا نے مجھے تسلی دی تھی کہ یوسف مجھے اپنی ماں سمجھتا ہے اور وہ ان بچوں میں سے نہیں۔ جو اپنی ماں سے روٹھ جاتے ہیں"۔

"فہمیدہ! میں ان سے روٹھا تو نہیں تھا۔ اپنے آپ سے روٹھ گیا تھا"۔

فہمیدہ نے کہا: "آپ دیکھیں گے کہ وہ ٹیلی فون پر اطلاع ملتے ہی یہاں پہنچ جائیں گی اور جالندھر سے میرے ابو کو بھی ساتھ لے کر آئیں گی اور چچا عبدالعزیز اگر آ سکیں تو وہ بھی پہنچ جائیں گے۔ آپ کو معلوم نہیں کہ آپ ہمارے گھر میں کتنی اہمیت اختیار کر چکے ہیں"۔

"یہ بھی قدرت کا ایک معجزہ ہے۔ آپ کو یقین نہیں آئے گا کہ میں اپنے گھر میں اجنبی بن چکا ہوں۔ ایک بات میں بتانا نہیں چاہتا تھا لیکن آپ سے کوئی بات چھپائی بھی نہیں جا سکتی۔ شاید میرا اولین فرض یہی ہے۔ کہ میں آپ کی نگاہوں سے اپنے مقدر کی تاریکیاں چھپانے کی کوشش نہ کروں ــــ فہمیدہ! جس رات میں چچی بلقیس سے جھڑکیاں کھا کر نکلا تھا۔ اسی رات مجھے اپنے گھر میں زہر دیا گیا تھا"۔

فہمیدہ نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن آواز اس کے حلق میں پھنس کر رہ گئی اور وہ مبہوت سی ہو کر یوسف کی طرف دیکھنے لگی۔ قدرے توقف کے بعد وہ لڑکھڑاتی ہوئی سڑک کے کنارے پتھر پر بیٹھ گئی اور اس نے دونوں ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لئے۔

یوسف نے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑتے ہوئے پوچھا:

"فہمیدہ کیا ہوا آپ ٹھیک ہیں نا؟"

فہمیدہ نے اپنی سسکیاں ضبط کرتے ہوئے کہا:

"میں ٹھیک ہوں یوسف، میں بالکل ٹھیک ہوں۔ اور مجھے اس بات پر تعجب ہے کہ میں یہ خبر سننے کے بعد بھی زندہ ہوں"۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں نے جلد بازی سے کام لیا ہے"۔

"آپ نے وہی کیا ہے کہ جو آپ کو کرنا چاہیئے تھا۔ لیکن مجھے اس بات پر حیرت ہے کہ میں اتنی بے خبر کیوں تھی۔ میں جو ہر سانس کے ساتھ آپ کی سلامتی کی دعا کیا کرتی تھی۔ جس کا ہر خواب آپ کے لئے ہوا کرتا تھا۔ یہ کیوں نہ دیکھ سکی کہ کوئی تاریک سایہ ہمارا پیچھا کر رہا ہے"۔ پھر وہ ایک لمبا سانس لینے کے بعد اچانک کھڑی ہو گئی اور کہنے لگی: "اب آپ آرام سے بولتے جائیں۔ یہ خبر سننے کے بعد میں ہر بات سن سکتی ہوں"۔

یوسف نے کہا: "یہ بہتر نہیں ہو گا کہ ہم کسی جگہ بیٹھ جائیں"۔

"یوسف صاحب میں بالکل ٹھیک ہوں آپ گھر پہنچنے سے پہلے مجھے اپنی سرگزشت سنا دیں۔ تفصیلات میں بعد میں اطمینان سے پوچھوں گی"۔

یوسف نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا:

"یہ تو میں بتا چکا ہوں کہ چچی بلقیس سے رخصت کروانے کے بعد میں ٹوٹا دل برداشتہ ہو کر نکلا تھا۔ اس کے بعد کے واقعات مختصراً یہ ہیں۔ کہ میں راستے میں اپنے ایک دوست منظور احمد کے پاس رک گیا تھا۔ جو ریلوے اسٹیشن سے ہی میرا سامان لے آیا تھا۔ وہاں کافی دیر اس سے باتیں کرتا رہا۔ پھر میں نے جب گھر جا کر کھانا کھایا۔ تو مجھے پلاؤ کا دوسرا نوالہ منہ میں ڈالتے ہی یہ محسوس ہوا کہ کوئی ایسی چیز میرے اندر چلی گئی ہے جس نے میرے بدن میں آگ لگا دی ہے۔ میں نے اتنا پانی پیا کہ اس سے زیادہ پی نہیں

سکتا تھا۔ اور پھر مجھے اچانک قے آ گئی، لیکن کوئی زہریلے اثرات اپنا کام کر رہے تھے پھر میں نے اندر لگی ہوئی آگ بجھانے کے لئے دو مرتبہ پانی پیا اور قے کر دی۔ اس کے بعد میں نڈھال ہو چکا تھا اور مجھے یہ محسوس کرنے کے لئے کچھ سوچنے کی ضرورت نہ تھی کہ مجھے کوئی خطرناک زہر دیا گیا ہے۔ میں نے وہ ہاٹ کیس اٹھایا جس میں پلاؤ تھا اور نیچے ڈیوڑھی سے اپنی سائیکل اٹھا کر اپنے دوست منظور کے پاس چلا گیا۔"

"گھر میں آپ کے لئے کسی نے کچھ نہیں کیا تھا؟"

"وہ سب سو رہے تھے۔ سوتیلی ماں جاگ رہی تھی۔ لیکن جو کچھ اس نے کیا تھا۔ اس کے بعد میرا راستہ روکنے کی جرأت نہیں کر سکتی تھی۔ منظور نے بھاگ دوڑ کی اور مجھے ڈاکٹر کے پاس پہنچا دیا۔ ڈاکٹر کا خیال تھا کہ میں صرف اس لئے بچ گیا ہوں کہ کھانے میں زہر کی مقدار بہت زیادہ تھی اور ایک قدرتی ردِ عمل کے نتیجہ میں بہت سا پانی پینے کے بعد مجھے قے آ گئی تھی۔ اگر وہ زہر کچھ دیر اور ٹھہر جاتا تو آپ کو یہ معلوم بھی نہ ہوتا کہ میرے ساتھ کیا ہوا ہے۔"

"آپ کو اس بات کا یقین ہے کہ یہ زہر آپ کی سوتیلی ماں نے ہی دیا تھا؟"

"اُسے اپنے جُرم کا اعتراف کرنے میں دیر نہیں لگی تھی اور ہماری مُلاقات سے پہلے یہ بات میرے علاوہ منظور اور امینہ تک محدود تھی اور چوتھی آپ ہیں جسے میں بتا رہا ہوں۔ لیکن اس سے آگے یہ بات نہیں جانی چاہیئے۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ ابا جی کی زندگی تلخ ہو جائے۔"

"یوسف صاحب یہ بات آپ مجھ سے بہتر سمجھتے ہیں کہ جو قاتل ہوتے ہیں۔ وہ صرف ایک قتل پر اکتفا نہیں کرتے۔"

"آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ لیکن میں وہاں یہ تاثر چھوڑ آیا ہوں۔ کہ میرے گھر میں ہر موت خواہ وہ ملیریا سے ہی کیوں نہ ہو میری سوتیلی ماں کے والدین اور ان کے کالے بیر کے

فراہم کردہ زہر سے منسوب کی جائے گی۔ اور وہ اس بات سے ہمیشہ خوف زدہ رہیں گے کہ میں لیبارٹری سے زہر کی رپورٹ لے کر اپنے دوست کے پاس چھوڑ آیا ہوں"

"مجھے معلوم نہیں کہ میرا دل کتنا مضبوط ہے، لیکن اس وقت میں پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ کہہ سکتی ہوں۔ کہ اگر آپ کو کچھ ہو جاتا۔ اور مجھے ان واقعات کا علم ہو جاتا تو میں جو کسی کے لباس پر خون کا داغ دیکھ کر بد حواس ہو جاتی ہوں بھری مجلس میں اپنے ہاتھوں سے آپ کے قاتل کا گلا کاٹتی اور مجھے محسوس بھی نہ ہوتا کہ میں کیا کر رہی ہوں۔"

"فہمیدہ اس وقت شاید میں آپ کو یہ نہ سمجھا سکوں کہ میں نے درگزر سے کیوں کام لیا تھا۔ اس کی وجہ وہ حالات تھے۔ جن کے باعث زندگی سے میری دلچسپیاں یکایک ختم ہو گئی تھیں۔ یا میں اپنے بھائی کو کسی متوقع خطرے سے بچانا چاہتا تھا۔ بہر صورت ان حالات میں میں یہی فیصلہ کر سکتا تھا۔ اس سلسلے میں جو انتہائی اہم بات آپ کو بتانا چاہتا تھا۔ وہ یہ ہے کہ قے کرتے وقت جب میری انتڑیاں ٹوٹ رہی تھیں اور میرے دل و دماغ پر موت کا خوف طاری ہو رہا تھا۔ تو میں آپ کو آوازیں دینا چاہتا تھا ——— میں آپ کو دیکھنا چاہتا تھا۔ میں یہ چاہتا تھا۔ کہ آپ کا ہاتھ پکڑ لوں اور اس وقت تک پکڑے رکھوں جب تک کہ موت کی بے رحم قوتوں کے سامنے میری قوتِ مدافعت جواب نہ دے جائے ——— فہمیدہ شاید میری ماں کو یقین تھا۔ کہ وہ اچانک مجھے اس دُنیا میں چھوڑ جائیں گی اور اس سے پہلے پہلے وہ یہ چاہتی تھیں۔ کہ ان کے بعد مجھے کسی ایسے ہمسفر کی ضرورت پڑے گی جسے میں چاہوں۔ جس پر میں یقین رکھوں۔ اور جس کے لئے میں اپنی زندگی کی قربانی دے سکوں۔ آپ پھر یہ کہیں گی۔ کہ میں اپنے گرد و پیش کی بہت سی تلخیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے شاعری میں پناہ لے رہا ہوں۔ لیکن آپ کو دیکھ کر کوئی تکلیف دہ بات سوچنے کو دل بھی تو نہیں چاہتا۔"

"آپ مطمئن رہیں۔ ہماری قیام گاہ زیادہ دُور نہیں۔ اور وہاں آپ کو کسی تلخی کا

سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔"

یوسف مسکرایا۔ "کاش! آپ کی قیام گاہ بہت دور ہوتی، اتنی دُور ہوتی، کہ آپ کے ساتھ چلتے چلتے میری عمر گزر جاتی۔"

"یوسف صاحب عمر گزارنے کے لیے تو ہم اپنے چھوٹے سے جھونپڑے کے گرد بھی ان گنت چکر لگا سکتے ہیں۔ اگر اس وقت مجھے یہ پریشانی نہ ہوتی کہ گھر میں سب آپ کا راستہ دیکھ رہے ہیں تو میں ایک طویل راستہ اختیار کرتی۔ اب مجھے یہ بھی احساس نہیں رہا کہ آپ تھک گئے ہوں گے۔"

"فہمیدہ! تمہارے ساتھ میں ماؤنٹ ایورسٹ تک بھاگ سکتا ہوں۔"

"ماؤنٹ ایورسٹ کے پروگرام تو آپ کو بعد میں بنانے چاہئیں۔ اس وقت آپ کو ساری ذہانت اس بات پر صرف کرنی چاہیئے کہ میرے ابو، میری امی اور شاید نانی جان بھی کل تک یہاں پہنچ جائیں۔ وہ چڑیل نسرین سب کو فون کر چکی ہوگی۔ اور شاید یہاں آنے والے اپنے دل میں کوئی بڑا فیصلہ کر کے آئیں۔ اور آپ کو بھی شاید کوئی فیصلہ کرنا پڑے۔"

"فہمیدہ جو فیصلے میرے دماغ میں آ سکتے تھے۔ وہ تو اسی دن ہو گئے تھے۔ جب میں نے آپ کو پہلی بار دیکھا تھا۔ اب اُن حالات کا مسئلہ ہے جو مجھے پیش آ رہے ہیں آپ کو ایک عجیب بات بتاتا ہوں ایک دن جب میں بہت مغموم تھا تو سیر کے دوران اپر سوری۔ سے آگے ایک جنگل کی طرف نکل گیا تھا۔ وہاں میں نے ایک بونے قد کا پردیسی درخت دیکھا۔ صرف اس کا قد چھوٹا تھا ورنہ وہ ہر لحاظ سے اُن قد آور پردیسی درختوں کی طرح تھا جو میرے گاؤں کے قریب ہیں۔ میں اس بات پر حیران تھا کہ یہ درخت اپنے قافلے سے جُدا ہو کر سینکڑوں میل دور یہاں کیسے پہنچ گیا ہے۔ اس کے بعد میں یہ محسوس کیا کرتا تھا کہ میں بھی ایک پردیسی درخت ہوں جو اپنے قافلے سے جدا ہو چکا ہے۔ اب میں یہ سوچتا ہوں کہ شاید وہ چھوٹا سا پردیسی درخت اپنی شہزادی کی تلاش میں یہاں پہنچ گیا ہے۔"

"آپ نے اتنی سیر کرنے کے باوجود ایسے درخت کسی اور جگہ نہیں دیکھے؟"

"اس درخت کے دیکھنے کے بعد مجھے یہ ماننا پڑتا ہے کہ ایسے درخت اور بھی ہوں گے اور ایسی شہزادیاں بھی تو اور ہو سکتی ہیں جنہیں دیکھ کر ان بھاگنے والے درختوں کے قافلے اور کئی مقامات پر رُک گئے ہوں۔ پھر زمین اور آب و ہوا کی تبدیلی سے ان کے قد بھی تو بڑے چھوٹے ہو سکتے ہیں، لیکن معاف کیجئے میں یہ بھول گیا تھا کہ میں کسی پردیسی درخت کے نہیں بلکہ اپنی شہزادی کے سامنے کھڑا ہوں۔ اب ان غیر متوقع حالات کا مسئلہ آتا ہے جن کا میں سامنا کر رہا ہوں، یا میری وجہ سے آپ کو سامنا کرنا پڑے گا۔ فہمیدہ اپنے مصائب کی دلدل سے نکلتے ہوئے میں یہ گوارا نہیں کروں گا۔ کہ کیچڑ کا کوئی چھینٹا آپ یا آپ کے خاندان تک پہنچ جائے اور جن لوگوں سے مجھے پیار ملا ہے وہ مجھ سے نفرت کرنے لگ جائیں۔"

"دیکھئے یوسف صاحب" فہمیدہ نے رک کر کہا۔ "مجھے اس بات پر سخت اعتراض ہے کہ جن حالات کا آپ سامنا کر رہے ہیں۔ مَیں اُن سے خوف زدہ ہو جاؤں گی یا بھاگنے کی کوشش کروں گی۔ یہ بات شاید میں آپ سے کبھی نہ کہتی کہ جب آپ زہریلے کھانے کے لقمے کا ذکر کر رہے تھے تو میرے دل میں جو پہلا خیال آیا تھا۔ وہ یہ تھا کہ اس کھانے میں مَیں آپ کے ساتھ شریک کیوں نہیں تھی۔ لیکن میں اس وقت بہت کچھ نہیں صرف ایک بات کہنا چاہتی ہوں۔ کہ آپ کے ساتھ جینے اور مرنے کے سوا میرے دل میں اور کوئی خواہش نہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ آج رات سونے سے پہلے میں اللہ کی بارگاہ میں شکرانے کے سو نفل ادا کروں گی — اب آپ اپنے پیار کرنے والوں سے ملاقات کے لئے تیار ہو جائیں۔ وہ کافی دیر سے کوٹھی سے باہر آپ کا انتظار کر رہے ہونگے۔"

اور پانچ منٹ بعد یوسف، صفیہ، ظہیر اور نسرین کے سامنے کھڑا تھا۔

"خالہ جان السلام علیکم"۔ اور صفیہ نے آگے بڑھ کر دونوں ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیئے۔

نسرین بولی: امی جان اگر میں انہیں دھند میں دیکھ نہ لیتی، تو ہمیں یہ معلوم ہی نہ ہوتا کہ یہ مسوری میں گھوم رہے ہیں۔ اور ان کو تو یہ بالکل ہی پتہ نہ چلتا کہ ہم یہاں آئے ہوئے ہیں۔"

فہمیدہ نے کہا: نسرین تمہارے بھائی جان نے کئی بار راستے میں تمہارا شکریہ ادا کیا ہے۔ یوسف کہتے ہیں کہ میں نسرین کا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا کہ جب سارے راستے میری آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ تو یہ میری نگاہوں کے سامنے روشنی بن کر آتی ہے۔"

"سچ بھائی جان!"

"ہاں نسرین میں واقعی تمہارا شکر گزار ہوں۔ ورنہ یہ ہو سکتا تھا۔ کہ ہم اس دھند کے اندر کھو جاتے اور پھر کبھی ایک دوسرے کو نہ دیکھتے۔"

نسرین نے کہا۔" امی جان میں اندر جاتی ہوں شاید ٹیلی فون آجائے۔ آپ بھائی جان کو کہیں جانے تو نہیں دیں گی نا؟"

"چڑیل جاؤ اور چائے رکھواؤ۔ تمہارے بھائی جان کہیں نہیں جائیں گے۔"

———— ————

تھوڑی دیر بعد وہ کوٹھی کے ایک کمرے میں چائے پی رہے تھے۔ دوسرے کمرے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ اور نسرین نے بھاگ کر ریسیور اٹھاتے ہوئے کہا ——

جی ہاں —— چچی جان، امی جان سے بات کیجئے اور سب سے آخر میں میرے ساتھ بات کرنا نہ بھول لیئے گا۔"

صفیہ نے اٹھ کر اس کے ہاتھ سے ریسیور پکڑ لیا۔ اور کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا:

"بلقیس میں تمہیں ایک خوش خبری سنانا چاہتی ہوں —— بہت بڑی خوش خبری یوسف مل گیا ہے —— ہاں یہیں مسوری میں۔ تم اس سے بات کرنا پسند کرو گی —— ؟ بھئی وہ یہیں ہے —— وہ تم سے قطعاً ناراض نہیں —— بھائی جان ٹھیک کہتے تھے کہ وہ ان بیٹوں میں سے نہیں جو ماؤں سے ناراض ہو جاتے ہیں —— وہ ساتھ والے کمرے میں چائے پی رہا ہے —— میں بلاتی ہوں۔"

"دیکھو صفیہ میں اطمینان سے چند باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ کسی کی موجودگی میں شاید یوسف کھل کر بات کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کرے۔"

"بھئی تم اطمینان رکھو۔ اس کی آواز ٹیلی فون والے کمرے سے باہر نہیں جائے گی۔ اور وہ یہیں آپ کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں بتائے گا —— بھئی میرا مطلب یہ ہے کہ تم کھل کر بات کرلو —— یوسف بیٹا ادھر آؤ۔ بلقیس تمہیں بلا رہی ہے۔"

یوسف کمرے میں داخل ہوا اور اس کے پیچھے نسرین بھی آگئی۔ صفیہ نے یوسف کے ہاتھ میں ریسیور تھما دیا۔ اور نسرین کو بازو سے پکڑتے ہوئے بولی:

"بلقیس نے تمہیں نہیں یوسف کو بلایا تھا۔ اگر کوئی تمہارے مطلب کی بات ہوئی تو تمہیں بتا دی جائے گی۔ اب اطمینان سے اپنے بھائی کو باتیں کرنے دو۔"

نسرین کچھ کہے بغیر اس کے ساتھ دوسرے کمرے میں فہمیدہ کے پاس بیٹھ گئی۔ اور یوسف نے اپنی گفتگو کی ابتدا بھرائی ہوئی آواز میں کی۔

"السلام علیکم، چچی جان! میں آپ کا بیٹا یوسف ہوں —— میں کسی ناراضگی کے باعث غائب نہیں ہوا تھا۔ مجھے ایک چھوٹا سا حادثہ پیش آگیا تھا —— چچی جان میں نے آپ کو اس لئے اطلاع نہیں دی تھی کہ آپ پریشان ہوں گی —— ہاں چچی جان پریشان تو آپ اطلاع کے بغیر بھی ہوئی ہوں گی، لیکن یہ ایک ایسا واقعہ تھا۔

جس نے میرے ہونٹوں پر مہر لگا دی تھی ـــــ چچی جان اس کے متعلق جس قدر میں فہمیدہ کو بتا چکا ہوں وہ آپ کو بھی معلوم ہو جائے گا۔ لیکن ٹیلی فون پر بتانے کی بجائے میں خود حاضر ہو کر آپ کو بتاؤں گا۔"

"بیٹا! یہ تمام باتیں مجھے امینہ نے بتا دی ہیں اور میں اس کی شکر گزار ہوں، لیکن اسے یہ معلوم نہ تھا کہ تم کہاں ہو ورنہ اب تک ہم تمہیں تلاش کر چکے ہوتے۔"

"کیا واقعی چچی جان آپ کل یہاں پہنچ رہی ہیں، میں بھاگ نہیں جاؤں گا۔ چچی جان، میں ڈیرہ دون کے اسٹیشن پر آپ کا استقبال کروں گا ـــــ بہت اچھا چچی جان میں یہاں خالہ جان کے پاس ہی رہوں گا ـــــ نسرین خالہ جان کو بھیجو۔" اس نے ریسیور ایک طرف رکھتے ہوئے آواز دی۔

صفیہ نے اندر آ کر ریسیور اٹھا لیا۔ چند ثانیے خاموشی سے سنتی رہی۔ پھر اس نے کہا "بہت اچھا ہم تمہارا انتظار کریں گے۔ فہمیدہ کے ابا جان سے بھی ٹیلی فون پر بات کر لینا ممکن ہے کہ وہ بھی تمہارے ساتھ ہی جالندھر سے آ جائیں۔ ہم چند دن یہیں گزاریں گے کوٹھی کا مالک ایک مہینہ بعد یہاں آئے گا۔ اس وقت تک ساری بلڈنگ ہمارے پاس رہے گی ـــــ فہمیدہ سے خود بات کر لو۔ آج نسرین اتنی خوش ہے کہ وہ فہمیدہ اور تمہاری گفتگو میں مداخلت نہیں کرے گی ـــــ فہمیدہ بیٹی لو، اپنی چچی سے بات کرو۔"

فہمیدہ نے ریسیور پکڑتے ہوئے کہا "السلام علیکم" چچی جان ـــــ چچی جان وہ کچھ کمزور نظر آتے ہیں ـــــ نہیں، انہیں ہمارا پتا نہیں اُن کا کوئی پتہ نہیں تھا۔ سڑک پر دھند چھائی ہوئی تھی اور نسرین نے انہیں اچانک دیکھ لیا تھا ـــــ ہاں چچی جان آپ سے بہت باتیں کرنے کو جی چاہتا ہے۔ میں بڑی بے چینی سے آپ کا انتظار کروں گی ـــــ نسرین لو چچی جان سے بات کر لو۔"

نسرین نے ریسیور کانوں سے لگاتے ہوئے کہا۔ "چچی جان انعام کس بات کا؟"

ـــــ نہیں چچی جان یوسف بھائی کے مل جانے کی خوشی سے اور بڑا انعام کیا ہو سکتا ہے ـــــ چچی جان، بھائی جان مجھے ایسے ہی لگتے ہیں جیسے پہلے تھے۔ صرف ذرا کمزور ہو گئے ہیں۔ خدا حافظ چچی جان۔"

وہ دوبارہ دوسرے کمرے میں بیٹھ گئے۔ صفیہ نے کہا۔ "بیٹا میں باورچی کو کھانے کے متعلق کچھ کہہ آؤں۔ تم اطمینان سے باتیں کرو۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک دو دن ہمیں بہت مصروف رہنا پڑے گا۔ بیٹا یہ عجیب بات ہے کہ جو بات مجھے سب سے پہلے پوچھنی چاہیے تھی۔ وہ میں بھول ہی گئی۔ تمہارا سامان کہاں ہے؟"

"خالہ جان اچھا ہوا کہ آپ نے پوچھ لیا۔ میرے ساتھ میرے سندھی دوست احمد خان صاحب آئے ہوئے ہیں۔ اور ہم یہاں سے قریب ہی ایک مکان میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ میں کافی دیر سے غیر حاضر ہوں اور وہ بہت دیر سے پریشان ہو رہے ہوں گے۔"

"دیکھو بیٹا میں تمہارا ایک لمحہ بھی اپنی آنکھوں سے اوجھل ہونا پسند نہیں کرتی۔ تم تھوڑی دیر کے لئے جاؤ اور انہیں کھانے کے لئے ساتھ لے آؤ۔"

"خالہ جان، یہ بہت مشکل ہو گا۔ فی الحال میں اُن کا مہمان ہوں اور وہ مہمان نوازی کے معاملے میں بہت حساس ہیں۔ پہلے تو انہیں یہ گلہ ہو گا کہ دوپہر کے وقت جب میں سیر کے لئے نکلا تھا تو وہ سو رہے تھے۔ آئندہ جب آپ حکم دیا کریں گی تو میں اُنہیں لے آیا کروں گا۔"

"بہت اچھا بیٹا، تم ابھی جاؤ۔ اور ان سے اجازت لے کر واپس آ جاؤ۔"

نسرین نے کہا۔ "امی جان جب بھائی جان، خان صاحب کو یہ بتائیں گے کہ ہم کون ہیں۔ تو وہ انہیں یہاں کھانا کھانے سے منع نہیں کریں گے۔ وہ بہت اچھے آدمی ہیں۔ اور نانی جان بھی انہیں جانتی ہیں۔ جب ہم نے بھائی جان کے ساتھ سفر

کیا تھا۔ تو وہ کوئٹہ کے ریلوے اسٹیشن پر ہمیں رخصت کرنے آتے تھے ــــــ بھائی جان آپ انہیں یہ کہہ کر آئیں کہ ہم بہت دیر تک باتیں کریں گے اور اگر بہت زیادہ دیر ہو گئی تو نسرین کے اصرار پر آپ رُک بھی سکتے ہیں"۔

یوسف نے کہا۔ "نسرین ان سے اجازت لینے کے لئے مجھے کسی بہانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ وہ اتنے اچھے ہیں کہ میں نے ایک خط میں صرف اپنی پریشانی کا ذکر کیا تھا۔ اور وہ اس سفر میں میرا ساتھ دینے کے لئے لاہور پہنچ گئے تھے"۔

نسرین نے کہا: "امی جان مجھے ڈر ہے کہ بھائی جان راستہ بھول جائیں گے۔ اس لئے باورچی کو ان کے ساتھ بھیج دیں"۔ اس پر سب ہنس پڑے۔

ــــــــ ــــــــ

دس منٹ بعد یوسف مکان میں داخل ہوا تو احمد خان اضطراب کی حالت میں اپنے کمرے سے باہر ٹہل رہا تھا۔ اس نے یوسف کے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا:

"بھائی یوسف آپ اپنے دوستوں کو اسی طرح پریشان کیا کرتے ہیں؟"

یوسف نے جواب دیا۔ "خان صاحب اس کے لئے میری معذرت قبول فرمایئے لیکن بعض اوقات ایسے واقعات پیش آتے ہیں کہ وقت گزرتا ہوا محسوس نہیں ہوتا۔ خان صاحب! آپ نے کہا تھا کہ اگر سوار راستہ بھول جائے تو گھوڑے کو اس کی مرضی کے مطابق چھوڑ دیتا ہے۔ اور وہ ہمیشہ اسے کسی اچھی جگہ پہنچا دیتا ہے خانصاحب میں نے اپنی عقل کے گھوڑے کی باگ بالکل چھوڑ دی تھی۔ اور وہ جن سے میں اپنے خیال کے مطابق بہت دور آچکا تھا: ایک خواب کی طرح میرے راستے میں آ گئے تھے ــــ سڑک پر دُھند چھائی ہوئی تھی۔ اور مجھے وہ آوازیں سنائی دیں۔ جن سے میرے کان مانوس تھے۔ پھر اُس لڑکی نے مجھے پہچان کر شور مچا دیا۔ جسے آپ نے کوئٹہ میں دیکھا تھا"۔

احمد خاں نے پوچھا "اور اُس کی ہمشیرہ بھی اس کے ساتھ تھی؟"

"جی ہاں، وہ لوگ یہاں پاس ہی ایک بنگلہ میں ٹھہرے ہوئے ہیں اور میرا خیال ہے۔ کہ کل تک اُن کے کچھ رشتہ دار بھی یہاں جمع ہو جائیں گے ــــ اب اگر آپ اجازت دیں تو مجھے کچھ دیر ان کے پاس جانا پڑے گا"۔

"بھئی عجیب بات ہے کہ تم اُن کے پاس جانے کے لئے بھی کسی کی اجازت کی ضرورت محسوس کرتے ہو"۔

"خاں صاحب وہ مجھے کہتے تھے کہ کھانا میں ان کے ساتھ ہی کھاؤں۔ ان کی خواہش تو یہ تھی کہ میں آپ کو بھی ساتھ ہی لیتا آؤں، لیکن میں نے کہا تھا۔ کہ اس وقت شاید آپ نہ آسکیں۔ اس لئے پھر کسی وقت دیکھا جائے گا"۔

"اچھا یوسف تم فوراً ان کے پاس جاؤ۔ اور ایک بات یاد رکھو۔ اگر تمہیں کسی مرحلہ پر اُن لوگوں سے بات کرنے کے لئے ایک بڑے بھائی کی خدمات کی ضرورت محسوس ہو تو میں موجود ہوں"۔

یوسف بولا: "شکریہ خاں صاحب میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ اچانک ایسا مرحلہ بھی آسکتا ہے"۔

"اچھا بھائی! اب تم فوراً اُن کے پاس پہنچنے کی کوشش کرو"۔

ــــــــ ــــــــ

چند منٹ بعد یوسف، صفیہ کی قیام گاہ میں داخل ہوا تو نسرین نے اسے دیکھتے ہی کہا۔ "دیکھا امی جان! باجی فہمیدہ جو بات کہا کرتی ہیں۔ وہ ہمیشہ درست ثابت ہوتی ہے۔ باجی نے کہا تھا۔ کہ تمہارے بھائی جان نصف گھنٹے سے پہلے پہلے واپس آجائیں گے۔ اور آپ نہیں مانتی تھیں"۔

فہمیدہ نے کہا: "نسرین تم بالکل چڑیل ہو"۔

یوسف نے فہمیدہ کی طرف دیکھا تو وہ سر جھکا کر اپنی مسکراہٹ چھپانے کی کوشش کرنے لگی۔ یوسف نے صفیہ کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔ خالہ جان احمد خان صاحب نے مجھے کہا تھا۔ کہ اب تمہیں زیادہ سے زیادہ وقت اپنے عزیزوں کے ساتھ گزارنا چاہیئے"۔

صفیہ نے کہا۔ "فہمیدہ بیٹی کھانا لگوا دو۔ بیٹے کو بھوک لگی ہو گی"۔

فہمیدہ اٹھنے لگی تو نسرین نے جلدی سے کہا۔ "باجی آپ بیٹھی رہیں آج باقی کام میں کروں گی"۔

تھوڑی دیر بعد وہ سب کھانا کھا رہے تھے۔ کھانے کے دوران یوسف کو ذرا تفصیل کے ساتھ صفیہ کو اپنی سرگزشت سنانی پڑی۔ نسرین نے اپنا کھانا چھوڑ دیا اور اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد صفیہ نے آواز دی۔

"نسرین! نسرین!" لیکن کوئی جواب نہ آیا۔

"کیا ہوا فہمیدہ، اس نے اپنا کھانا ختم نہیں کیا؟"

"امی جان!" فہمیدہ نے جواب دیا۔ "وہ کہیں چھپ کر رو رہی ہو گی"۔

یوسف جلدی سے اٹھ کر دوسرے کمرے کی طرف بڑھا تو نسرین دروازے کے ساتھ کھڑی دونوں ہاتھوں میں منہ چھپائے سسکیاں لے رہی تھی۔

"نسرین کیا ہوا؟" یوسف نے پیار سے اس کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

نسرین بے اختیار ایک بچے کی طرح بلکتی ہوئی اس کے ساتھ لپٹ گئی۔

"نسرین میں زندہ ہوں۔ خدا نے مجھے مصیبت سے بچا لیا تھا"۔

"بھائی جان مجھے ایسا محسوس ہوا تھا کہ کوئی میرا گلا گھونٹ رہا ہے۔ جب آپ زہر کا ذکر کر رہے تھے تو میں زور سے چیخنا چاہتی تھی۔ لیکن میرے حلق سے آواز نہیں نکلتی تھی ___ بھائی جان ہم آپ کے لئے بہت دعائیں کیا کرتے تھے۔ اور امی آپ کی باتوں سے کبھی کبھی مجھے خوف سا محسوس ہونے لگتا تھا۔ وہ آپ کے متعلق بہت پریشان رہا

کرتی تھیں۔ بھائی جان! مجھے یقین ہے کہ آپ کے متعلق کوئی بُری خبر سننے سے پہلے میں مر جاؤں گی"۔

"دیکھو نسرین ایسی باتیں نہیں کیا کرتے۔ تمہیں ہم سب کے لئے زندہ رہنا چاہیئے کیونکہ ہمیں تمہارے پیار کی ضرورت ہے"۔

"بھائی جان اگر آپ حکم دیتے ہیں۔ تو میں زندہ رہوں گی"۔

نسرین نے مسکراتے ہوئے اپنے آنسو پونچھ ڈالے۔

یوسف اُسے بازو سے پکڑ کر دوسرے کمرے میں لے آیا اور کھانے کی میز پر بٹھاتے ہوئے بولا:

"نسرین تمہیں معلوم ہے۔ کہ مجھے تم کھاتی، ہنستی اور باتیں کرتی ہوئی بہت اچھی لگتی ہو۔ تمہیں اس بات سے کوئی خوشی نہیں ہوئی کہ میں زہر آلود کھانا کھانے کے باوجود مسوری میں تمہیں مل گیا"۔

"بھائی جان خوشی تو اتنی ہوئی ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتی۔ لیکن آپ کی بات سُن کر اچانک میرا دل بھر آیا تھا۔ آپ اطمینان سے اپنی بات ختم کریں۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ اب میری طرف سے کوئی بدمزگی پیدا نہیں ہو گی"۔

نسرین اطمینان سے کھانا کھانے میں مصروف ہو گئی۔ اور یوسف نے اپنی باقی سرگزشت سنا دی۔

کھانے کے اختتام پر صفیہ نے کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد بچوں کو اپنے کمرے میں جانے کا حکم دیا۔ اور یوسف سے کہا: "بیٹا میں تم سے ایک ضروری بات کرنا چاہتی ہوں۔ اُٹھ کر دروازہ بند کر دو۔ اور میرے قریب بیٹھ جاؤ"۔

یوسف نے اُٹھ کر دروازہ بند کرنے کے بعد ان کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا "کوئی پریشانی کی بات ہے۔ خالہ جان؟"

"بیٹا پریشانی کی بات تو تھی۔ لیکن اللہ نے فضل کیا ہے اور صرف ایک اُلجھن باقی رہ گئی ہے۔ مگر میرا دل گواہی دیتا ہے کہ وہ بھی دور ہو جائے گی ـــــ تمہیں معلوم ہے کہ نسرین کا سب سے چھوٹا چچا یہاں سے ایم بی ایس کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے ولایت چلا گیا تھا۔ وہاں سے چند ماہ قبل اس نے ایک نوجوان [illegible] کے ساتھ تعلیم حاصل کر چکا ہے اور ایک بڑے ہسپتال میں اسی کے ساتھ کام کرتا ہے۔ وہ حیدرآباد دکن کے ایک امیر خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اس کا نام کمال الدین ہے۔ فہیدہ کا چچا اکثر اپنے خطوط میں اس کا ذکر کیا کرتا تھا کہ وہ بڑا ہونہار ہے اور بڑے اچھے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ کوئی تین ماہ قبل اس نے فہیدہ کے رشتہ کی تجویز لکھ بھیجی تھی۔ ہم نے اسے جواب دیا تھا کہ فہیدہ کے بی۔ اے کر لینے سے پہلے کسی سے بات کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کوئی پندرہ دن قبل ایک خط آیا تھا۔ جس سے میں چکرا گئی تھی۔ اور وہ یہ تھا کہ وہ دونوں اگلے مہینے کے پہلے ہفتہ بذریعہ بحری جہاز کراچی پہنچ جائیں گے۔ اگر ہم کراچی گئے۔ تو وہاں لڑکے کے والدین سے ملاقات ہو جائے گی۔ ورنہ وہ اور ان کا صاحبزادہ حیدرآباد جانے کے بجائے پہلے ہمارے گھر جالندھر میں آئیں گے۔ وہاں منگنی کا رسمی اعلان کر دیا جائے گا کمال الدین اور اس کے والدین قطعاً مُصر نہیں ہوں گے کہ فوراً شادی کر دی جائے۔ فہیدہ کے بی۔ اے بلکہ ایم۔ اے کرنے کا بھی انتظار کر سکتے ہیں۔ اس نے کمال الدین کی چند تصویریں بھی بھیجی ہیں۔ بیٹا! تم یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ میں کتنی پریشان تھی۔ میں نے وہ خط بلقیس کو بھیج دیا تھا۔ اور میرا خیال ہے کہ وہ بھی بہت پریشان ہے۔ نسرین اس دن بہت روئی تھی اور اس نے غصہ میں آکر اپنے چچا کو ایک خط لکھا تھا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے اس کی ایک نقل اپنے پاس نہیں رکھی۔ ورنہ تم پڑھ کر بہت ہنستے۔ فہیدہ بھی بہت مغموم تھی۔ لیکن وہ بھی یہ خط پڑھ کر ہنس پڑی تھی۔ لیکن بیٹا! ہم اب پریشان

نہیں ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ تم آگئے ہو۔ مجھے خطرہ تھا کہ دہرہ دون والے میجر صاحب ہم پر بہت دباؤ ڈالیں گے، لیکن اب میں مطمئن ہوں کہ میری جنگ بلقیس لڑے گی۔ میں نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ اس نے ٹیلی فون پر مجھ سے کیا باتیں کی تھیں ـــــ بڑا غصہ تھا اسے فہیدہ کے چچا پر۔ کہتی تھی کہ وہ بیوقوف چند سال ولایت میں رہ کر یہ سمجھ رہا ہے کہ وہ عقلمند بھی ہو گیا ہے۔"

یوسف نے کہا۔ "چچی جان میں نے اسے نہیں دیکھا لیکن اگر وہ بہت اچھے خاندان سے تعلق رکھتا ہے اور اس کا مستقبل بھی بہت روشن ہے تو فہیدہ کو اپنے مستقبل کا فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے۔"

نسرین کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے کہا۔ "بھائی جان میں بتاؤں آپ کو وہ کیسا ہے؟ اُس کی ایک آنکھ ذرا اوپر اور ایک ذرا نیچے ہے۔ ناک لمبوتری ہے۔ بالکل لنگور کی طرح۔ گردن لمبی اور صراحی دار ہے، ایسی جیسی اُونٹ کی ہوتی ہے۔"

یوسف نے کہا۔ "نسرین اپنے چچا کے دوست کے متعلق ایسی باتیں نہیں کہتے۔"

"بھائی جان میں جھوٹی بات نہیں کہوں گی۔ اگرچہ وہ بہت کالا ہے۔ تاہم میں سانولہ کہہ سکتی ہوں۔ یہ کیمرے سے تصویر اتارنے والے بڑے بے ایمان ہوتے ہیں۔ اور یورپ والے تو اس فن میں ہم سے بہت آگے ہیں۔ وہ تو ضرورت پوری کرنے کے لئے حبشیوں کو بھی انگریز بنا لیتے ہوں گے۔ میں نے ایک بڑا مہذب سا خط لکھا تھا کہ چچا جان انگلستان میں بھی کوئی ایسے گرم علاقے ہیں۔ جہاں کے لوگ آپ کے دوست کی طرح کالے ہوتے ہیں۔ میرے سوال کا جواب بھی انہوں نے بڑے پیار سے دیا ہے وہ یہ ہے۔ "بھئی کمال الدین صاحب کا رنگ ذرا کھلتا ہوا سانولہ ہے"۔ ابو امی کی طرف سے جو خطوط چچا جان کو گئے ہیں۔ اور جو خط چچا عبدالعزیز اور چچی بلقیس لکھیں گی۔ ان کے پیش نظر یہ اُمید کی جاتی ہے کہ چچا جان انہیں کراچی پہنچنے کے بعد جالندھر کا رخ کرنے کا

مشورہ نہیں دیں گے۔ لیکن اگر وہ آ ہی گیا۔ تو آپ دیکھیں گے کہ میں اسے حیدر آباد پہنچائے بغیر دم نہیں لوں گی ——— بھائی جان! میں نے اس کے اتنے کارٹون بنائے ہوئے ہیں کہ ہر روز اگر میں ایک کارٹون دروازے کے ساتھ چسپاں کیا کروں تو بھی دو مہینے گزر جائیں گے۔"

ظہیر نے کہا۔ "آپا جان! وہ کارٹون چچی بلقیس کو دکھائیں گے۔ میں نے انہیں بتا تھا تو وہ بہت خوش ہوئی تھیں۔"

صفیہ نے کہا۔ "بھئی اب رات کافی ہو گئی ہے۔ اب تم سو جاؤ۔ ہم نے صبح مہمانوں کے استقبال کی تیاری کرنی ہے۔ نسرین بیٹی! تم اپنے بھائی کو ان کے کمرے میں پہنچا دو۔"

یوسف بستر پر لیٹتے ہی گہری نیند سو گیا۔ صبح وہ تازہ دم ہو کر نماز کے لئے اٹھا۔ جب وہ صحن کے نل پر وضو کر رہا تھا تو فہمیدہ اس کے قریب سے گزرتی ہوئی رک گئی۔ اور قدرے توقف کے بعد بولی۔ "یوسف صاحب آپ نے یہ کیوں کہا تھا۔ کہ مجھے اچھی طرح سوچ لینا چاہیئے؟"

یوسف نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "میں نے وجہ بھی بیان کر دی۔ لیکن اگر یہ وجہ آپ کو اچھی نہیں لگی، تو میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔"

"شکریہ۔ مجھے وہ بات قطعاً اچھی نہیں لگی تھی اور اب مجھے آپ کو یہ [illegible] ضرورت باقی نہیں رہنی چاہیئے۔ کہ مجھے وہ بات کیوں اچھی نہیں لگی تھی۔" فہمیدہ کچھ اور کہے بغیر آگے بڑھ گئی۔

یوسف نے نماز ادا کی۔ اور چھڑی ہاتھ میں لے کر سیر کے لئے نکل گیا۔ ایک طویل چکر لگانے کے بعد وہ احمد خان کی قیام گاہ پر پہنچا تو سورج طلوع ہو چکا تھا اور احمد خان

اور اس کا بیٹا خان محمد اس کا انتظار کر رہے تھے۔ خان محمد نے اسے برآمدے سے چند قدم دور ہی دیکھ لیا اور یہ کہہ کر باہر نکل آیا۔

"آہا! یوسف صاحب آ گئے ہیں۔"

یوسف نے آگے بڑھ کر احمد خان سے مصافحہ کیا۔ اور اس نے کہا۔

"بیٹا! ناشتہ منگوا لو۔" اور پھر وہ باتوں میں مصروف ہو گئے۔

یوسف نے کہا۔ "مجھے تھوڑی دیر تک پھر واپس جانا پڑے گا۔ اور شاید میں دوپہر کے کھانے پر نہ آ سکوں۔"

احمد خان نے کہا۔ "میرے بھائی ایسی باتیں کہتے ہوئے تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ میں خود بھی یہ چاہتا ہوں۔ کہ جب تک وہ لوگ یہاں ہیں۔ تم زیادہ سے زیادہ وقت ان کے پاس گزارا کرو۔ مجھے اس سے خوشی ہوگی۔"

"شکریہ خان صاحب، مجھے افسوس ہے کہ دو دن میں اور خان محمد صاحب بھی سیر پر نہیں جا سکے۔"

"بھائی یوسف! وہ تمہارا بھتیجا ہے۔ تم اگر اسے صاحب کہو گے تو وہ بگڑ جائے گا۔ انشاء اللہ صبح کے وقت میں بھی تمہارے ساتھ سیر کے لئے جایا کروں گا۔"

یوسف دیر تک خان محمد کی تعلیم کے بارے میں باتیں کرتا رہا۔ اٹھنے سے پہلے اس کی کتابیں منگوا کر دیکھیں۔ پھر یہ کہا:

"سیر کے دوران میں تم سے انگریزی زبان اور تاریخ کے متعلق باتیں کیا کروں گا۔ پھر ناشتہ کے بعد دو گھنٹے دوسرے مضامین پڑھایا کروں گا۔"

احمد خان نے کہا۔ "یوسف صاحب ہمارا بیٹا ذرا کمزور آدمی ہے۔ اسے علم سے اتنا نہ ڈرا دینا کہ یہ بھاگ جائے۔ اس لئے اسے شروع شروع میں ایک گھنٹہ دیا کریں اور اس کے بعد جب یہ محسوس کریں کہ یہ علم کا بوجھ اٹھانے کا عادی ہوتا جا رہا ہے تو

پڑھانے کا وقت بھی بڑھاتے جائیں۔"

پندرہ منٹ بعد یوسف واپس جا رہا تھا۔ جب وہ صفیہ کی قیام گاہ پر پہنچا تو وہ سب ناشتہ پر بیٹھے اس کا انتظار کر رہے تھے۔

صفیہ نے کہا: "بیٹا بہت دیر لگائی تم نے؟"

"خالہ جان، میں معذرت چاہتا ہوں۔ میں یہاں سے نکلتے وقت یہ کہنا بھول گیا تھا کہ میں ذرا دیر سے آؤں گا۔ سیر کے بعد میں احمد خان صاحب کی طرف چلا گیا تھا"

"اچھا بیٹا کوئی بات نہیں، اب ناشتہ شروع کر دیں، نسرین! نوکر کو آواز دو کہ چائے لے آئے۔"

نسرین جلدی سے اٹھی اور نوکر کو چائے کا کہہ کر واپس اپنی جگہ آ بیٹھی۔

"بیٹا شروع کرو نا؟" صفیہ نے دوبارہ کہا۔

یوسف بولا: "خالہ جان اس کے لئے مجھے دوبارہ معذرت کرنی پڑے گی بات یہ ہے کہ خان صاحب نے مجھے دیکھتے ہی ناشتہ منگوا لیا تھا۔ اور میں وہاں معذرت نہ کر سکا۔"

نسرین بولی: "کوئی بات نہیں بھائی جان۔ خان صاحب کے پاس آپ نے ناشتہ کیا ہوگا نا: پراٹھا نہیں کھایا ہوگا۔ ایسا پراٹھا تو کبھی نہیں کھایا ہوگا۔ جیسا آپا فہمیدہ بناتی ہیں۔"

فہمیدہ نے اپنی مسکراہٹ چھپانے کے لئے سر جھکا لیا اور نسرین نے ڈھکنا اٹھا کر پراٹھوں کی پلیٹ پیش کرتے ہوئے اسے کہا۔

"بھائی جان ذرا چکھ کر دیکھئے۔"

یوسف نے ایک پراٹھا اٹھا کر اپنی پلیٹ میں رکھ لیا اور ایک لقمہ کھانے کے بعد کہا۔ "نسرین تم غلط نہیں کہتی تھیں۔"

"بھائی جان آپا جان کے متعلق میں کبھی غلط نہیں کہا کرتی۔ آپا جان کے پراٹھوں کی خوبی یہ ہے کہ ایک لقمہ منہ میں ڈالنے والا پورا پراٹھا کھانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔"

یوسف نے کہا: "نہیں بھئی تمہیں یہ کہنا چاہیئے کہ اگر ایک لقمہ کھانے والے کا پیٹ پہلے ہی بھرا ہو، تو بھی آدھا پراٹھا کھانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔"

"چلئے بھائی جان یوں بھی ٹھیک ہے۔ لیکن اگر آدھا کھانے کے بعد آپ کا باقی آدھا کھانے کو بھی جی چاہے تو آپ کو جھجک محسوس نہیں کرنی چاہیئے۔"

یوسف نے چند منٹ بعد چائے کا گھونٹ پیتے ہوئے کہا۔ "نسرین بھئی تم یہ بتانا بھول گئی ہو کہ تمہاری باجی کے ہاتھ کے بنائے ہوئے پراٹھے کھانے سے فوراً نیند آ جاتی ہے۔"

صفیہ نے پوچھا۔ "بیٹا طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟ کچھ تھکے تھکے سے معلوم ہوتے ہو۔"

"خالہ جان میں نے بڑی لمبی سیر کی تھی۔ لیکن نیند آنے کی وجہ تھکاوٹ نہیں۔ بات یہ ہے کہ مجھے بہت عرصے سے نیند کم آتی ہے۔ رات مجھے بہت نیند آنی چاہیئے تھی، لیکن آپ سے ملنے کی خوشی اس قدر زیادہ تھی کہ میں سو نہ سکا — مجھے وہ باتیں یاد آتی رہیں، جنہیں میں اپنے خیال کے مطابق بھول چکا تھا۔ اور اب میں لیٹتے ہی سو جاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے بیٹا۔ اپنے کمرے میں جا کر سو جاؤ۔ نسرین اس بات کا خیال رکھے گی۔ کہ کوئی تمہاری نیند میں مخل نہ ہو۔ امید ہے کہ دوپہر کے کھانے کے وقت بلقیس بھی یہاں پہنچ جائے گی۔"

"خالہ جان وہ جس وقت آئیں مجھے جگا دیجئے گا۔"

"بیٹا تم فکر نہ کرو۔ وہ تمہیں دیکھ کر اتنا شور مچائے گی کہ تم خود ہی جاگ جاؤ گے۔"

یوسف اپنے بستر پر جا کر لیٹ گیا۔ اور چند منٹ بعد وہ گہری نیند سو رہا تھا۔ وہ ایک دلکش خواب دیکھنے کے بعد کروٹ بدلتا۔ تو دوسرا خواب شروع ہو جاتا۔ بالآخر اسے نیم خوابی کی حالت میں چند آوازیں سنائی دیں۔ اور کسی نے "میرا بیٹا!" کہہ کر اس کی پیشانی پر اپنے ہونٹ رکھ دیئے۔

"امی جان" اس نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اور یکایک اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔

"میں بلقیس ہوں بیٹا" اس پر جھکی ہوئی خاتون نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا۔

"لیکن اگر تم اپنے دل پر بوجھ محسوس نہ کرو۔ تو مجھے امی جان کہہ سکتے ہو۔"

"شکریہ امی جان۔ اگر آپ اجازت دیں، تو میں ہمیشہ آپ کو امی جان کہا کروں۔"

"یوسف تمہارا مطلب ہے کہ میں یہ سمجھ لوں کہ تمہاری ساری ناراضگی دور ہو چکی ہے۔ تم مجھ سے خفا نہیں ہو؟ میں نے تمہیں بے عزت کر کے گھر سے نکالا تھا۔"

"امی جان میں آپ سے قطعاً خفا نہیں تھا۔ آپ کو اس وقت بھی ایک ماں کے حقوق حاصل تھے۔"

بلقیس نے صفیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"دیکھا بہن صفیہ میں بلا وجہ دیوانی نہیں ہو رہی تھی۔ اب جلدی سے کھانا رکھواؤ میرے بیٹے کو بھوک لگ رہی ہو گی۔"

نسرین بولی۔ "چچی جان آپ کے بیٹے کی بھوک کا ہم سب کو خیال ہے آپ دسترخوان بچھائیے۔ کھانا ابھی پہنچ جاتے گا۔ بھائی جان نے شاید نہانا ہو۔"

"ہاں بیٹا جلدی سے نہا لو۔"

"امی جان میں دس منٹ میں آتا ہوں۔"

"بیٹا پندرہ منٹ سے پہلے آجانا۔ میں تمہیں اچھی اچھی باتیں بتانے کو بے تاب ہوں۔"

"جی میں دس منٹ میں آجاؤں گا۔"

یوسف اٹھ کر چلا گیا۔ اور بلقیس نے صفیہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا:

"صفیہ بہن، یہ بڑا مبارک دن ہے۔ تمہیں میں ایسی باتیں بتاؤں گی۔ کہ تمہیں یقین نہیں آئے گا۔ کہتے ہیں کہ نیک لوگوں کی دعاؤں میں بڑا اثر ہوتا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ موت سے پہلے یوسف کی والدہ کیا دعائیں مانگا کرتی تھیں اور میں یہ بھی سمجھ سکتی ہوں کہ یوسف جس کو نیکی اور پاکیزگی اپنی ماں سے ملی ہے۔ کیا دعائیں کرتا ہو گا۔ اور اس کی دعاؤں میں کتنا اثر ہو گا۔ جب ایسے لوگوں کی دعائیں قبول ہونے کا وقت آتا ہے تو چاروں اطراف سے ایسے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں۔ جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتے ـــــ صفیہ انشاءاللہ کل تک تمہاری تمام الجھنیں دور ہو جائیں گی۔ شکر ہے کہ دوپہرہ دن میں بھائی جان کسی مصروفیت کے باعث مجھے نہیں مل سکے۔ ورنہ اُن کے ساتھ شاید کچھ تلخ باتیں ہوتیں۔ ان کی بیگم نے اس چوہنج کی کچھ طرف داری کی تھی۔ لیکن جب میں نے دو تین سنائیں۔ تو وہ خاموش ہو گئی۔"

"ارے وہ چوہنج کون ہے؟ جس کی انہوں نے طرف داری کی تھی؟"

نسرین بولی۔ "امی جان میں سمجھ گئی ہوں۔ وہ چوہنج کمال الدین ہو گا۔ اور کون ہو سکتا ہے ـــــ چلیے اب دسترخوان پر بیٹھئے، بھائی جان آرہے ہیں۔"

چند منٹ بعد وہ اطمینان سے کھانا کھا رہے تھے۔ بلقیس کچھ دیر پیار سے یوسف کی طرف دیکھتی رہی پھر اس نے کہا ـــــ:

"بیٹے یوسف ابھی تک مجھے اطمینان نہیں ہوا۔ اگر تم فہمیدہ کی موجودگی میں یہ کہو۔ کہ میری طرف سے جو بد سلوکی ہوئی تھی۔ اس کا تمہارے دل میں واقعی کوئی رنج نہیں۔

اور فہمیدہ یہ کہے کہ اسے تمہاری بات پر یقین آگیا ہے۔ تو مجھے اطمینان ہو جائے گا۔"

فہمیدہ بولی "چچی جان ان کے جواب کے بغیر آپ کو یہ اطمینان دلا سکتی ہوں کہ یوسف صاحب آپ سے قطعاً ناراض نہیں تھے۔ آپ نے ان کی پریشانیوں میں کچھ اضافہ ضرور کیا تھا۔ اور اس کے لئے بھی وہ اپنے آپ کو قصوروار سمجھتے ہیں۔"

یوسف نے کہا۔ "چچی جان مائیں اپنے بچوں کے چہرے پر نگاہ ڈالتے ہی ان کے دل کے حالات سمجھ لیا کرتی ہیں۔ اور میں آپ کے ساتھ اس اعتماد کے ساتھ بات کر رہا ہوں کہ آپ مجھے ایک سعادت مند بیٹا سمجھتی ہیں۔"

بلقیس کی آنکھوں میں اچانک آنسو امڈ آئے اور بولی "اللہ تمہیں بڑی عمر دے اللہ تمہیں بے شمار خوشیاں دے اور میں تمہاری بہت سی خوشیوں میں حصہ لوں۔"

نسرین بولی۔ "ہم سب چچی جان۔"

بلقیس جلدی سے آنسو پونچھ کر ہنس پڑی۔ اور بولی: "ہاں بیٹی مجھے معلوم ہے ہم سب اس کے لئے یہی دعا کرتے ہیں۔"

"لیکن چچی جان آپ کی آنکھوں میں آنسو کیوں آگئے تھے؟"

"بیٹی وہ تشکر کے آنسو تھے۔ تمہیں یاد ہے کہ فہمیدہ نے یوسف کی طرف تمہارے ایک خط میں اپنی طرف سے لکھا تھا کہ "وہ لوگ کتنے خوش قسمت ہوتے ہیں جو دوسروں میں خوشیاں تقسیم کرتے ہیں۔" اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ میرا یہ بیٹا اس دنیا میں خوشیاں تقسیم کرنے آیا ہے۔ اور میں بھی اسے خوش کرنے کے لئے چند باتیں سنانا چاہتی ہوں پہلی بات تو یہ ہے کہ جو لوگ اس کے قریب آتے ہیں ان کی دنیا بدل جاتی ہے۔ جن لوگوں نے امینہ کو دیکھا ہے۔ وہ کبھی یہ یقین نہیں کریں گے۔ کہ وہ اچانک کسی دن اتنی معاملہ فہم، ہمدرد اور مدبر بن جائے گی کہ میں اس کی باتیں سن کر سکتے میں آجاؤں گی۔ جب یوسف لاپتہ ہو گیا تھا۔ تو میں تڑپا کرتی تھی۔ بہت رویا کرتی تھی۔ بہت دعائیں کرتی تھی۔ مجھے

رات کو نیند نہیں آتی تھی۔ پھر جب ہماری ملاقات ہوئی تو اس نے کہا۔ "چچی جان میں دو تین دن سے ٹیلی فون کرنے کا سوچ رہی تھی۔ اب خدا کا شکر ہے کہ آپ میری بات سنتے ہی یہاں تشریف لے آئیں۔ یوسف صاحب کے متعلق آپ کو کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے اور میرا اندازہ تھا۔ کہ اس بات کا ان پر بہت زیادہ اثر ہوا تھا۔" میں نے فوراً پوچھا تھا کہ "بیٹی خدا کے لئے مجھے بتاؤ کہ وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے؟" وہ بولی۔ "چچی جان میں نے یہ محسوس کیا تھا۔ کہ انہیں آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔ انہوں نے اچانک اپنی زندگی کے سارے پروگرام بدل دیئے ہیں اور اب فوج میں کمیشن لینے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ میرے والدین کے طرز عمل اور شاید میرے طرز عمل سے بھی بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہو گئی تھی کہ وہ مجھ سے منگنی کرانے پر خوش ہیں۔ یا ان کے نزدیک میری کوئی اہمیت ہے — چچی جان وہ لاہور سے کہیں جانے سے پہلے مجھے ملے تھے۔ اور صاف لفظوں میں کہہ گئے تھے کہ تمہیں میرے متعلق کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں رہنا چاہیئے انہوں نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ وہ کون خوش قسمت ہے جسے وہ اپنے دل کی ملکہ بنا چکے ہیں۔ لیکن میں سمجھ گئی تھی کہ وہ کون ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا تھا کہ وہ فوج میں شامل ہوتے ہی کہیں باہر چلے جائیں گے اور کافی عرصہ واپس نہیں آئیں گے۔ اس بات سے مجھے بڑا صدمہ ہوا تھا۔ امینہ جانے سے پہلے اپنے پرس سے وہ انگوٹھی نکال کر مجھے دے گئی تھی۔ جو یوسف کے والد نے اسے دعوت کے موقع پر پہنائی تھی۔ لیکن یوسف کی عدم موجودگی میں اس کے والدین نے وہ انگوٹھی یہ کہہ کر اپنے پاس رکھ لی تھی کہ جب یوسف بذات خود موجود ہو گا۔ تو ہماری بیٹی خوشی سے یہ انگوٹھی پہن لے گی۔ اتنی دیر یہ ہمارے پاس یوسف کی امانت رہے گی۔ میں نے پہلے تو وہ انگوٹھی اپنے پاس رکھنے سے انکار کر دیا تھا۔ لیکن جب اس نے یہ کہا۔ "چچی جان یہ انگوٹھی اس خوش نصیب کی ہے۔ جو یوسف بھائی کی دلہن بننے والی ہے۔ کیونکہ آپ اسے بہت پیار کرتی ہیں اس لئے

آپ کو یہ انگوٹھی اپنے پاس رکھنے پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیئے۔ آپ یہ کہہ سکتی ہیں کہ یوسف بھائی کی طرف سے یہ انگوٹھی اس کی ایک بہن دے گئی تھی۔" مجھے کتنا افسوس تھا کہ میں نے اسے کبھی پسند نہیں کیا تھا۔ لیکن یہ باتیں کرتے ہوئے وہ بہت بھولی اور بہت خوب صورت دکھائی دے رہی تھی اور میں نے اس کے لئے یہ دعا کی تھی۔ کہ اللہ اسے ایسا رفیقِ حیات عطا کرے جو یوسف جیسا ہو ــــ بعض دعائیں بہت جلد قبول ہوتی ہیں۔ صفیہ بہن جب آپ کا فون آیا تھا۔ تو میں نے سب سے پہلے امینہ کو اطلاع دی تھی اور وہ بہت خوش تھی۔ اگلی صبح جب میں گاڑی پر سوار ہو چکی تھی اور گاڑی چلنے میں صرف چند منٹ باقی تھے۔ تو یوسف کا دوست منظور بھاگتا ہوا میرے ڈبے میں داخل ہوا۔ وہ بھی بہت خوش تھا۔ اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "چچی جان آپ مجھے مسوری میں اپنا ایڈریس اور ٹیلی فون نمبر لکھوا دیں۔ پھر انشاءاللہ امینہ بہت جلد آپ کو ایک خوش خبری سنائے گی۔ علی الصبح میں اور امینہ یوسف صاحب کے والد سے ملے تھے وہ مسجد سے نماز پڑھ کر نکل ہی رہے تھے کہ ہم موٹر سے اُتر کر ان کے ساتھ ہو لئے تھے اور انہیں یہ بتا کر بڑی دعائیں لیں کہ یوسف زندہ اور سلامت ہے۔ پھر یہ بات امینہ نے شروع کی۔ "چچا جان آپ یوسف صاحب کی مرضی کے بغیر اُن کی شادی کیوں کرنا چاہتے ہیں؟"

انہوں نے پہلے تو یہ جواب دیا۔ کہ "مجھے تمہاری اور تمہارے والدین کی عزت کا خیال تھا۔" امینہ فوراً بولی۔ "آپ میرے بزرگ ہیں۔ لیکن یہ میں کبھی نہیں سمجھ سکوں گی۔ کہ آپ کو یوسف جیسے بیٹے کی خوشی سے زیادہ اور کوئی چیز عزیز ہو سکتی ہے۔" میاں صاحب سنائے میں آ گئے اور کہنے لگے۔ "بیٹی تمہارے خیال میں مجھے یوسف کی خوشی کی خاطر اس بات کی بھی پروا نہیں کرنی چاہیئے کہ اس نے امینہ جیسی معصوم لڑکی کا دل دکھایا ہے۔"

امینہ نے جواب دیا۔ "چچا جان معصوم لڑکی یہاں موجود ہے اور یہ کہتی ہے۔ یوسف بھائی

نے کسی کا دل نہیں دکھایا۔"

عبدالرحیم کچھ کہنے کی بجائے حیرت سے امینہ کی طرف دیکھتا رہا ــــ ہم نے ان سے اجازت لی اور فوراً اسٹیشن پہنچے۔ تو بابا اتنی لمبی گاڑی اور اسٹیشن پر اتنی بھیڑ تھی کہ ہم نے بڑی مشکل سے آپ کو تلاش کیا۔" اتنی دیر میں امینہ بھی ہانپتی ہوئی ڈبے میں داخل ہوئی۔ میں اٹھ کر اسے گلے ملی اور بولی۔ "بیٹی تم منظور صاحب کے ساتھ آئی ہو؟"

"جی چچی جان ہم وقت پر پہنچنا چاہتے تھے، لیکن یوسف صاحب کے والد صاحب ناشتہ کھلانے پر مُصر تھے۔ پھر اُن کی باتیں بہت لمبی ہو گئی تھیں۔ ہم بھاگم بھاگ اسٹیشن پہنچے تو معلوم ہوا کہ گاڑی چلنے والی ہے۔ میں نے منظور صاحب کو کار سے اُتار کر پلیٹ فارم کی طرف بھگا دیا اور مجھے کسی موزوں جگہ گاڑی کھڑی کرنے میں دیر لگ گئی۔"

میں نے کہا۔ "شکر ہے بیٹی کہ میں نے تمہیں دیکھ لیا۔ تم اُس وقت آئی ہو۔ جب منظور صاحب یوسف کے والد کی کسی بات کے جواب میں تمہارا کوئی دلچسپ جواب سنانے والے تھے۔"

منظور نے کہا۔ "چچی جان اب گاڑی چلنے والی ہے۔ چلتے میں ہی فقرہ مکمل کر دیتا ہوں۔ انہوں نے یہ جواب دیا تھا کہ یوسف صاحب نے میرا دل قطعاً نہیں دکھایا اور میں سمجھتی ہوں کہ وہ کسی کا دل بھی نہیں دکھا سکتے۔ وہ بہت صاف گو ہیں اور میں ہمیشہ انہیں اپنا ایک بہت اچھا بھائی سمجھتی رہوں گی۔"

میں نے کہا۔ بیٹی امینہ میں تم سے بہت سی باتیں کرنا چاہتی تھی، لیکن اب گاڑی چلنے والی ہے۔ میں یہاں سے روانہ ہوتے وقت ایک بہت بڑا فیصلہ کر چکی ہوں تمہیں اپنے بھائی کی خوشی کے لئے میری کامیابی کی دُعا کرنی چاہیئے۔"

اس نے کہا۔ "چچی جان وہاں پہنچ کر مجھے ٹیلی فون پر بات ضرور کر لیجئے گا اور میں خود بھی آپ سے بات کرنے کی کوشش کروں گی۔ ممکن ہے۔ کہ اگر اچانک کوئی خوشی

کا موقع آیا تو میں آپ کو یہ خوش خبری دے سکوں کہ یوسف صاحب مجھے ابا جان میرے ابا جان اور شاید میں بھی ان کے ساتھ اچانک مسوری پہنچ جاؤں ——— منظور صاحب آپ ان کا ٹیلی فون نمبر اور مکان کا پتہ نوٹ کر لیجئے۔ منظور نے اپنی نوٹ بک نکالی اور میں نے اپنا پتہ اور ٹیلی فون نمبر نوٹ کروا دیا۔ اور پھر اتنی فرصت تھی کہ میں اس سے گلے ملی چوما رخصت کیا اور گاڑی چل پڑی۔ مجھے یہ دونوں منظور اور امینہ اس وقت فرشتے نظر آتے تھے۔ وہ فرشتے جن میں مجھے یوسف بیٹے کی جھلک دکھائی دیتی تھی۔"

نسرین نے کہا۔ "چچی جان میں سمجھتی تھی کہ وہ دیہاتی لڑکی بڑی چالاک ہے۔ لیکن یہ ساری ہوشیاری میرے بھائی کی ہے۔ جو اپنے بہترین دوست کو اس کی تربیت کے لئے چھوڑ آتے تھے۔"

یوسف نے کہا۔ "نہیں نسرین ایسا نہ کہو۔ وہ بہت اچھے لوگ ہیں۔"

بلقیس نے کہا۔ "صفیہ بہن جب میں گاڑی پر سوار ہو رہی تھی تو میرا فیصلہ یہ تھا کہ ہم کسی معاملے میں تاخیر نہیں کریں گے۔ میں اس چوبیج کا انتظار نہیں کروں گی۔"

نسرین نے کہا۔ "امی دیکھا۔ چچی جان کو میرا دیا ہوا نام کتنا پسند آیا ہے؟"

ماں نے کہا۔ "بیٹی تم چپ رہو۔ ہم ایک سنجیدہ بات کر رہے ہیں۔"

بلقیس نے کہا۔ "بہن یہ خیال مجھے رہ رہ کر پریشان کرتا تھا کہ مسوری یا دہرہ دون میں جب ہمارے خاندان کے لوگ جمع ہوں گے۔ تو یوسف کی طرف سے بات کون کرے گا۔"

یوسف نے کہا۔ "چچی جان آپ خواہ مخواہ پریشان ہو رہی تھیں۔ آپ یہ کہہ سکتی تھیں کہ یوسف میرا بیٹا ہے اور میں اس کی طرف سے بات کروں گی۔"

"ہاں بیٹا۔ آخری چارہ کار تو شاید یہی ہوتا، لیکن جب اللہ اپنے کمزور بندوں کی مدد کر رہا ہو۔ تو انہیں شکر گزار ہونا چاہیئے۔ اب میں امینہ کے ٹیلی فون کا انتظار کر رہی

ہوں۔ میں نے ٹیلی فون پر فہمیدہ کے چچا سے ان ناقابل یقین واقعات کا ذکر کیا تھا۔ تو وہ کوئی تعجب ظاہر کرنے کی بجائے ہنس پڑے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ یوسف کو سمجھنے میں دنیا کو ذرا دیر لگے گی۔ اگر وہ امینہ جیسی لڑکی کے ذہن میں بھی انقلاب نہ لا سکتا۔ تو مجھے تعجب ہوتا۔ میں نے ایک معمولی زمیندار گھرانے کا کوئی نوجوان ایسا نہیں دیکھا۔ جس کے لئے لوگ جان دینے کے لئے تیار ہوں۔ تم فوراً وہاں پہنچو۔ اگر کوئی رکاوٹ پیش نہ آئی تو میں بھی وہاں پہنچ جاؤں گا۔ تمہاری کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ اس کی زندگی کے خواب ادھورے نہ رہیں۔"

یوسف نے کہا۔ "چچی جان جن باتوں کو آپ ایک خواب سمجھتی ہیں وہ میرے نزدیک حقیقت ہیں۔ میں جس قدر غروب آفتاب کے بعد نئی صبح پر یقین رکھتا ہوں۔ اسی قدر اس بات پر یقین رکھتا ہوں۔ کہ میں جو کچھ لکھوں گا۔ وہ بہت پسند کیا جائے گا۔"

فہمیدہ بولی۔ "چچی جان انہوں نے فوج میں ملازمت کا ارادہ بدل دیا ہے۔"

"بیٹی۔ نہیں آتے ہی مجھے یہ خوش خبری سنانی چاہیئے تھی۔"

یوسف بولا۔ "امی جان! میں محسوس کرتا ہوں کہ ملازمت کا فیصلہ بدلنے سے مجھے کچھ عرصہ کانٹوں پر چلنا پڑے گا۔ لیکن اس کے باوجود میں بہت خوش ہوں۔ جس راستے پر چلنا میرا مقدر بن چکا ہے۔ مجھے اس کے کانٹوں پر بھی پیار آتے گا۔"

بلقیس بولی۔ "نہیں بیٹا جو لوگ صرف اللہ کے آگے ہاتھ پھیلانا جانتے ہیں۔ انہیں صرف اپنے راستے کے پھولوں کے متعلق ہی سوچنا چاہیئے۔"

کھانا ختم کرنے کے بعد انہوں نے ظہر کی نماز پڑھی۔ اور یوسف نے بلقیس سے کہا۔ "امی جان اگر آپ آرام کرنا چاہتی ہیں تو آپ اپنے کمرے میں جا کر لیٹ جائیں۔"

"نہیں بیٹا میں ٹیلی فون کا انتظار کر رہی ہوں۔"

"امی جان آپ سو جائیں۔ جب ٹیلی فون آتے گا تو میں آپ کو جگا دوں گا۔"

"نہیں بیٹا جب تک مجھے ہر بات کا اطمینان نہیں ہو جاتا مجھے نیند نہیں آئے گی میں چاہتی ہوں کہ وہ سب ہمارے دہرہ دون والے بھائی جان کے میدان میں آنے سے پہلے پہلے یہاں پہنچ جائیں۔ مجھے ڈر ہے کہ جمیل کی وجہ سے وہ اس حیدر آباد والی چوہنج کی حمایت میں ڈٹ جائیں گے اور بڑی بدمزگی پیدا ہو گی۔ ویسے یہ مجھے یقین ہے کہ میں انہیں چپ کرا سکوں گی۔ لیکن میرے میاں کی طرف سے بھی تو کوئی اطلاع نہیں آئی کہ وہ پہنچ رہے ہیں کہ نہیں۔"

"امی جان مجھے یقین ہے کہ امینہ کی ایک ہی ٹیلی فون کال سے آپ کو بہت سی اطلاعات مل جائیں گی۔"

"بیٹی امینہ میں خلوص تو بہت ہے، لیکن وہ اتنی ہوشیار تو نہیں ہو سکتی۔"

یوسف نے ہنستے ہوئے کہا۔ "امی مجھے یقین ہے کہ وہ اب تک ایسے معاملات میں جو میری ذات سے تعلق رکھتے ہیں منظور کے دماغ سے سوچنے لگ گئی ہو گی۔"

بلقیس کچھ کہنا چاہتی تھی کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ اور اُس نے اٹھ کر ریسیور اٹھا لیا۔ اور قدرے توقف کے بعد کہا۔ "وعلیکم السلام بیٹی۔ میں بالکل بخیریت ہوں اور بڑی بے چینی سے تمہارے ٹیلی فون کا انتظار کر رہی تھی۔ ــــ واقعی بیٹی" ــــ بلقیس نے یہ کہتے ہوئے یوسف کو ہاتھ سے اشارہ کیا اور پھر ریسیور پر بولی "بیٹی ذرا بلند آواز میں بات کرو تاکہ یوسف بھی تمہاری باتیں سن لے ــــ ہاں بیٹی یہیں ہے۔ اور میرے ساتھ ریسیور سے کان لگائے کھڑا ہے۔" امینہ کی آواز سنائی دی۔

"بھائی جان السلام علیکم! آپ کو بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ نے فضل کیا ہے اور تمام باتیں ٹھیک ہو گئی ہیں۔ آپ کے ابا جان ابھی کھانے سے اٹھ کر گئے ہیں۔ آپ سن رہے ہیں نا میری بات؟"

"ہاں میں سن رہا ہوں۔"

"تو پھر بھائی جان میری طرف سے مبارک باد قبول فرمائیے۔"

"امینہ میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ ہم اسی طرح ایک دوسرے کو مبارک باد کے پیغام بھیجتے رہیں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ آپ اپنی چچی جان سے بات کر رہی تھیں۔"

"بھائی جان اس وقت میرے ذہن میں چچی جان اور آپ کے لئے علیحدہ علیحدہ باتیں نہیں ہیں۔ میں یہ دیکھ چکی ہوں کہ آپ دونوں ایک دوسرے کے لئے کتنے مغموم تھے اور میری خواہش یہ ہے کہ میں مسوری پہنچ کر آپ سب کے قہقہے سنوں۔ آپ کے ساتھ نسرین اور اُن کی امی کے اور سب سے زیادہ بہن فہمیدہ کے۔ آپ انہیں میرا سلام کہہ دیں گے ناں؟"

"بھئی آپ سے بات ختم کرنے کے بعد ہم انہیں ٹیلی فون پر بلا دیں گے اور آپ ان سے جی بھر کر باتیں کر سکیں گی۔"

"تو چچی جان اور بھائی جان جو بات میں آپ کو بتانا چاہتی ہوں وہ یہ ہے کہ انشاء اللہ میرے والد، یوسف صاحب کے والد اور فہمیدہ بہن کے چچا جان آج شام کی گاڑی سے دہرہ دون کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ نسرین کے ابا جان سے بھی ہماری بات ہو چکی ہے وہ ان کے ساتھ جالندھر سے شامل ہو جائیں گے۔ وہ کہتے تھے کہ انہوں نے نسرین کی نانی کو بھی ٹیلی فون کر دیا ہے اور انشاء اللہ وہ بھی لدھیانہ سے دہرہ دون کی طرف چل پڑیں گی اور بھائی یوسف اگر آپ میرے ابا جی سے یہ کہہ دیں کہ آپ کی ایک بہن کا بھی آپ کی خوشیوں میں شریک ہونا ضروری ہے تو شاید میں بھی ان کے ساتھ پہنچ جاؤں۔"

"اچھا دو اپنے ابا جان کو ٹیلی فون۔"

"بھائی جان وہ دوسرے کمرے میں فہمیدہ کے چچا سے باتیں کر رہے ہیں۔ لیکن میں آپ کا پیغام پہنچا دوں گی اور اگر چچی جان بھی اجازت دیں۔ تو میں ان کی طرف سے بھی کہہ دوں کہ وہ بھی میرا مسوری پہنچنا بہت ضروری سمجھتی ہیں۔"

بلقیس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "ہاں بیٹی تم بھاگ کر ان سے کہو کہ یہ میری دلی خواہش ہے اور اگر انہیں یقین نہ آئے تو انہیں پکڑ کر ٹیلی فون پر لے آؤ۔"

"چچی جان انہیں یہاں لانے کی ضرورت نہیں۔ امی جان میری باتیں سن رہی ہیں۔"

بلقیس نے پوچھا۔ "بیٹی وہ مسوری کیوں نہیں آ رہیں؟"

"چچی جان ان کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ ویسے وہ بہت خوش ہیں ـــــ یوسف بھائی جان ایک اور مہمان بن بلائے آپ کے پاس پہنچ رہا ہے۔ وہ کھانا کھانے کے بعد آپ کے ابا جان کے ساتھ چلے گئے تھے۔"

یوسف نے جواب دیا۔ "اگر وہ مہمان منظور ہے تو اس کو میری طرف سے تاکید کیجئے کہ اس کا آنا بے حد ضروری ہے اور اسے یہ بھی کہہ دیجئے گا کہ ہم سب اس کے شکرگزار ہیں۔ انشاء اللہ میں دہرہ دون کے اسٹیشن پر موجود ہوں گا۔ اب آپ فہمیدہ سے بات کریں ـــــ نسرین اپنی آپا کو بلاؤ۔" فہمیدہ لجاتی شرماتی ٹیلی فون کے کمرے میں داخل ہوئی اور یوسف نے اس کے ہاتھ میں ریسیور دیتے ہوئے کہا۔ "آپ اطمینان سے باتیں کریں میں باہر نکل جاتا ہوں۔"

فہمیدہ نے ریسیور اٹھا کر اطمینان سے کرسی پر بیٹھتے ہوئے دھیمی آواز میں وعلیکم السلام! کے بعد کہا: "شکریہ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ سے مل کر مجھے بھی بڑی خوشی ہو گی۔ گھر میں سب آپ کا بے چینی سے انتظار کریں گے ـــــ نہیں نہیں امینہ بہن یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ آ رہی ہیں ـــــ میں بھی آپ سے بہت سی باتیں کرنا چاہتی ہوں ـــــ اچھا خدا حافظ میں سب کو آپ کا سلام کہہ دوں گی۔"

عصر کی نماز کے بعد یوسف دیر تک سجدے میں پڑا رہا۔ فہمیدہ جھجکتی ہوئی اس کے کمرے میں داخل ہوئی۔ اور کچھ دیر خاموش کھڑی رہی۔ یوسف نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور اپنی آنسوؤں سے بھیگی ہوئی آنکھیں آستین سے پونچھتے ہوئے بولا:

"فہمیدہ میں ایسا محسوس کر رہا تھا۔ کہ میں دوبارہ زندہ ہوا ہوں۔"

فہمیدہ نے سر جھکا کر جواب دیا۔ "جی ہم دونوں دوبارہ زندہ ہوئے ہیں۔ اور یہی حالت چچی جان کی ہے۔ وہ بھی نماز کے بعد سجدے میں سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھیں۔ لیکن آج کے بعد میں آپ کی آنکھوں میں آنسو دیکھنا پسند نہیں کروں گی۔ میرا خیال ہے کہ اب ہم سب کو سیر کرنی چاہیئے۔ چچی جان کا بھی یہی خیال ہے اور امی جان کا بھی۔ ظہیر اور نسرین تو آپ کو دو مرتبہ دیکھ بھی گئے ہیں۔ چچی جان کے رونے کا تو نسرین پر کوئی اثر نہیں ہوا لیکن آپ کو سجدے میں سسکیاں لیتے ہوئے دیکھ کر وہ پھوٹ پڑی تھی اور مجھ سے بار بار یہ کہہ رہی تھی کہ آپا جان آپ خدا کے لئے جا کر دیکھیئے۔ کہ آپ کو کیا ہوا ہے۔ وہ کسی پر آپ کے سوا اپنی تکلیف ظاہر نہیں کریں گے۔ میں نے اسے کہا تھا کہ میری بہن کوئی بات نہیں ہوئی۔ کبھی کبھی اللہ کا کام دیکھ کر لوگ رونے بھی لگ جاتے ہیں۔"

نسرین کمرے میں داخل ہوئی۔ "بھائی جان اب سب رونے دھونے سے فارغ ہو گئے ہیں اس لئے امی جان اور چچی جان کا خیال ہے کہ اب ہمیں تھوڑی دیر باہر گھوم آنا چاہیئے۔"

یوسف نے بیٹھے بیٹھے کہا۔ "نسرین آگے آؤ۔"

نسرین آگے بڑھی اور یوسف نے اس کا سر پکڑ کر اپنی طرف جھکاتے ہوئے کان میں آہستہ سے کہا۔

"میری ننھی بہن کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ آج سے میرے سارے اٹھنے بیٹھنے اور سیر کرنے کے پروگرام اس کی آپا کی خواہش کے مطابق بنا کریں گے۔"

"بھائی جان وہ یہی تو کہنے آئی تھیں کہ ہمیں سیر کے لئے جانا چاہیئے۔ پتہ نہیں یہاں کن باتوں میں مصروف ہو گئیں۔ خدا کی قسم بھائی جان۔ میں تو ان کے چہرے سے پڑھ لیا کرتی ہوں کہ وہ کیا چاہتی ہیں ـــــ کیوں آپا جان آپ سیر کے لئے جانا چاہتی ہیں نا؟"

فہمیدہ نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اور وہ چند منٹ بعد اسی سڑک پر سیر کر رہے تھے۔ جہاں دھند کے بادلوں میں نسرین نے اسے دیکھا تھا۔ عشاء کے قریب وہ سیر سے واپس آئے تو یوسف نے صفیہ سے کہا:

"خالہ جان اگر اجازت ہو تو میں چند منٹ کے لئے احمد خان صاحب سے مل آؤں۔"

صفیہ نے کہا۔ "بیٹا کھانا کھا کر چلے جانا۔"

"نہیں خالہ جان میرا خیال ہے کہ کھانا کھانے اور نماز پڑھنے کے بعد جاتے جاتے مجھے دیر ہو جائے گی اور خان صاحب اتنی دیر میں سو چکے ہوں گے۔ اب میرے پاس جلدی آنے کا معقول بہانہ ہو گا کہ کھانے پر میرا انتظار ہو رہا ہے۔"

صفیہ بولی۔ "اچھا بیٹا جاؤ۔ خان صاحب کو مناسب الفاظ میں یہ کہہ دینا کہ شاید کل یا پرسوں انہیں اور ان کے بیٹے کو ہماری کسی دعوت میں آنا پڑے گا۔ اس لئے وہ کہیں باہر نہ جائیں۔"

"بہت اچھا خالہ جان —— چچی جان اب میں آپ سے ایک مشورہ لینا چاہتا ہوں اگر خان صاحب کسی دعوت میں ہم سب کا میزبان بننے پر ضد کریں تو مجھے کیا کرنا چاہیئے۔"

"بیٹا تم انہیں کہہ سکتے ہو کہ انہیں ضد کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم حاضر ہو جائیں گے۔ ویسے کل مہمان آ رہے ہیں۔ یہ بہتر ہو گا کہ تم خان صاحب اور ان کے بیٹے کو کل رات کے کھانے پر بلا لو۔ وہ سب انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوں گے۔"

نصف گھنٹہ بعد یوسف، احمد خان سے باتیں کر رہا تھا۔ احمد خان نے اطمینان سے اس کی سرگزشت سننے کے بعد کہا:

"بھائی یوسف میں بہت خوش ہوں۔ میں شکرانے کے نفل بھی پڑھوں گا اور خیرات بھی کروں گا۔ مجھے جب کوئی بڑا مسئلہ پیش آتا ہے تو میں اپنی الجھن دور ہونے پر شکرانے کے نفل پڑھنے کا عہد کیا کرتا ہوں۔ کبھی دس، کبھی بیس، کبھی پچاس اور کبھی سو نفل بھی پڑھ

لیا کرتا ہوں۔ اب اگر تمہارے والد کی آمد پر تمہارا مسئلہ ٹھیک ہو گیا تو میں پچاس نفل پڑھوں گا"

یوسف نے مسکراتے ہوئے کہا:

"خانصاحب مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پرسوں تک آپ کو یہ نفل پڑھنے پڑیں گے میں نے اگرچہ کوئی عہد نہیں کیا تھا۔ لیکن میں نے پرسوں شام اللہ کے ابرِ کرم کا پہلا چھینٹا دیکھا تھا اور اس کے بعد مجھے ہر نماز کے بعد چند نفل پڑھنے شروع کر دینے چاہئیں تھے آج عشاء کی نماز کے ساتھ یہ سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ جب میں آپ کو پورے اطمینان کے ساتھ اپنی پوری سرگزشت سناؤں گا۔ تو اللہ کی رحمت پر آپ کا ایمان زیادہ پختہ ہو جائے گا۔ کبھی کبھی اس کی رحمت سے ایسی باتیں ہو جاتی ہیں۔ جو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتیں۔ خان صاحب میں پرسوں سے خواب اور اس کی تعبیر ساتھ ساتھ دیکھ رہا ہوں —— ایک اہم پیغام جو میں آپ کو اس وقت دینا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ کل رات کا کھانا آپ اور خان محمد ان کے ہاں کھائیں گے۔ اس کے بعد شاید آپ کو بہت جلد ایک بڑی دعوت میں شریک ہونا پڑے گا۔"

"بیٹا خان محمد، تم بھاگ کر جاؤ اگر اس درزی کی دکان کھلی ہے تو اسے کہو کہ ناپ لینے کے لئے جلدی سے یہاں آ جائے۔"

خان محمد جلدی سے باہر نکل گیا تو یوسف نے پوچھا:

"خان صاحب اس وقت درزی کی ضرورت کیوں پڑ گئی؟"

احمد خان نے جواب دیا۔ "میرے بھائی خوشی کے موقعوں پر اچھے لباس کی ضرورت پڑا کرتی ہے نا؟ یہ ساری باتیں میرے لئے غیر متوقع نہیں۔ مجھے یقین تھا کہ اگر وہ لوگ تمہیں پسند کرتے ہیں۔ تو وہ تمہیں سات سمندر پار سے بھی ڈھونڈ لائیں گے۔"

"خان صاحب میں نے آپ کو یہ نہیں بتایا۔ کہ اگر پرسوں اچانک ہماری ملاقات نہ ہو جاتی۔ تو اس بات کا خدشہ تھا۔ کہ چند ہفتے یا دو تین مہینے بعد ہمارے درمیان ناقابلِ

عبور دریا حائل ہو جاتے"۔

"ارے بھئی ساری بات سناؤ۔ میں پریشان ہو گیا ہوں"۔

"خان صاحب! بات یہ تھی کہ اُن کا چھوٹا بھائی جو ایم۔ بی۔ بی۔ ایس کر کے اعلیٰ تعلیم کے لئے ولایت گیا ہوا تھا۔ واپس آ رہا ہے"۔

"تو کیا وہ تمہارا مخالف ہے؟"

"نہیں خان صاحب وہ اپنے ساتھ ایک اور اُمیدوار کو جو وہاں اس کے ساتھ تعلیم پاتا تھا۔ لا رہا ہے۔ اور اس نے اپنے بھائیوں کو خطوط بھی لکھ دیئے تھے۔ میں اس سین سے ویسے ہی غائب ہو چکا تھا۔ اس لئے یہ معاملہ الٹ پلٹ ہو سکتا تھا۔ ہمارے خاندانوں کے درمیان کوئی بات بھی تو نہیں ہوئی تھی نا۔ کچھ باتیں انہوں نے فرض کر رکھی تھیں۔ کچھ میں نے فرض کر رکھی تھیں"۔

"میرے بھائی یہ تو اتنی خوشی کی بات ہے کہ تمہیں سب سے پہلے یہ بات، مجھے بتانی چاہیئے تھی، لیکن اگر بُرا نہ مان جاؤ۔ تو میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں"۔

"نہیں خان صاحب آپ جیسے بھائی کی بات کو میں کیسے بُرا مان سکتا ہوں"۔

"بھئی میں یہ کہنا چاہتا تھا۔ کہ جس لڑکی نے آپ کو پسند کیا ہو۔ اس کے متعلق میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا۔ کہ وہ کسی اور کو خاطر میں لا سکتی ہے"۔

"خانصاحب یہ آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ اور اُن کے والدین بھی شاید کسی اور پر خوش نہ ہوتے۔ لیکن معصوم سی جان پر تمام رشتہ داروں کا یہ حملہ اتنا بڑا ہوتا کہ وہ آنسو بہانے کے سوا کچھ نہ کر سکتیں۔ اور میں بھی انہیں کسی آزمائش میں ڈالنا پسند نہ کرتا"۔

احمد خان نے ہنستے ہوئے کہا: "بھئی یہی تو تمہاری وہ بات ہے جو دوسروں کے دل موہ لیتی ہے"۔

خان محمد درزی کو لے کر آ گیا۔ اور احمد خان نے کہا:

"بھائی یوسف پہلے اٹھ کر آپ اپنا ناپ دیں۔ سوٹ کا بھی، اچکن کا بھی اور شلوار قمیص کا بھی۔ اور اس بات پر کوئی بحث نہیں ہونی چاہیئے۔ میں تمہارے ساتھ ایک معاہدہ کرتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ جب تمہارے پاس فالتو پیسے ہوا کریں گے تو مجھے بھیج دیا کرنا میں آنکھیں بند کر کے لے لیا کروں گا اس وقت یہ سمجھو کہ یہ تمہاری ایڈوانس تنخواہ ہے لیکن حساب کتاب اس وقت ہو گا۔ جب تمہارے پاس کافی پیسے ہوں گے۔ ٹیلر ماسٹر صاحب سے میں نے شام کو ہی بات کر لی تھی ——— اچھا ماسٹر صاحب آپ اپنا کام کریں"۔

ٹیلر نے خان محمد کے ہاتھ میں اپنی کاپی دیتے ہوئے کہا: "صاحب آپ لکھتے جائیں"۔ اور پانچ منٹ میں یوسف کو ناپ لے کر فارغ کر دیا۔

احمد خان نے کہا۔ "اگر تمہارا کھانا اس طرف ہے۔ تو تم فوراً جاؤ۔ اور انہیں انتظار نہ کرواؤ ——— ایک بات اور نئے لباس کے ساتھ تمہیں نئے جوتوں کی ضرورت ہو گی۔ کل اگر وقت ملے تو آدھ گھنٹہ کے لئے ادھر آ جانا۔ میں خود تمہارے ساتھ جاؤں گا۔ کوئی نو بجے کے قریب ——— اور سنو، دہرہ دُون سے انہیں یہاں لانے کے لئے ضرورت ہو تو میں اپنے دوست کو فون کر کے دو ٹیکسیوں کا بندوبست کروا دوں"۔

یوسف نے جواب دیا۔ "جی آپ کو تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں انہیں اسٹیشن سے یہاں پہنچانا میجر صاحب کی ذمہ داری ہو گی"۔

مسرتیں اور مسکراہٹیں

گاڑی اسٹیشن پر رکی۔ یوسف ہجوم کو چیرتا ہوا آگے بڑھا۔ اور اپنے باپ سے لپٹ گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھیں نمناک ہو گئیں۔ پھر وہ نصیر، عبدالعزیز اور عبدالکریم کی طرف متوجہ ہوا اور مصافحہ کرنے کے بعد ان سے بغل گیر ہوا۔ آخر میں وہ منظور احمد کی طرف متوجہ ہوا۔ جو گاڑی سے سامان اتار رہا تھا۔ اور آگے بڑھ کر اس سے لپٹ گیا۔

اتنی دیر میں میجر بشیر اور ان کا بیٹا اور دوسرے مہمانوں کے قریب پہنچ چکے تھے۔

عبدالعزیز نے میجر صاحب سے میاں عبدالرحیم، یوسف، عبدالکریم اور منظور کا تعارف کروانے کے بعد یوسف سے کہا:

"بیٹا تمہاری دو مہمان خواتین کے ڈبے میں بیٹھی ہوئی ہیں۔ تم اطمینان سے انہیں اتار کر پلیٹ فارم سے باہر لے آؤ۔ ہم بھائی صاحب کے ساتھ چلتے ہیں۔ منظور صاحب! آپ سامان کے ساتھ آئیں"۔

یوسف تیز چلتا ہوا زنانہ ڈبے میں داخل ہوا۔ وہاں فریدہ احمد اور امینہ بیٹھی ہوئی تھیں۔ امینہ نے جلدی سے اٹھ کر کہا:

"بھائی جان السلام علیکم!"

وہ "وعلیکم السلام" کہہ کر آگے بڑھا اور بیگم احمد کے سامنے سر جھکا دیا۔ بیگم احمد نے دونوں ہاتھ اس کے سر پہ رکھتے ہوئے کہا: "بیٹا میں نے نسرین کے چچا کو کہہ دیا تھا کہ اگر

یوسف کو میں نے پلیٹ فارم پر نہ دیکھا تو یہیں سے واپس چلی جاؤں گی۔ میں شاید تم سے بات نہ کرتی۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ یہ نیک بچی میرے ساتھ تھی اور اس کی باتیں سن کر میرے سارے گلے دور ہو گئے تھے۔ پھر بھی مجھے اس بات کا رنج تھا کہ جب تمہیں کوئی تکلیف پیش آئی تھی۔ تو مجھے کیوں نہ لکھا"۔

"ماں جی مجھ پر جو چھوٹی سی آزمائش آئی تھی۔ اس سے نجات حاصل کرنے کے لئے مجھے دعاؤں کی ضرورت تھی۔ اور اس بات کا مجھے یقین تھا کہ آپ میرے لئے دعائیں ضرور کرتی ہوں گی۔ اور بہن امینہ کا بھی میں بہت شکر گذار ہوں۔ انہوں نے جو کچھ میرے لئے کیا ہے۔ اس کا شکریہ ادا کرنے کے لئے مجھے شاید موزوں الفاظ کبھی بھی نہ ملیں۔ اب آپ گاڑی سے اتریں۔ وہ سب ہمارا انتظار کر رہے ہیں ——— میں آپ کو سہارا دوں؟"

بیگم احمد نے اٹھ کر ہنستے ہوئے کہا: "بیٹا سہارے کی ضرورت بوڑھوں کو ہوتی ہے اور تم جیسے بیٹوں کی مائیں کبھی بوڑھی نہیں ہوتیں"۔

امینہ نے بیگم احمد کا چھوٹا سا بیگ اٹھا لیا۔ اور وہ گاڑی سے اتر پڑے۔ یوسف نے پوچھا: "باقی سامان کہاں ہے؟"

"وہ فضل دین پچھلے اسٹیشن سے اباجی کے ڈبے میں رکھوا آیا تھا"۔

"فضل دین بھی آپ کے ساتھ آیا ہے؟"

"جی ہاں۔ اس کی خوشی کے مارے یہ حالت تھی کہ اگر ہم اسے ساتھ نہ لاتے تو وہ پیدل ہی چل پڑتا۔ اس نے منظور صاحب سے اباجی کے پاس سفارش کروائی تھی"۔

"عجیب بات ہے کہ میں نے اسے دیکھا ہی نہیں"۔

"جی آپ نے اسے دیکھا ہو گا۔ لیکن نئے لباس میں اسے پہچان نہیں سکے ہوں گے منظور صاحب نے اسے اپنی فالتو ترکی ٹوپی دے دی تھی۔ اباجی کی ایک پرانی اچکن

بھی اسے فٹ آگئی تھی۔ جسے وہ مسوری کی ٹھنڈی ہواؤں میں پہننا چاہتا ہے۔"

دوپہر کے وقت: وہ مسوری میں عبدالعزیز، میجر بشیر کے بال بچوں کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے۔ میجر بشیر شام کے وقت بال بچوں کے ساتھ آنے کا وعدہ کر کے دہرہ دون جا چکے تھے۔ میاں عبدالرحیم، عبدالعزیز اور عبدالکریم کھانا کھاتے ہی لیٹ گئے بیگم احمد، صفیہ اور بلقیس کے ساتھ باتیں کرتے کرتے قالین پر لیٹ گئیں۔ صفیہ نے اٹھتے ہوئے بلقیس سے کہا۔

"بہن میں ذرا باہر جا کر شام کے انتظامات دیکھ آؤں۔"

بلقیس نے کہا۔ "بھئی میں آپ کے ساتھ چلتی ہوں ——— ارے وہ لڑکی کہاں غائب ہو گئی؟"

"کون آمنہ؟" صفیہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "میں نے اسے کھانا کھانے کے بعد نسرین کے ساتھ جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ میرا خیال ہے وہ اس وقت فہمیدہ کے پاس بیٹھی ہوئی ہوگی۔"

وہ کمرے سے باہر نکلیں۔ تو یوسف دکھائی دیا۔ بلقیس نے پوچھا۔ "بیٹا! تم کہاں چلے گئے تھے؟"

"جی میں مسجد میں نماز کے لئے گیا تھا۔"

"اچھا بیٹا! اب میں تمہیں دوبارہ مبارک باد دیتی ہوں۔ فہمیدہ کی نانی جان کا آنا ہمارے لئے بہت اچھا شگون تھا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ میجر صاحب ایک مرتبہ شور مچانے کی کوشش کریں گے، لیکن فہمیدہ کی نانی جان نے آتے ہی کوئی ایسی بات کہہ دی کہ انہیں کچھ کہنے کی جرأت ہی نہ ہوئی۔ پھر انہوں نے اپنے بھائیوں کے تیور بھی دیکھ لئے تھے۔ اب تم فوراً خان صاحب کے پاس جاؤ۔ وہاں نہا دھو کر لباس تبدیل

کرو۔ اور انہیں ساتھ لے کر یہاں پہنچو۔ ہمیں آج کا کام کل پر نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ دعوتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔"

یوسف متعجب سا ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اور بلقیس ہنستے ہوئے بولی:

"ارے میری طرف بیوقوفوں کی طرح کیا دیکھتے ہو۔ تمہارا نکاح ہونے والا ہے۔"

اور اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں سے آنسو امڈ آئے۔

صفیہ مسکراتی ہوئی باورچی خانے کی طرف نکل گئی۔ اور یوسف نے کہا۔ "چچی جان! کیا اتنی اہم خبر سنانے کے بعد آپ مجھے بیوقوفوں کی طرح دیکھنے کی بھی اجازت نہیں دیں گی۔ کبھی کبھی بچے بہت بڑا انعام پا کر ماؤں کی طرف اس طرح بھی تو دیکھا کرتے ہیں نا"

یوسف مسکرا رہا تھا۔ اور اس کی آنکھوں سے آنسو چھلک رہے تھے۔

نسرین بھاگتی ہوئی باہر آئی۔ اور اس نے ایک ہی نظر میں یوسف اور بلقیس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"پھر کوئی بات ہو گئی بھائی جان؟"

"کچھ نہیں نسرین! کبھی خوشی کے موقع پر تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں آئے؟"

نسرین بولی۔ "اس دن جب آپ اچانک مل گئے تھے۔ تو مجھے محسوس ہوتا تھا۔ کہ میں چیخ چیخ کر رونا شروع کر دوں گی، لیکن میں نے بڑی مشکل سے ضبط کیا تھا۔ اور جب آپ آپا فہمیدہ سے باتوں میں مصروف ہو گئے تھے۔ تو میں منہ پھیر کر آنسو بہا رہی تھی۔"

"بس یہی سمجھ لو کہ میری بھی آج یہی حالت ہے۔"

"اُف بھائی جان! وہ کہتی ہوں گی کہ باتونی لڑکی کہیں باتوں میں مصروف ہو گئی ہو گی۔ میں آپا آمنہ کے نوکر کو یہ کہنے آئی تھی کہ ان کا بکس اٹھا کر لے آئے۔ انہوں نے کچھ چیزیں نکالنی ہیں ———"

یوسف نے کہا۔ "تم جاؤ میں اُسے ابھی بھیج دیتا ہوں۔"

"لیکن بھائی آپ بھول نہ جائیں۔" نسرین یہ کہہ کر واپس چلی گئی اور یوسف بلقیس سے مخاطب ہوا۔

"چچی جان میں کچھ دیر اور بیوقوفوں کی طرح آپ کی طرف دیکھ سکتا ہوں؟"

"بیٹا جب اس کام سے فرصت ہوگی۔ تو میری یہ خواہش ہوگی کہ تم ہمیشہ میری آنکھوں کے سامنے رہو۔"

"تو پھر میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ جو کچھ آپ نے کہا ہے۔ کیا وہ سچ ہے۔ یا میں نے کوئی خواب دیکھا ہے؟"

"بیٹا! مجھے بھی یہ خواب محسوس ہوتا ہے۔ لیکن یہ سچ ہے۔ اب تم جاکر آرام کرو۔ اور پھر نہا دھو کر کپڑے بدل کر وقت پر آجانا۔ کہیں یہ نہ ہو کہ تم سوئے رہو اور ہم انتظار ہی کرتے رہیں۔"

یوسف نے کہا۔ "چچی جان! یہ آپ نے کیسے سوچ لیا کہ مجھے اب نیند بھی آسکتی ہے مجھے تو یہ خدشہ رہے گا۔ کہ پروگرام میں کوئی خلل نہ آجائے۔ اگر حکم دیں تو میں مولوی صاحب کو بھی ساتھ لیتا آؤں۔"

بلقیس ہنس پڑی۔ "بڑے شریر ہو تم۔ تمہارا خیال ہے کہ ہم نے یہ بات نہیں سوچی ہوگی ـــ اچھا یوں کرو۔ پہلے تم نوکر کو امینہ کا بکس دے کر اندر بھیج دو۔ پھر میں تم سے ایک بات کروں گی۔"

"بہت سی باتیں کریں چچی جان! مجھے آرام کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں ابھی نوکر کو بھیج کر آتا ہوں۔ وہ باہر چیڑ کے درخت کے نیچے ہمارے لئے کرسیاں بھی رکھ دے گا۔ آپ اتنی دیر میں خالہ صفیہ سے کہہ آئیں۔ کہ آپ اپنے بیٹے کے کان کھینچنا چاہتی ہیں۔"

"نہیں بیٹا ابھی تو میں صرف دو ایک منٹ ہی بات کروں گی۔ لمبی باتیں بعد میں ہوں گی۔"

ایک منٹ بعد فضل دین بکس اٹھا کر اندر داخل ہو رہا تھا۔ اور یوسف اور بلقیس پھر ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے۔ بلقیس کہہ رہی تھی: "بیٹا! تمہاری ماں سے میری دوستی کا زمانہ بہت مختصر تھا۔ لیکن مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا۔ کہ میں برسوں سے انہیں جانتی تھی اور دل سے انہیں پیار کرتی تھی۔ تمہیں معلوم ہے۔ کہ جب وہ آخری سانس لے رہی تھیں۔ تو میں اُن کے ساتھ تھی اور موت سے پہلے انہوں نے مجھ سے اپنے دل کی باتیں کہی تھیں۔ اور اُن کی جو بات مجھے بے حد پسند آئی تھی وہ یہ تھی۔ کہ وہ جس قدر تم سے پیار کرتی تھیں۔ اسی قدر فہمیدہ کو چاہتی تھیں۔ میں اس بات کی گواہ ہوں۔ کہ فہمیدہ کو دیکھنے سے پہلے بھی اس لڑکی کا ایک تصور ان کے دل و دماغ میں موجود تھا۔ اور وہ اسے اپنی بہو بنانے کے لئے سب کچھ قربان کر دیتیں۔ اور بیٹا یہی حال میرا ہے تم فہمیدہ کو صفیہ کی بیٹی نہیں بلکہ میرے جگر کا ٹکڑا سمجھو۔ اور میں تمہیں یہ بتانا چاہتی ہوں کہ تمہارا ہی تصور تھا۔ جو مجھے فہمیدہ کے لئے بے چین رکھتا تھا۔ میں تمہیں اس کا رفیقِ حیات بنانے کے لئے ساری دُنیا کے ساتھ جنگ کرنے کو تیار تھی۔ بیٹا اب میں تم سے ایک سوال پوچھتی ہوں اور یہ سمجھ کر اس بات کا جواب دو۔ کہ ہمارا خالق ہماری باتیں سُن رہا ہے اور وہ سوال یہ ہے۔ کہ تم فہمیدہ کو کتنا چاہتے ہو؟"

"چچی جان! اس سوال کا جواب تو فہمیدہ بہتر دے سکیں گی۔ لیکن میں آپ کو اس وقت یہ بتا سکتا ہوں کہ اگر یہ معجزہ نہ ہوتا۔ تو میں کبھی شادی نہ کرتا۔"

"بیٹا میری بے چینی کی وجہ یہی تھی۔ اب تم بھاگو اور مولوی کی فکر نہ کرو۔ اسٹیشن سے نکلتے ہوئے جو ڈی۔ ایس۔ پی صاحب تمہارے چچا کو ملے تھے۔ وہ ٹھیک چار بجے مولوی صاحب کو لے کر پہنچ جائیں گے۔"

"اچھا چچی جان میں نے ابھی تک اپنے دوست سے کوئی بات نہیں کی۔ میرا خیال ہے کہ میں دبے پاؤں جاکر اسے جگاؤں اور اپنے ساتھ لے جاؤں۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔ اور سنو کسی اور بات کی فکر نہ کرنا۔ امینہ نے جو انگوٹھی مجھے واپس دی تھی وہ تمہارے ابا جان دلہن کو پہنائیں گے۔ وہ فہمیدہ کو دیکھنے کے لئے بہت بے چین تھے۔ ابھی اٹھیں گے تو میں انہیں اس کے پاس لے جاؤں گی۔ تمہاری بہن امینہ اتنے تحائف لائی ہے کہ مجھے حیرت ہوتی ہے اور وہ ان تحائف میں عروسی جوڑا بھی لائی ہے جسے میں نے کھول کر دیکھا تو مجھے اس بات پر حیرت ہوئی تھی کہ وہ فہمیدہ کے قد کے عین مطابق ہے۔ وہ کہتی تھی کہ فہمیدہ کے ناپ کی چیزیں بنانے کے لئے اسے ایک نظر دیکھ لینا کافی تھا اور میں نے اسے اچھی طرح دیکھا تھا میں پڑھنے میں جس قدر نالائق تھی۔ اسی قدر زیادہ سینے پرونے میں دلچسپی لیا کرتی تھی۔ اور یوسف بھائی جان کی دلہن کے کپڑے سیتے ہوئے۔ مجھے ایک روحانی تسکین محسوس ہوتی تھی۔ بیٹا بہت اچھی لڑکی ہے وہ۔ شاید ہم سب اسے غلط سمجھتے تھے۔ بیٹا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم نے اس پر کیا جادو کر دیا ہے۔"

"چچی جان میں نے اس پر کوئی جادو نہیں کیا۔ اسے اپنی اچھائی ظاہر کرنے کے لئے زندگی میں ایک بہت بڑا موقع ملا تھا۔ جو اس نے ضائع نہیں کیا۔ بعض لوگ طغیانی میں تیرتے ہیں اور بعض کھڑے پانی میں ڈوب جاتے ہیں۔"

"ارے اس قسم کی باتیں کوئی اور کرتا بھی تو نہیں سکتا تھا نا اس کے ساتھ۔ اب جاؤ مجھے کوئی کام کرنے دو۔"

"اچھا چچی جان خدا حافظ۔"

یوسف مہمانوں کے کمرے میں داخل ہوا منظور جاگ رہا تھا۔ یوسف نے آہستہ سے کہا:

"ذرا جوتے پہن کر باہر نکلو۔ میں تمہیں اپنی قیام گاہ دکھا دیتا ہوں۔ اس کے بعد تم واپس آکر لباس تبدیل کرنا اور وہاں پہنچ جانا۔ ہم احمد خان صاحب کے ساتھ یہاں چائے پر آئیں گے۔"

منظور نے جلدی سے جوتا پہنا اور اس کے ساتھ چل دیا۔ یوسف نے اسے سڑک پر پہنچتے ہی کہا:

"دیکھو بھئی راستے کا خیال رکھنا اگر بھول جانے کا ڈر ہو تو میں وہاں سے نوکر تمہارے ساتھ بھیج دوں گا۔"

"بھئی تم میری فکر نہ کرو۔ مجھے تمہارا ڈر ہے کہ کہیں راستہ بھول کر خانصاحب کو کسی اور طرف نہ لے جاؤ۔ لیکن تم بڑی جلدی میں ہو خیر تو ہے؟"

"سب ٹھیک ہے بھئی۔ میں تمہیں اس لئے ساتھ لایا تھا کہ تم سے باتیں کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔"

منظور نے کہا: "یار جو باتیں کرنے والی تھیں۔ وہ تو تمہارے چہرے سے لگ رہا ہے کہ تمہیں معلوم ہو چکی ہیں۔ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ میں اطمینان سے نہا دھو کر تیاری کروں۔ اور تم بھی اطمینان سے خان صاحب کو ساتھ لے کر آؤ۔"

"اچھا تم جاؤ لیکن یہاں سے فارغ ہونے کے بعد میں تمہیں اپنے ساتھ خان صاحب کے پاس لے آؤں گا۔ اور پھر ہم خوب باتیں کریں گے۔"

"یار یہ بھی میری خوش قسمتی ہو گی کہ یہاں سے فارغ ہونے کے بعد تم اس خاکسار سے باتیں کرنا پسند فرماؤ گے۔"

امینہ فہمیدہ کے سامنے بیٹھی کہہ رہی تھی:

"میری بہن آپ عام لباس میں بھی ایک شہزادی معلوم ہوتی ہیں۔ جب میں آپ

کے کپڑے سیا کرتی تھی۔ تو میں ایسا محسوس کرتی تھی کہ یہ میری زندگی کا اہم ترین کام ہے مجھے ان کپڑوں پر بھی پیار آتا تھا۔ اب میں یہ چاہتی ہوں۔ کہ جب تک میں یہاں رہوں صرف آپ کی طرف دیکھتی رہوں اور آپ سے باتیں کرتی رہوں۔"

فہمیدہ نے پیار سے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا:

"امینہ بہن تمہارے ہاتھ بہت خوب صورت ہیں۔ شاید میں نے کبھی غور سے نہیں دیکھے تھے۔ اور تم پہلے سے خوب صورت بھی نظر آرہی ہو ——————"

—— فہمیدہ نے کہا: امی جان نے مجھے کئی بار کہا تھا۔ کہ اگر تم چاہو تو میں دہرہ دُون سے چند لڑکیوں کو بلا لوں۔ لیکن چچی جان نے بتایا کہ اس موقع پر امینہ کے سوا مجھے کسی اور سہیلی کی رفاقت کی ضرورت نہیں۔"

امینہ بولی "اور میں سارا راستہ اس خیال سے پریشان رہی۔ کہ وہاں نامعلوم کتنی شوخ وطرار لڑکیوں نے میری شہزادی بھابی کو اپنے جھرمٹ میں لے رکھا ہوگا۔ اور مجھے آپ سے باتیں کرنے کا موقع ملے گا بھی یا نہیں۔"

فہمیدہ نے مسکرا کر گردن جھکالی۔

بلقیس کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے امینہ سے پوچھا:

"بیٹی دکھا دیئے تم نے کپڑے اپنے بھائی کی دُلہن کو؟"

فہمیدہ نے پھر گردن جھکالی۔ اور نسرین بولی:

"آپا جان اب تو لوگ آپ کو اسی طرح پکارا کریں گے۔ آپ کب تک شرماتی رہیں گی؟"

امینہ ہنستی ہوئی اٹھی اور اس نے بکس کھولتے ہوئے پہلے کمخواب کا عروسی جوڑا فہمیدہ کے سامنے رکھ دیا۔ پھر تین اور ریشمی جوڑے یکے بعد دیگرے نکالتے ہوئے کہا:

"یہ بھی میں نے اپنے خیال کے مطابق آپ ہی کے ناپ کے بنائے ہیں۔ احتیاطاً ان میں اتنی گنجائش رکھ دی ہے کہ انہیں کھلا کیا جا سکتا ہے۔" پھر اس نے تین سنہری جوتوں

کے جوڑے سامنے رکھتے ہوئے کہا

"ان کے متعلق میرا اندازہ غلط ہو سکتا ہے۔ لیکن انہیں دوکاندار سے تبدیل کروایا جا سکے گا۔" پھر اس نے نسرین کی طرف دیکھ کر کہا:

"نسرین اپنا جوڑا اس سوٹ کیس میں سے تم نکالو۔"

نسرین نے جلدی سے کمخواب کا جوڑا نکالا اور ہکا بکا ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"آپا جی یہ میرا ہے؟" نسرین نے پوچھا۔ "ایسے کپڑے تو دلہن کے ہوتے ہیں۔"

"دیکھو نسرین تم میرے شہزادے بھائی کی شہزادی دلہن کی شہزادی بہن ہو۔ اس لئے تمہارے متعلق میرا اور میری امی کا یہی فیصلہ تھا۔ کہ تمہارا جوڑا بھی اسی کپڑے کا ہونا چاہیئے۔ لیکن تم نے کھول کر نہیں دیکھا۔ اس میں عروسی جوڑے والی کوئی بات نہیں۔ اور تمہارے لئے میں ایک عام جوڑا بھی لے آئی ہوں۔ لیکن آج تم نے اپنی شہزادی آپا کے ساتھ تصویر کھنچوانے کے لئے یہی جوڑا پہننا ہوگا۔ میں بہت اچھا کیمرہ لائی ہوں۔ تمہاری تصویریں اتارنے کے لئے۔" پھر اس نے بلقیس سے مخاطب ہو کر کہا۔

"چچی جان، کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ مہمانوں کو باہر کھلی ہوا میں بٹھایا جاتے تاکہ میں روشنی میں تصویریں لے سکوں۔"

"بیٹی تصویروں کے لئے کئی اور انتظام ہوجائیں گے۔ اب فوری مسئلہ یہ ہے کہ یوسف کے ابا جی اٹھتے ہی اپنی بہو سے ملنے آئیں گے۔ تم جلدی سے اس کا لباس تبدیل کرواؤ۔ اور اپنی تسلی کرلو۔ اس کام میں بیس منٹ سے زیادہ نہیں لگنے چاہئیں جب دہرہ دُون والے آنا شروع ہوجائیں گے تو ہمیں کچھ نہیں سُوجھے گا۔"

نصف گھنٹہ بعد عبدالرحیم نے کروٹ بدلی اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ ابھی کچھ سوچ رہا تھا کہ بلقیس کمرے میں داخل ہوئی۔ اور اس نے کہا

"بھائی جان چائے بھیجوں؟"

"نہیں بہن اس وقت میں سادہ پانی کا ایک گلاس پی کر سب سے پہلے اپنی بہو کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ میرا مطلب ہے اگر بیٹی سو نہیں رہی تو۔"

"نہیں بھائی جان۔ میں ابھی پانی لاتی ہوں۔ آپ تیار ہو جائیں۔"

عبدالرحیم نے کہا۔ "میں صرف منہ پر ٹھنڈے پانی کی چھینٹیں مارنا چاہتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ مجھے وضو بھی کر لینا چاہیئے۔"

بلقیس نے کہا۔ "بھائی جان غسل خانہ اُس طرف ہے۔ میں آپ کی بہو کو اطلاع دے کر ابھی آتی ہوں۔"

عبدالرحیم غسل خانے کی طرف چلا گیا۔ جب وہ وضو کے بعد واپس آیا۔ تو بلقیس پانی کا گلاس لئے کھڑی تھی۔ عبدالرحیم نے پانی پیا۔ اور سر پر پگڑی رکھ کر اس کے پیچھے ہولیا۔ اس نے فہمیدہ کے کمرے میں داخل ہوتے ہوتے "السلام علیکم" کہا اور صفیہ، امینہ اور نسرین ذرا بلند آواز میں اور فہمیدہ دبی ہوئی آواز میں "وعلیکم السلام" کہہ کر تعظیماً کھڑی ہو گئیں۔ فہمیدہ خوب صورت عروسی جوڑا پہنے ہوئے تھی اور اس نے سنہری دوپٹہ کا پلو ناک سے نیچے کیا ہوا تھا۔ عبدالرحیم چند ثانیہ تذبذب کی حالت میں کھڑا رہا۔ پھر اس نے آگے بڑھ کر دونوں ہاتھ فہمیدہ کے سر پر رکھ دیئے۔ امینہ جلدی سے فہمیدہ کے قریب کھڑی ہو گئی۔ اور اس نے سامنے خالی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا

"چچا جان تشریف رکھیئے۔"

عبدالرحیم کرسی پر بیٹھ گئے اور امینہ نے فہمیدہ کے ساتھ بیٹھتے ہوئے کہا۔

"چچا جان اگر میں آپ کو چاند سے زیادہ خوب صورت بہو دکھا دوں تو اُس چھوٹی شہزادی کو کیا انعام ملے گا جس نے بھائی یوسف کو کوئٹہ سے جالندھر کا راستہ دکھایا تھا؟"

عبدالرحیم نے جواب دیا۔ "بیٹی اس مسئلہ میں پرس میرا ہوگا اور اس میں سے نکال کر انعام دینے والے ہاتھ تمہارے ہوں گے۔"

امینہ نسرین سے مخاطب ہوئی۔

"نسرین ادھر آؤ۔"

نسرین قریب آئی، تو اس نے اُسے بازو سے پکڑ کر فہمیدہ کے ساتھ بٹھاتے ہوئے کہا: "نسرین اپنی آپا جان کے کان میں کہو کہ یوسف بھائی کے ابا جان اپنی چاند سے پیاری بہو کو دیکھنے آئے ہیں۔ اور وہ اس وقت سامنے بیٹھے ہوتے ہیں۔"

نسرین نے شرارت آمیز تبسم کے ساتھ فہمیدہ کے کان سے منہ لگا دیا۔ اور وہ اپنی مسکراہٹ ضبط نہ کر سکی اور اس کے ساتھ ہی امینہ نے اس کا دوپٹہ ذرا اوپر کر دیا۔ میاں عبدالرحیم چند ثانیے تحیر کے عالم میں اس کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر انہوں نے بلقیس کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

"بہن قدسیہ کے خوابوں کی کوئی تعبیر اس سے بہتر نہیں ہو سکتی تھی۔ کاش! میں چند منٹ کے لئے اسے یوسف کی ماں کی آنکھوں سے دیکھ لیتا، بہن صفیہ! آپ نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ اب میری سب سے بڑی دعا یہ ہوا کرے گی۔ کہ یوسف اس نیکی کا مستحق ثابت ہو۔"

"واہ بھئی یوسف کے ابا کو ابھی تک یہ معلوم نہیں ہوا کہ یوسف اس دنیا میں کتنے انعامات کا مستحق ہے۔"

سب نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ بیگم احمد کمرے میں داخل ہوئیں۔ اور خواتین تعظیماً کھڑی ہو گئیں۔ امینہ نے صوفے سے ایک طرف ہٹتے ہوئے کہا۔

"آیئے آپ اس طرف بیٹھیں۔"

"نہیں بیٹی۔ میں اس شہزادی کے ساتھ اس کے شہزادے کو دیکھنا چاہتی ہوں

"تم نے یوسف کو یہاں کیوں نہیں بٹھایا؟"

"یوسف ابھی آجائے گا۔ آپ تشریف رکھیئے۔" بلقیس نے کہا۔

پھر اُس نے اپنے پرس سے ایک ڈبیہ نکالی اور عبدالرحیم کو پیش کرتے ہوئے کہا۔

"بھائی صاحب یہ انگوٹھی آپ اپنی بہو کو اپنے ہاتھوں سے پہنا دیجئے۔"

عبدالرحیم نے ڈبیہ کھول کر اس میں سے انگوٹھی نکالنے کے بعد بیگم احمد کی طرف دیکھا اور اٹھ کر اسے پیش کرتے ہوئے کہا،

"بہن جی، یہ انتخاب آپ کا ہے۔ اور میں یہ درخواست کرتا ہوں کہ آپ ہی اپنی دعاؤں کے ساتھ فہمیدہ کو انگوٹھی پہنا دیجئے۔"

انہوں نے اٹھ کر فہمیدہ کے ساتھ بیٹھتے ہوئے اس کا خوب صورت ہاتھ پکڑ کر پیار سے چوما اور انگلی میں انگوٹھی ڈالی اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھا لئے۔ اس کے ساتھ ہی باقی سب نے بھی دعا کے لئے ہاتھ اٹھا لئے۔ دعا ختم کرنے کے بعد وہ باری باری عبدالرحیم، صفیہ اور فہمیدہ کو مبارک باد دے رہے تھے۔ عبدالرحیم نے اپنا پرس جیب سے نکال کر کھولا اور اس میں سے پانچ سو کے نوٹ نکال کر فہمیدہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا:

"یہ لو بیٹی یہ ایک حقیر سا نذرانہ ہے۔ کاش میں خزانوں کا مالک ہوتا۔ اور یہ خوبصورت ہاتھ جواہرات سے بھر دیتا۔"

فہمیدہ نے ایک نظر اپنی ماں اور چچی کی طرف دیکھا اور پھر عبدالرحیم کے ہاتھ سے نوٹ پکڑتے ہوئے کہا:

"شکریہ ابا جان یہ میرے لئے خزانے سے کم نہیں۔"

پھر عبدالرحیم نے اپنی جیب سے سو سو کے دو اور نوٹ نکالے اور کہا:

"نسرین بیٹی یہ تمہارے لئے ہیں۔ یوسف کی ماں تمہیں رحمت کا فرشتہ کہا کرتی تھی۔"

یوسف کی ماں کے ذکر سے اس چھوٹی سی محفل پر ایک ثانیہ کے لئے اُداسی چھا گئی۔ عبدالرحیم نے موضوع بدلنے کے لئے امینہ کی طرف دیکھا اور اپنا پرس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا:

"بیٹی جو کام میں تمہارے ہاتھ سے کروانا چاہتا تھا۔ وہ میں نے خود اپنی سمجھ کے مطابق کر دیا ہے اگر مجھ سے کوئی کوتاہی ہوتی ہے تو یہ پرس سنبھالو اور اُس کی تلافی کر دو۔"

امینہ بولی۔ "نہیں چچا جان آپ سے کوئی کوتاہی نہیں ہوئی۔ اب آپ نماز پڑھ لیں اور مہمانوں کے استقبال کے لئے تیار ہو جائیں۔"

جب وہ کمرے سے باہر نکل گئے تو صفیہ نے کہا:

"بلقیس تمہیں اتنی جلدی کیا تھی؟ تم فہمیدہ کے ابا جان اور چچا کے بیدار ہونے کا تو انتظار کر لیتیں۔"

"بھئی میری یہ ڈیوٹی لگائی گئی تھی کہ میں یہاں پہنچتے ہی انگوٹھی پہنا دوں۔ اور تمہیں معلوم ہے کہ ہم سب نے اس مبارک وقت کے انتظار میں کتنی راتیں آنکھوں میں کاٹی ہیں۔ اور بہن سچی بات تو یہ ہے کہ جب تک نکاح نہیں پڑھا جاتا مجھے اطمینان نہیں ہو گا۔"

بیگم احمد نے کہا۔ "بلقیس بیٹی! یہ سب کچھ ٹھیک ہو رہا ہے، لیکن نکاح کا یہ نتیجہ تو نہیں ہو گا۔ کہ کل میاں صاحب اور ان کے صاحبزادے یہ مطالبہ کر دیں۔ کہ ہم کسی تاخیر کے بغیر بارات لانا چاہتے ہیں۔"

"نہیں خالہ جان، یہ معاملہ میں نے یہاں پہنچنے سے پہلے یوسف کے ابا جان سے

طے کر لیا ہے اور یوسف کے متعلق میں جانتی ہوں کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے سے پہلے فہمیدہ کو اپنے راستے کے کانٹوں پر گھسیٹنا پسند نہیں کرے گا۔ اس کے پروگرام میں شادی کی منزل ابھی بہت دُور ہے۔ اور فہمیدہ کے متعلق میں جانتی ہوں کہ یہ ہر معاملہ میں اس کی ہم خیال ہے۔ کیوں فہمیدہ؟

فہمیدہ نے ہلکی سے مسکراہٹ کے ساتھ اپنی آنکھیں جھکا لیں۔ اور بیگم احمد نے کہا:

"بیٹی تم اس طرح مُسکراتی ہوئی بہت اچھی لگتی ہو۔ اور میں اللہ سے دُعا کرتی ہوں کہ تم سے پیار کرنے والے ہمیشہ تمہاری مسکراہٹ دیکھتے رہیں۔"

یوسف نے نہا کر کپڑے پہنے اور وضو کر کے عصر کی نماز کے لئے کھڑا ہو گیا۔ باہر صحن میں احمد خان نوکر سے کہہ رہا تھا۔

"میرو خان! درزی نے کتنے منٹ بعد اچکن لے کر آنے کے لئے کہا تھا؟"

"سائیں! وہ کہتا تھا کہ آدھے گھنٹے تک آجاؤں گا۔"

"اب کتنی دیر ہو گئی ہے؟"

"جی کوئی ڈیڑھ گھنٹہ ہو گیا ہے۔"

"خدا تمہیں غارت کرے۔ تمہارے دل میں اس کے پاس دوبارہ جانے کا خیال نہیں آیا؟"

"سائیں میں جاتا ہوں۔"

"اُسے یہ بتایا تھا کہ ہمیں شادی کیلئے دیر ہو رہی ہے؟"

"جی وہ تو میں نے بتایا تھا اور میں نے یہ بھی بتایا تھا۔ کہ آپ ناراض ہو رہے ہیں۔"

"تو اب کیا سوچ رہے ہو۔ بھاگتے کیوں نہیں ہو۔ اسے پکڑ کر لاؤ۔"

"جاتا ہوں سائیں۔ اگر حکم ہو تو اسے دو چار گالیاں بھی دے دوں؟"

"بے وقوف بازار میں لوگ تمہیں پیٹ ڈالیں گے۔ تم اسے میرے پاس لے آؤ۔ ورنہ یہ کہو کہ مجھے پانچ منٹ بعد خود آنا پڑے گا۔"

"جاتا ہوں سائیں!"

دس منٹ بعد میرو بھاگتا ہوا واپس آیا۔ اور اُس نے کہا:

"سائیں وہ آرہا ہے۔"

"کب آرہا ہے؟"

"سائیں ابھی آرہا ہے۔"

"تم ساتھ لے کر کیوں نہیں آتے؟"

"جناب وہ اچکن کو استری کر رہا تھا۔ جب اُس نے استری کر کے اچکن کو تہہ کرنا شروع کر دیا۔ تو میں وعدہ لے کر چل پڑا کہ وہ سیدھا آپ کے پاس آئے گا۔"

احمد خان نے غصہ میں آکر کہا:

"بے وقوف میں نے یہ پوچھا ہے کہ تم اس کے ساتھ کیوں نہ آئے؟"

"سائیں مجھے اُچکن استری ہوتے دیکھنے میں دیر لگ گئی تھی۔ اس لئے میں نے سوچا کہ آپ کو غصہ آرہا ہوگا۔ اس لئے میں بھاگ آیا۔"

احمد خان کچھ کہنا چاہتا تھا کہ درزی نمودار ہوا۔ احمد خان نے کہا:

"یار تم لوگ ہمیشہ دوسروں کو خوار کرتے ہو۔ میں نے کل کہا تھا کہ سوٹ میں جتنی دیر چاہے لگا لینا لیکن اچکن سہ پہر تک مل جانی چاہیئے۔ اچھا اب ٹرائی کروا دے، بیٹا خان محمد اگر یوسف صاحب نے نماز پڑھ لی ہے تو انہیں باہر لے آؤ۔"

یوسف نے باہر نکلتے ہوئے کہا:

"جی میں نے نماز پڑھ لی ہے۔"

درزی نے اچکن کھول کر پیش کرتے ہوئے کہا "جناب یہ پہن کر دکھائیے"۔

یوسف نے اچکن پہن لی۔ اور درزی نے بٹن بند کرتے ہوئے کہا:

"جناب اچھی طرح دیکھ لیجئے۔ خدا کے فضل سے اس میں کوئی نقص نہیں"۔

"اچھا چھوڑو یار اگر کوئی نقص ہوگا بھی تو بعد میں دیکھا جائے گا"۔

درزی نے پوچھا "جناب چھوٹے صاحب اپنے سوٹ کے لئے کب کپڑا دینا پسند کریں گے؟ میرے پاس بہت اچھے نمونے آئے ہیں"۔

خان محمد نے کہا "بھئی ہم اس کام سے فارغ ہو کر تمہارے پاس آئیں گے۔ ذرا یوسف صاحب کا سوٹ خیال سے سینا۔ ایسا نہ ہو کہ لاہور تک تمہارا مذاق اڑایا جائے"۔

"جناب آپ فکر نہ کریں۔ اگر میرے کام میں کوئی نقص ہوا تو میں دوسرا بنا دوں گا"۔

اور یہ کہتے ہی درزی سلام کر کے چلا گیا۔

احمد خان نے گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"بھئی اب ہمیں چلنا چاہیئے۔ لیکن تمہارے سر پر کچھ نہ کچھ ضرور ہونا چاہیئے"۔

خان محمد نے کہا: "ابا جان اس کی ضرورت نہیں۔ بھائی یوسف ننگے سر بھی بڑے اچھے لگتے ہیں"۔

یوسف نے کہا۔ "خان صاحب سر کے لئے میرے پاس ایک بڑی قیمتی چیز ہے۔ میں ابھی آپ کو دکھاتا ہوں"۔

یوسف یہ کہہ کر کمرے میں گیا جب واپس آیا تو اس کے سر پر قراقلی ٹوپی تھی! اس نے مسکراتے ہوئے کہا:

"خان صاحب میں دوستوں کا تحفہ بہت سنبھال کر رکھا کرتا ہوں اور آپ کو شاید یاد ہو کہ نہ یاد ہو کہ آپ نے یہ تحفہ مجھے کب دیا تھا؟"

"یار مجھے یاد ہے۔ لیکن یہ کپڑے پہننے کے لئے ہیں۔ کہیں انہیں بھی سنبھال کر نہ رکھ لینا"۔

منظور احمد مکان سے چند قدم دور اضطراب کی حالت میں کھڑا تھا۔ جب یوسف، احمد خان اور خان محمد نظر آئے تو وہ تیزی سے آگے بڑھا۔ اور اس نے شکایت کے لہجہ میں کہا:

"یار تم ہر جگہ لیٹ پہنچا کرتے ہو۔ مہمان آ چکے ہیں اور ہمیں یہ پریشانی تھی کہ تم پھر کہیں فرار نہ ہو گئے ہو"۔

یوسف نے کہا "منظور بھائی، تم نالائق تھے نا میرے ساتھ نہیں گئے۔ میں نے تم سے ایک ضروری بات پوچھنی تھی"۔

"ضروری بات نکاح کے بعد پوچھ لینا"۔

"بے وقوف اگر میں ابھی پوچھ لیتا تو تمہارا اس میں فائدہ تھا"۔

"پوچھ لیجئے جناب۔ بندہ حاضر ہے"۔

"میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ میرے نکاح کے بعد اگر میں ایسی صورت پیدا کرنے میں کامیاب ہو جاؤں۔ کہ میاں عبدالکریم اپنی صاحبزادی کی منگنی کا اعلان تمہارے ساتھ کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ تو کیا خوشی سے تم پاگل نہ ہو جاؤ گے"۔

منظور نے کہا:

"بھائی جان، اگر کوئی خوشی سے پاگل ہو سکتا۔ تو خدا معلوم آپ اب تک کتنے آدمیوں کا سر پھوڑ چکے ہوتے"۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔ جب موقع ملے تو تم کسی ڈھنگ سے میاں عبدالکریم کو میرے پاس بٹھا دینا"۔

منظور نے کہا "یار یہ محفل برخواست ہونے سے پہلے پہلے تمہیں کسی نوگوں سے بات کرنے کا موقع ملے گا۔ اور میرا خیال ہے۔ کہ تم امینہ سے بھی پوچھ سکو گے"۔

وہ مکان کے صحن میں داخل ہو چکے تھے۔ جہاں مہمان ایک دائرے میں بیٹھے ہوئے تھے اور درمیان میں تین صوفہ سیٹ رکھے ہوئے تھے۔ مہمانوں نے آگے بڑھ کر ان کا خیر مقدم کیا۔ اور باری باری انہیں گلے لگایا۔ پھر عبدالرحیم نے آگے بڑھ کر احمد خان اور خان محمد کا استقبال کیا۔ عبدالعزیز نے مہمانوں سے احمد خاں کا تعارف کروانے کے بعد انہیں اور ان کے صاحبزادے کو دائیں ہاتھ صوفے پر بٹھا دیا۔ درمیانی صوفہ پر یوسف اور اس کے والد اور فہمیدہ کے والد کو بٹھا دیا گیا۔ اور ان کے بائیں طرف عبدالکریم، میجر بشیر اور ڈیرہ دون سے آتے ہوئے ان کے چند فوجی دوست بیٹھ گئے۔ باقی کرسیوں پر چند مقامی معززین اور چند پولیس افسر بیٹھ گئے۔ عبدالعزیز نے پولیس افسروں کے ساتھ بیٹھے ہوئے مولوی صاحب سے مخاطب ہو کر کہا:

"مولانا ہمیں نیک کاموں میں تاخیر نہیں کرنی چاہیئے۔ آپ اپنا کام شروع کریں"۔

فضل دین نے جو مولوی صاحب کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ جلدی سے اٹھ کر انہیں بازو سے پکڑا اور یوسف کے ساتھ صوفے پر بٹھا دیا۔ چند منٹ میں یہ مقدس رسم ادا ہو چکی تھی اور جب یوسف کی زبان سے نکاح کے آخری الفاظ ادا ہو رہے تھے تو وہ بڑی مشکل سے اپنے آنسو ضبط کر رہا تھا۔ اس نے آسمان کی طرف دیکھا، تو اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا۔ کہ اس کا رنگ کبھی اتنا دلکش نہیں تھا۔ اور یہ درخت، یہ پہاڑ کبھی اتنے حسین نہ تھے۔ وہ اپنے دل میں یہ الفاظ دوہرا رہا تھا۔

"یا اللہ یہ تیرا کرم ہے۔ مجھے توفیق دے کہ میں ساری زندگی تیرے شکر گزار بندوں میں شامل رہوں"۔

ایک لڑکی بھاگتی ہوئی باہر آئی اور عبدالعزیز سے کچھ کہنے کے بعد اس کے ہاتھ میں کوئی چیز دے کر اندر چلی گئی۔

عبدالعزیز مسکراتا ہوا آگے بڑھا اور اس نے کہا: "یوسف بیٹا! مجھ سے ایک فرض میں کوتاہی ہوئی ہے۔ اپنا ہاتھ آگے کرو"۔ اور اس نے انگوٹھی یوسف کے ہاتھ میں پہنا دی پھر اس نے کہا:

"مہمانانِ گرامی! کوتاہی کی وجہ یہ ہوئی کہ یوسف صاحب کو اچانک کوئی خیال آیا اور انہوں نے سونے کی انگوٹھی پہننے سے انکار کر دیا تھا۔ انکار اس لئے کر دیا تھا کہ مردوں کے لئے سونے کی اشیاء ممنوع ہیں۔ چنانچہ ہمیں آخری وقت میں ڈیرہ دون سنار کے پاس آدمی بھیجنا پڑا۔ اور وہ ابھی تھوڑی دیر پہلے یہ چاندی کی انگوٹھی بنوا کر لایا ہے"

خرمے بانٹے گئے۔ اور یوسف، اس کے والد، اس کے خسر اور اس کے عزیزوں کو مبارکباد دی گئی۔ مغرب کی نماز کے لئے وہیں صحن میں انتظام کر دیا گیا تھا۔ نماز کے بعد یوسف میاں عبدالکریم کو پکڑ کر ایک طرف لے گیا۔ اور اس نے کہا:

"چچا جی یہ بات بڑی اہم ہے اور وقت بہت تھوڑا ہے"۔

"بیٹا ایسے کاموں میں ہمیں مشکل پیش آتی ہے۔ تمہیں تو کوئی مشکل پیش نہیں آنی چاہیئے۔ تم ہمیشہ صاف اور دو ٹوک بات کر لیا کرتے ہو"۔

یوسف نے کہا: "آپ جانتے ہیں کہ امینہ مجھے بہنوں سے زیادہ عزیز ہے اور منظور کو بھی میں اچھی طرح جانتا ہوں اگر آپ کی اجازت ہو تو میں امینہ کی رضامندی حاصل کر لوں؟"

"بیٹا خدا کا شکر ہے۔ کہ امینہ کا تمہیں اتنا خیال ہے۔ تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ امینہ اسے ناپسند نہیں کرتی"۔

"تو پھر چچا جی میں ایک بھائی کی حیثیت سے رسمًا اس سے پوچھ لینا چاہتا ہوں

اور پھر یہاں جمع ہونے والوں کو یہ خوش خبری سناؤں گا کہ آپ نے اپنی دخترِ نیک اختر کے لئے منظور احمد کا انتخاب کر لیا ہے۔"

"بیٹا میں تمہاری ہر بات سے متفق ہوں لیکن اس معاملہ میں اُن کے خاندان کے بزرگوں کو تو یہاں ہونا چاہیئے تھا نا؟"

"چچا جان میں اُن سے مل چکا ہوں۔ وہ صرف اس بات سے پریشان تھے کہ آپ ان کے ہاں رشتہ کرنا کسرِ شان سمجھیں گے۔"

مہمانوں میں سے ایک لڑکی اس طرف آئی تو یوسف نے اُسے ہاتھ کے اشارے سے روکتے ہوئے آگے بڑھ کر کہا:

"دیکھئے اندر مہمانوں میں امینہ صاحبہ ہوں گی۔ انہیں پیغام دے دیجئے کہ آپ کے والد صاحب اس جگہ کھڑے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ کوئی ضروری بات ہے۔ اگر آپ انہیں جلدی یہاں لے آئیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔"

لڑکی نے مسکراتے ہوئے کہا: "دولہا بھائی میں ابھی لاتی ہوں۔"

چند منٹ بعد وہ امینہ کو ان کے سامنے چھوڑ کر واپس چلی گئی۔ امینہ نے پوچھا:

"ابا جی خیر تو ہے۔ میں تو آپ کے پیغام سے ڈر گئی تھی۔"

عبدالکریم نے کہا: "بیٹی! یوسف تم سے کوئی ضروری بات کرنا چاہتا ہے۔ اور تمہیں معلوم ہے کہ یوسف صاحب کی بات کبھی بری نہیں ہوتی۔ میں جاتا ہوں تم اطمینان سے سنو۔"

یوسف نے کہا۔ "دیکھو بہن امینہ۔ ایک بھائی کی حیثیت سے جتنا میں سمجھ سکتا ہوں اس کے لئے اس گفتگو کی بھی ضرورت نہ تھی، لیکن چونکہ یہ ایک اچھی رسم ہے۔ میں نے تمہیں بلا لیا ہے۔ اگر آج ہی یہ اعلان کر دیا جائے کہ عبدالکریم صاحب کی لاڈلی بیٹی اور میری بہت پیاری بہن کی منگنی مسٹر منظور احمد سے کر دی گئی ہے۔ تو تم اس بات کو

ناپسند تو نہیں کرو گی؟

امینہ نے سر جھکاتے ہوئے کہا: "آپ نے اپنے دوست سے پوچھ لیا ہے؟"

"وہ کون ہوتا ہے میرے فیصلہ سے انحراف کرنے والا!"

امینہ مسکراتے ہوئے مڑی اور یہ کہہ کر واپس چل پڑی: "بھائی جان اگر اُن میں یہ جرأت نہیں تو مجھ میں کیسے ہو سکتی ہے۔"

جب مہمان رات کے کھانے کے لئے دسترخوان پر بیٹھ گئے تو یوسف نے اُٹھ کر کہا:

"معزز حضرات، میں میاں عبدالکریم صاحب کے حکم سے یہاں آپ کے سامنے یہ اعلان کر رہا ہوں۔ کہ ان کی دخترِ نیک اختر امینہ بی بی کی نسبت مسٹر منظور احمد ولد محمد جمال احمد سے قرار پائی ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ آپ اس جوڑے، ان کے والدین اور ان کے عزیزوں اور رشتہ داروں کے لئے بھی دعا فرمائیں۔"

سب نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا لئے اور منظور احمد اور عبدالکریم کو مبارک باد دینے لگے۔

نسرین بھاگتی ہوئی خواتین کے کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے بڑی مشکل سے اپنا سانس قابو میں لانے کے بعد کہا: "آپا امینہ، آپا امینہ آپ کی منگنی ہو گئی۔ خدا کی قسم آپ کی منگنی بھی ہو گئی۔ ابھی ابھی۔ میں اپنے کانوں سے سن کر آئی ہوں ۔۔۔ آپا جان ان کی منگنی بھائی جان کے دوست منظور صاحب سے ہوئی ہے۔ وہ مجھے بلا وجہ پسند نہیں تھے۔"

بلقیس نے کہا: "نسرین تمہیں اس خبر پر بھی انعام ملے گا۔ اب تم پہلے اپنے دولہا بھائی کو یہاں بلا لاؤ۔ اسے کہو کہ بہنیں اور بچیاں اسے دیکھنا چاہتی ہیں۔"

"بچی جان، اب تو وہ کھانا کھانے لگے ہیں۔"

نانی نے کہا۔ "بے وقوف! لاؤ اسے۔ تمہاری آپا اسے بھوکا نہیں رکھے گی۔ جاؤ جلدی کرو۔"

نسرین بھاگتی ہوئی باہر نکل گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ یوسف کے ساتھ آرہی تھی یوسف "السلام علیکم" کہہ کر کمرے میں داخل ہوا۔ اور اس نے سب سے پہلے امینہ کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے تین سو روپے کے نوٹ اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا۔

"یہ اباجی نے تمہیں دعاؤں کے ساتھ بھیجے ہیں۔"

نسرین نے کہا: "بھائی جان انہیں بتا دیجئے کہ منگنی واقعی ہوگئی ہے۔"

"تم نے نہیں بتایا نسرین؟"

"بتایا ہے، لیکن میری کون سنتا ہے۔"

بیگم احمد نے جلدی سے اُٹھ کر یوسف کو بازو سے پکڑتے ہوئے کہا: "احمقوں کی طرح بدحواس ہو کر کیا دیکھ رہے ہو۔ بیٹھ جاؤ۔ تمہاری جگہ یہ ہے۔"

یوسف فہمیدہ کے ساتھ بیٹھ گیا۔ خواتین باری باری امینہ کو مبارک باد دے رہی تھیں۔ بیگم احمد نے اُسے پیار کرنے کے بعد دو سو روپے دیئے۔ اور بلقیس نے اپنی ایک انگوٹھی انگلی سے اتار کر اسے پہنا دی۔ صفیہ نے ریشم کا ایک جوڑا اور سو روپیہ اس کے آگے رکھ دیا۔

باہر کھانے کے دوران عبدالکریم یوسف کے متعلق کہہ رہا تھا:

"یہ لڑکا بڑا خوش نصیب ہے۔ یہ جس گھر میں قدم رکھتا ہے۔ وہاں اس کے پیچھے پیچھے خوش نصیبی آتی ہے۔ پہلی دفعہ یہ شکار سے واپسی پر ہمارے گھر آیا تھا۔ اور وہاں دو مرغابیاں چھوڑ گیا تھا۔ پھر جس رات ڈاکو ہمارے گھر پر حملہ کرنے والے تھے۔ یہ اچانک

پہنچ گیا تھا۔ اور اس نے علاقے کے سب سے مشہور ڈاکو کو پکڑ لیا تھا۔ ہماری ایک بڑی رقم بھی بچ گئی تھی اور عزت بھی محفوظ رہی۔"

مہمانوں نے ڈاکو کے پکڑے جانے کی تفصیلات پوچھنا شروع کر دیں۔

"بھئی ان دنوں بھائی عبدالعزیز صاحب گورداس پور میں پولیس انسپکٹر تھے۔ اور میں یوسف کی جرأت اور بہادری کا چشم دید گواہ ہوں۔ مجھے یہ بھی یقین ہے کہ یہ ملک کا ایک بڑا افسر بن جائے گا تو کوئی اس بات پر یقین نہیں کرے گا کہ اس نے ایسے کارنامے بھی سرانجام دیتے ہیں۔ یہ ایک بہترین سوار، بہترین تیراک اور بہت اچھا کشتی ران بھی ہے۔ اور اسلامیہ کالج میں تحریک پاکستان کے ایک انتھک کارکن کی حیثیت سے مشہور ہے۔ اس کی وجہ سے میرے جیسے لوگ بھی جو سیاسی جلسوں سے دور رہتے ہیں، اب پاکستان کی تحریک میں حصہ لے رہے ہیں اور دوسرا نوجوان منظور احمد جس کے ساتھ میری بیٹی کی نسبت قرار پائی ہے۔ اس کا ہم مکتب اور دوست ہے۔ اور ہر بات میں یوسف کی تقلید کرتا ہے۔ منظور زمینداروں کے ایک شریف گھرانے سے تعلق رکھتا ہے اور اس کے بعض عزیز کافی تعلیم یافتہ ہیں۔ اور اچھے اچھے عہدوں پر فائز ہیں۔"

عبدالعزیز نے کہا: "مہمانانِ گرامی میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ دونوں بچیوں اور ان کے والدین اور ان سے نیک توقعات رکھنے والوں کے حق میں دعا فرمائیں۔"

دعا کے بعد چند ثانیے ایک سناٹا چھایا رہا اور اس کے بعد میجر صاحب نے کہا: "حضرات اب کھانا شروع کیجئے۔"

ایک نوکر نے دروازے سے باہر آواز دی:

"بی بی جی! دولہا میاں کا کھانے پر انتظار ہو رہا ہے۔"

نسرین نے کہا۔ "نانی جان میرا خیال تھا کہ وہ بھول جائیں گے، لیکن وہ باتیں بھی انہی کے متعلق کر رہے تھے۔"

یوسف مسکراتا ہوا اٹھا۔ اور باہر نکل گیا۔ دسترخوان پر عبدالعزیز نے ہاتھ سے اشارہ کر کے اسے اپنے پاس بٹھا لیا۔ کھانے کے دوران وہ کہہ رہا تھا۔

"بیٹا میں بار بار یہ سوچا کرتا ہوں۔ کہ جب میں نے نسرین سے کوئٹہ سے آگے کشتی اور پھر گاڑی پر سفر کے واقعات سنے تھے تو گورداسپور میں تمہیں دیکھتے ہی مجھے یہ خیال کیوں نہ آیا کہ تم وہی ہو۔ جس نے ڈاکو پکڑنے سے کچھ دن پہلے نسرین اور اس کی نانی کے ساتھ سفر کیا تھا۔"

یوسف نے کہا۔ "جناب میں آپ سے پہلی ملاقات میں ہی بہت متاثر ہوا تھا۔ لیکن یہ معلوم ہونے پر کہ آپ جالندھر کے رہنے والے ہیں۔ میں نے اس خیال سے تفصیلات میں جانے کی کوشش نہ کی کہ کہیں آپ کا ان سے کوئی تعلق نہ نکل آئے۔ آپ کو یاد ہو گا کہ جب آپ مجھے اچانک ایک صبح لاہور والے مکان پر بلانے آئے تھے۔ تو مجھے بہت زیادہ حیرت نہیں ہوئی تھی۔ اور میں کوئی سوال پوچھے بغیر امی جان کے ساتھ چل پڑا تھا۔"

عبدالعزیز نے کہا۔ "بیٹا اللہ جو کرتا ہے، بہتر کرتا ہے۔ چونکہ وہ دلچسپ کہانی جو کوئٹہ سے شروع ہوئی تھی۔ مسوری تک پہنچی تھی۔ اس لئے نہ تم نے نسرین اور اس کی نانی جان کا ذکر کیا نہ میں نے پوچھا۔"

یوسف نے کہا۔ "چچا جان! اس میں شاید قدرت کی ایک اور بھی مصلحت تھی۔ میں نے اچانک اپنی ماں کی موت کا زخم کھانا تھا۔ اور میرے زخموں پر پھاہا رکھنے کے لئے اللہ نے چچی بلقیس کو منتخب کر رکھا تھا۔ میں آپ کا اور ان کا آخری دم تک احسان مند رہوں گا۔"

"بیٹا یہ تمہاری سعادت مندی ہے۔ ورنہ بات یہ ہے۔ کہ فہمیدہ ہمیں بہت عزیز ہے اور ہم نے وہی کیا ہے جو ہمیں اس کے لئے کرنا چاہیئے تھا۔ اور یہ تم نے بڑا اچھا کیا۔ کہ عبدالکریم کی سادہ دل بیٹی کو صحیح راستے پر لے آئے اور اسے ایک ایسا نوجوان تلاش کر دیا۔ جس کے ساتھ وہ خوش رہ سکتی ہے۔"

"چچا جان میں نے امینہ کو سمجھنے میں کبھی غلطی نہیں کی تھی۔ میں جانتا تھا کہ وہ بہت اچھی ہے۔ صرف اسے ایک صاف گو اور شفیق بھائی کی ضرورت تھی۔ اور وہ غیر شعوری طور پر یہ محسوس کرنے لگ گئی تھی۔ کہ میں ہی وہ بھائی ہوں۔ وہ میرا احترام بھی کرتی تھی اور مجھ سے ڈرتی بھی تھی۔ ہمارے درمیان جو فاصلے رہنے چاہئیں تھے وہ کبھی کم نہیں ہوتے تھے۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری چچی کیا کہتی تھی؟"

"جی ہاں، انہوں نے کہا ہو گا کہ میں جادوگر ہوں۔ لیکن چچا جان میرا خیال ہے کہ خلوص میں ایک جادو ہوتا ہے۔"

کھانے کے اختتام پر رخصت ہونے سے پہلے احمد خان نے کہا۔ "بھائی یوسف بہنوں اور بیٹیوں کے لئے میرے گھر میں سامان کا ایک بکس پڑا ہوا ہے۔ اگر بھائی صاحب اجازت دیں تو ابھی نوکر خان محمد کے ساتھ جا کر اٹھا لے آئے۔"

عبدالعزیز نے کہا۔ "خان صاحب آپ کو کسی تکلف کی ضرورت نہ تھی۔"

"نہیں بھئی اگر آپ نے انکار کیا تو ہمیں بہت دکھ ہو گا۔ یوسف صاحب ہمارے بھائی ہیں۔"

"خان صاحب، مجھے معلوم ہے۔ میں بدشگونی نہیں کروں گا، لیکن یہ صبح دیکھا جائے گا۔ اس وقت آپ تکلیف کیوں کرتے ہیں۔"

بھائی صاحب مجھے تکلیف نہیں ہوگی۔ اگر وہ سامان آج رات میرے گھر پڑا رہا تو مجھے بہت تکلیف ہوگی۔"

"بہت اچھا خان صاحب! میں آپ کے ساتھ اپنا نوکر بھیج دیتا ہوں۔"

"یہ آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔ ایک فرض پورا ہو جاتے تو انسان کو خوشی ہوتی ہے۔ یوسف صاحب کو معلوم ہے کہ کون سی چیز کس کے لئے ہے۔ میں نے ان سے چٹیں لکھوا کر بھی لگوا لی تھیں۔"

یوسف نے کہا۔ "خان صاحب! میں جلد آنے کی کوشش کروں گا اور منظور احمد صاحب میرے پاس ٹھہریں گے۔"

"بھائی ایسے کاموں میں جلدی نہیں کیا کرتے۔ تم اطمینان سے آؤ۔ جس وقت آؤ گے۔ میرا نوکر تمہارا راستہ دیکھ رہا ہوگا۔ اور آتے ہی تمہیں کافی مل جائے گی۔"

یوسف کے والد، عبدالعزیز، اُن کے بھائیوں اور میاں عبدالکریم نے انہیں پھاٹک سے باہر آکر رخصت کیا۔ اور عبدالعزیز کے اشارے پر ان کا ایک نوکر فضل دین ان کے ساتھ چل دیئے۔ فضل دین بہت خوش تھا کہ اسے کوئی بہت اہم کام سونپا جا رہا ہے۔ کچھ دیر بعد وہ خوشی خوشی چمڑے کا ایک خوب صورت بکس اٹھائے واپس آیا تو اس نے براہ راست یوسف سے مخاطب ہو کر کہا۔

"جناب! خان صاحب کہتے تھے کہ یہ سامان خاتونِ خانہ تک پہنچایا جائے اور انہیں یہ بتا دیا جائے کہ اس بکس کے اندر جس جس کا حصہ ہے وہ اسے اپنے ہاتھوں سے اسے دیں اور سب سے نیچے ریشمی رومال میں بندھے ہوئے دلہن کے الگ جوڑے ہیں۔ وہ اور یہ بکس اور گٹھڑی میں جو کچھ ہے۔ وہ سب ان کا ہے۔"

رات بارہ بجے کے قریب یوسف، منظور احمد کے ساتھ احمد خان کی قیام گاہ پر پہنچا۔ اور وہ اپنے کمرے میں بستر پر لیٹتے ہی سو گیا۔

صبح وہ ناشتے سے فارغ ہوتے ہو تھے کہ عبدالعزیز، عبدالرحیم اور میاں عبدالکریم وہاں پہنچ گئے۔ احمد خان، اُن کے بیٹے، منظور اور یوسف نے اٹھ کر ان کا خیر مقدم کیا اور نوکر نے ان کے لئے کرسیاں رکھتے ہوئے کہا۔

"صاحب! آپ کے لئے بھی ناشتہ لے آؤں؟"

"نہیں بھئی ہم ناشتہ کر چکے ہیں۔" عبدالرحیم نے کہا۔

پھر وہ احمد خان سے مخاطب ہوا:

"خان صاحب! میں اور عبدالکریم آج واپس جا رہے ہیں مجھے تو چھٹی ہی اتنی ملی تھی اور عبدالکریم صاحب بہت سے ضروری کام چھوڑ کر آئے ہیں۔"

احمد خان نے قدرے پریشان سا ہو کر پوچھا: "بھئی کہیں ہمارے بھائی کو تو لے جانے کا پروگرام نہیں بن گیا؟"

عبدالرحیم نے جواب دیا: "نہیں خان صاحب یوسف آپ کی اجازت کے بغیر یہاں سے نہیں ہلے گا۔ رات اُس نے مجھے بتا دیا تھا کہ آپ نے اسے ایک ذمہ داری سونپ دی ہے۔ جسے وہ بہر حال پورا کرے گا۔ ویسے بھی اسے پہاڑی علاقوں میں گھومنے کا شوق ہے۔"

احمد خان نے کہا۔ "ابھی میں منظور احمد صاحب سے کہہ رہا تھا کہ آپ بھی کچھ عرصہ ہمارے پاس ٹھہر جائیں۔ خان محمد کو اس عمر میں بہت اچھی سوسائٹی کی ضرورت ہے۔ میاں صاحب! آپ کو تو کوئی اعتراض نہیں ہوگا منظور صاحب کے کچھ دن یہاں رہنے پر؟"

"خان صاحب! مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ کالج میں آج کل چھٹیاں ہیں اور چھٹیوں میں یوسف صاحب سے زیادہ وہ اور کہیں سے نہیں سیکھ سکتا۔ کبھی کبھی

میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ میں خود بھی طالب علم ہوتا۔ تو کسی اور کی بجائے یوسف صاحب کے پاس رہنا زیادہ پسند کرتا ——— منظور بیٹا۔ تم اپنے گھر آج ہی خط لکھ دو۔"

"جی میں لکھ دوں گا۔"

احمد خان نے کہا: "میاں صاحب آپ بڑے خوش قسمت ہیں۔ کہ اللہ نے آپ کو یوسف جیسا بیٹا دیا ہے۔ آپ کو اس کے مستقبل کے متعلق پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ دنیا میں جو کام یہ دل لگا کر کرے گا۔ وہی اس کے لئے بہتر ہوگا۔ اس کی مرضی کے خلاف آپ اسے بادشاہت بھی دے دیں تو اسے راس نہیں آئے گی۔ آپ کو معلوم ہے کہ یہ فوج میں ایک افسر بنتے بنتے رہ گیا ہے۔ یہ فیصلہ اس نے اپنی مرضی سے کیا تھا۔ اسے اس بات کا کوئی افسوس نہیں ہے اور نہ ہی ہونا چاہیئے اسے کتابیں لکھنے کا شوق ہے تو اسے پورا کرنے دیجیئے۔ اس کے دل میں یہ حسرت نہیں رہنی چاہیئے کہ میں کتابیں لکھ کر بڑا آدمی بن سکتا تھا۔ لیکن مجھے موقع نہیں ملا۔ اس کے روزگار کے متعلق آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ اپنے شریفانہ گزارے کے لئے اس کو ایک اچھا کام مل گیا ہے اور اگر اس نے زیادہ پیسوں کی ضرورت محسوس کی تو میں ایک دو اور شاگرد اس کے حوالے کر دوں گا۔"

عبدالرحیم نے کہا۔ "خان صاحب میں نے اب ہار مان لی ہے۔ چند ماہ تک میں ریٹائر ہو کر گاؤں چلا جاؤں گا۔ اور اس کے بعد کوئی مجھے یوسف کا راستہ روکتے ہوئے نہیں دیکھے گا۔ میری یہ خواہش ضرور تھی کہ یوسف اچھے نمبروں سے ایم۔ اے کر لے اور انشاء اللہ میری یہ خواہش ضرور پوری ہو جائے گی ——— خاں صاحب! ہر باپ کی طرح میں بھی اپنے بیٹے کے لئے یہی دعا کرتا ہوں کہ اس کی ہر خواہش پوری ہو لیکن ایک بات مجھے بہت پریشان کرتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ میں نے کتابوں سے کسی کو فراغت کی روزی حاصل کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔"

احمد خان نے کہا۔ "سائیں یوسف ہم سے بہت زیادہ جانتا ہے۔ اسے یہ معلوم ہے کہ فراغت سے روزی دینے والی کتابیں کیسی ہوتی ہیں۔ شاید اس نے ایسی کتابیں پڑھی بھی ہوں۔ جو ہم نے نہیں پڑھیں۔ اور پھر اگر خدانخواستہ کبھی خود اس نے یہ سمجھا کہ وہ غلطی پر تھا۔ تو پھر یہ بیوقوف تو نہیں ہے۔ کہ ایک غلط راستے پر بلا وجہ چلتا رہے۔ آپ اس کے والد ہیں۔ اس لئے آپ کو اس کے لئے دعا ہی کرنی چاہیئے۔"

عبدالرحیم اپنے دل میں ایک تلخ گھونٹ پی کر رہ گئے اور بولے: "ہاں خان صاحب آپ ٹھیک ہی کہتے ہیں۔ میں دعا کے سوا اور کر بھی کیا سکتا ہوں۔"

احمد خان نے پوچھا۔ "آپ کی گاڑی کتنے بجے جاتی ہے؟"

عبدالعزیز نے جواب دیا۔ "جناب ابھی تین گھنٹے باقی ہیں۔ یہ کھانا کھا کر آرام سے گاڑی پر سوار ہو جائیں گے۔"

احمد خان نے کہا۔ "میاں صاحب ہم سب آپ کو رخصت کرنے جائیں گے۔"

"نہیں جی بالکل نہیں۔ میں تو عبدالعزیز خاں صاحب کو بھی تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا۔ لیکن یہ چونکہ میرے ساتھ لاہور تک جا رہے ہیں۔ اس لئے میں انہیں روک نہیں سکتا۔ میں اور عبدالکریم صاحب کھانا کھاتے ہی روانہ ہو جائیں گے۔ عبدالعزیز صاحب نے کار کا انتظام کر رکھا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یوسف نے دو تین دن کی چھٹی لی ہے اس لئے میں اسے یہیں سے خدا حافظ کہوں گا۔ تاکہ یہ اپنا کام شروع کر دے ——— بیٹا کبھی کبھی خط لکھ دیا کرنا۔ ورنہ مجھے یہ اطمینان ہے کہ عبدالکریم صاحب کبھی کبھی فون کرتے رہیں گے اور مجھے تمہاری خیریت کی اطلاع ملتی رہا کرے گی۔ میری بہو اور اس کے والدین کے اصرار پر امینہ چند دنوں کے لئے رک گئی ہے۔"

یہ کہہ کر عبدالرحیم اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اور اس نے خان صاحب، ان کے بیٹے خان محمد اور منظور سے مصافحہ کیا۔ جب یوسف کی باری آئی تو وہ باپ سے لپٹ گیا اور بولا:

"ابا جی میں نے جو گستاخیاں کی ہیں۔ اس کے لئے میں معافی کا خواست گار ہوں۔"

باپ نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا: "بیٹا مجھے کبھی کبھی اس بات پر بھی غصہ آتا ہے کہ تم نے کوئی گستاخی نہیں کی۔ اور میں اس بات پہ بھی پریشان ہو جاتا ہوں کہ میں تم سے کیوں ناراض ہوتا تھا۔ دیکھو اب میں بوڑھا بھی تو ہو چکا ہوں ناں۔"

"ابا جی آپ ہی تو یہ کہا کرتے ہیں۔ کہ اچھے بیٹوں کے والدین کبھی بوڑھے نہیں ہوتے میں نیک نیتی سے کوشش کروں گا۔ کہ آپ مجھے اچھا سمجھنے لگ جائیں۔"

وہ چلے گئے۔ اور یوسف کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا۔ اسے اپنے دل کی کیفیت کا صحیح اندازہ نہ تھا۔

احمد خان نے کہا: "یوسف بھائی اگر آپ اسی طرح سوچتے رہے تو یہ دن بہت لمبا ہو جائے گا۔ کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ آپ کچھ دیر کے لئے اپنے عزیزوں سے مل آئیں آخر آپ کا نکاح بھی تو ہو چکا ہے نا۔"

"خان صاحب میں وہاں ہر وقت جا سکتا ہوں۔ اس وقت میں یہ سوچ رہا ہوں کہ مجھے فوراً اپنے کام میں مصروف ہو جانا چاہیے اور منظور صاحب میری مدد کریں گے۔ خان محمد! آپ اپنی کتابیں نکال کر پانچ منٹ کے اندر اندر تیار ہو جائیں۔ میں اور منظور صاحب آپ کے کمرے میں آتے ہیں۔"

احمد خان نے کہا: "یوسف بھائی اگر اجازت ہو تو میں بھی وہاں خاموشی سے ایک طرف بیٹھ جاؤں؟"

یوسف نے کہا: "خان صاحب ضرور آئیے۔"

تھوڑی دیر بعد وہ خاموشی سے یوسف کی گفتگو سن رہے تھے وہ کہہ رہا تھا:

"دیکھو خان محمد! پچھلے دنوں آپ کا جو وقت ضائع ہوا ہے۔ اس کی تلافی کے

لئے ہمیں چند روز زیادہ کام کرنا پڑے گا۔ آج دو گھنٹے آپ کو حساب، ڈیڑھ گھنٹہ انگریزی ایک گھنٹہ تاریخ اور جغرافیہ پر صرف کرنا ہو گا۔ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد آپ کو چار گھنٹے آرام کرنے یا اپنی مرضی سے کچھ پڑھنے کے لئے دیئے جائیں گے۔ شام کو چائے پر میں تمہارے سوالات کا جواب دیا کروں گا۔ تمہارے ذہن میں جو سوال آئیں۔ وہ مجھ سے پوچھا کرو۔ خواہ وہ تاریخ کے متعلق ہوں یا جغرافیہ اور دین کے متعلق ہوں۔ جو الجھن تمہارے دماغ میں ہوا کرے۔ اسے بلا تکلف بیان کیا کرو۔ جو شخص شکوک و شبہات میں مبتلا رہتا ہے۔ اس کے لئے علم کے دروازے نہیں کھلتے ہیں۔ یہ زمین۔ یہ فضا، یہ ہوائیں، یہ پہاڑ، یہ دریا، یہ موسموں کے انقلاب یہ سب ایسی چیزیں ہیں۔ جن کا علم کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ اور حقیقی علم ہمیں اس خالقِ اکبر کی طرف لے جاتا ہے۔ جس کے حکم کے بغیر ایک پتہ بھی نہیں ہل سکتا۔ چھوٹی سے چھوٹی چیزیں اور بڑی سے بڑی چیزیں تمہارے لئے علوم کے خزانے رکھتی ہیں۔ تم جتنا پڑھو گے اسی قدر محسوس کرو گے کہ تم نے بہت پڑھنا ہے۔ اور علم کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ تم اٹھتے بیٹھتے بھی مجھ سے پوچھتے رہا کرو۔ اور پھر تمہاری ذہانت ان لوگوں کی طرف تمہاری راہنمائی کرے گی۔ جو مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ تم عام لوگوں کے ساتھ اس اعتماد اور یقین کے ساتھ بات کیا کرو گے۔ جس طرح آج میں تم سے باتیں کر رہا ہوں۔ یہ قدرت کا ایک اتفاق تھا۔ کہ تمہارے ابا جان سے میری ملاقات ہو گئی۔ اور انہیں میری کوئی بات پسند آ گئی تھی۔ اور پھر ہم ایک دوسرے سے قریب آ گئے تھے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھاؤ۔"

احمد خان نے کہا: "بھئی اس کا مطلب تو یہ ہے کہ میں بھی آپ سے بہت کچھ سیکھوں گا۔ مجھے بھی ابھی بہت کچھ جاننے کی ضرورت ہے۔ اب آپ خان محمد کو کچھ پڑھا لیں اور اس کے بعد میری خواہش ہے کہ آپ کچھ وقت اطمینان سے اپنے سسرال

کے ہاں گزاریں۔ انہیں یہ احساس نہیں ہونا چاہیئے کہ صاحب زادہ کسی کام میں جتا ہُوا ہے۔"

یوسف نے ہنستے ہُوئے کہا: "خان صاحب! وہ لوگ جس قدر مجھے جانتے ہیں۔ اسی قدر آپ کو جانتے ہیں اور آپ کو میرا بڑا بھائی سمجھتے ہیں۔"

احمد خان نے کہا: "اچھا تو بھائی آپ کچھ دیر خان محمد کو حساب اور انگریزی وغیرہ پڑھائیں اور کھانا کھاتے ہی وہاں سے ہو آئیں۔ آج آپ کو اس سے زیادہ کچھ اور نہیں کرنا چاہیئے۔"

منظور احمد نے کہا: "خان صاحب میرا خیال ہے کہ یہ ابھی وہاں جائیں اور کھانا وہیں کھائیں۔ تو انہیں زیادہ خوشی ہوگی۔ خان محمد کو مَیں پڑھاؤں گا۔"

"یہ بالکل ٹھیک ہے۔ بھائی یوسف تم جاؤ۔ لیکن ٹھہرو۔" یہ کہہ کر وہ دوسرے کمرے میں گیا۔ اور وہاں سے چند نوٹ لا کر یوسف کو پیش کرتے ہُوئے بولا:

"بھئی یہ بات مجھے بہت پہلے سوچنی چاہیئے تھی۔ یہ سات سو روپیہ تمہیں ادھار دے رہا ہوں۔ یہ تھوڑا تھوڑا کر کے تمہاری تنخواہ سے کٹتا رہے گا۔ ایسے موقعوں پر آپ کی جیب خالی نہیں رہنی چاہیئے۔"

یوسف نے جواب دیا: "خان صاحب شکریہ، لیکن میری جیب خالی نہیں ہے رات اباجی نے مجھے پانچ سو روپے دیئے تھے اور یہاں جو پیسے تقسیم ہونے تھے وہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے کر دیئے تھے۔"

احمد خان نے کہا: "بھائی پھر بھی یہ اپنے پاس رکھو۔ اگر مجھے ضرورت پڑ گئی تو میں تم سے لے لوں گا۔ یہ روپے میرے پاس فالتو ہیں اور اسی مقصد کے لئے رکھے ہوئے تھے کہ جب تمہیں ضرورت پڑے گی تو کام آئیں گے۔"

یوسف نے نوٹ پکڑ کر اپنے کوٹ کی جیب میں ڈال لئے اور کچھ دیر تذبذب

کی حالت میں کھڑا رہا ——————

"سائیں اب جاؤ ناں!"

یوسف نے ہنستے ہوئے "اچھا جی السلام علیکم" کہا اور وہاں سے چل دیا۔

سڑک پر اس کے قدموں کی رفتار اور دل کی دھڑکن ہر لحظہ تیز ہو رہی تھی۔ پھر گھر کے قریب اُس کی رفتار اچانک سست ہو گئی اور وہ آگے بڑھتے ہوئے ایک جھجک سی محسوس کر رہا تھا۔ برآمدے میں اسے نسرین دکھائی دی۔ اور اس نے ہنستے ہوتے کہا۔

"بھائی جان یہی گھر ہے۔" اور بھاگتی ہوئی اس سے لپٹ گئی۔

یوسف نے کہا۔ "خدا کا شکر ہے کہ تم نظر آگئیں۔ ورنہ میں سمجھا تھا کہ میں کسی اور جگہ آگیا ہوں۔"

"واہ بھائی جان۔ اتنے بھولے بھی نہیں ہیں آپ۔ آپ یہ دیکھ کر پریشان ہوتے ہوں گے۔ کہ گھر میں رونق کیوں نہیں۔ بات یہ ہوئی کہ وہ سب چچا عبدالعزیز آپ کے ابا جان اور امینہ باجی کے ابا جان کے ساتھ چلے گئے ہیں۔ وہ انہیں اسٹیشن سے رخصت کر کے دوپہر دو دن میں اپنے گھر چلے جائیں گے۔ امی جان باورچی خانے میں ہیں چچی جان بھی وہیں تھیں۔ اب وہ نانی جان سے باتیں کر رہی ہیں۔ اور ——؟"

یوسف اس کی طرف جواب طلب نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ نسرین نے قدرے توقف کے بعد کہا: "آپا فہمیدہ اور آپا امینہ اسی کمرے میں بیٹھی ہوئی ہیں۔ آپ دبے پاؤں ان کے کمرے میں جائیں۔ اور پھر دیکھیں وہ کیا کرتی ہیں۔ ایسی خاموش ہو جائیں گی جیسے کبھی بولی ہی نہیں —— بھائی جان آپ کو یقین نہیں آئے گا۔ کہ وہ دونوں گھنٹوں باتیں کرتی رہتی ہیں۔"

"نسرین یہ بہتر نہیں ہو گا کہ میں پہلے ماں جی، چچی اور تمہاری امی کو سلام کر آؤں۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے بھائی جان۔ دیکھئے امی جان تو خود ہی آگئیں۔"

یوسف نے السلام علیکم کہا اور صفیہ دعائیں دیتی ہوئی اسے اپنے ساتھ نانی اماں اور بلقیس کے پاس لے گئی۔ نانی نے اٹھ کر پیار سے اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا:

"بیٹا تم کہاں غائب ہو گئے تھے؟"

"ہاں جی میں غائب تو نہیں ہوا تھا۔ چچی جان کو معلوم ہے کہ میں یہاں پاس ہی ایک جگہ رہتا ہوں۔ جب آپ کا حکم ملا کرے گا۔ میں بھاگ آیا کروں گا۔"

بیگم احمد نے کہا: "ارے بیٹا زندگی کی مجبوریوں کا کوئی علاج نہیں۔ ورنہ میں تمہیں پل بھر کے لئے بھی اپنی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیتی۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تم فہمیدہ سے ملے ہو؟"

"جی میں سب سے پہلے آپ کے پاس آیا ہوں۔"

"بیٹا یہ تو کوئی اچھی بات نہیں۔ تمہیں گھر آ کر سب سے پہلے فہمیدہ کے متعلق پوچھنا چاہیئے تھا۔ اسے شاید یہ بھی معلوم نہیں کہ تم یہاں ہو، یا اپنے ابا جی کے ساتھ واپس چلے گئے ہو۔"

بلقیس نے جواب دیا۔ "خالہ جان، یوسف کے متعلق مجھے یہ اطمینان ہے کہ یہ کوئی کام کرنے سے پہلے کئی بار فہمیدہ سے پوچھا کرے گا۔"

"بیٹی ایسا آدمی تو بڑا الّو ہوتا ہے۔ اور میرا بیٹا یوسف قطعاً ایسا نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ دونوں اہم معاملات میں ایک دوسرے کا مشورہ لیا کریں گے۔ حکم چلانے کی نہ میری بیٹی فہمیدہ کو عادت ہے۔ نہ یوسف کو۔"

یوسف نے کہا: "ہاں جی، ہمیں ہمیشہ آپ کی دعاؤں کی ضرورت رہے گی۔"

"بیٹا میں جن کے ساتھ پیار کرتی ہوں ان کے لئے ہر سانس کے ساتھ دعا کرتی

ہوں۔ اور شاید تمہیں اب یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ تم اور فہمیدہ مجھے کتنے پیارے ہو۔"

"اور میں نانی جان!" نسرین نے آگے بڑھ کر کہا۔

"ارے تم تو میری آنکھوں کا نور ہو۔"

صفیہ نے کہا: "بیٹا تمہاری منہ بولی بہن بہت اداس تھی۔ میں کھانا لگوا رہی ہوں تم ان دونوں کو لے کر کھانے کے کمرے میں آجاؤ۔"

بلقیس نے کہا۔ "ہاں بیٹا جاؤ۔"

نسرین دبے پاؤں یوسف کے آگے آگے چل دی۔ اس نے آہستہ سے کمرے کا دروازہ کھولا۔ اور کہا: "معزز خواتین! دیکھئے کون آیا ہے۔"

وہ باتیں کرتے کرتے اچانک خاموش ہو گئیں۔ فہمیدہ نے گردن جھکالی اور امینہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

یوسف نے امینہ کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا: "امینہ بہن آپ اداس تو نہیں ہوئیں؟"

اس نے جواب دیا: "نہیں بھائی جان فہمیدہ کے پاس بیٹھ کر کون اداس ہو سکتا ہے۔ میں تو ایسا محسوس کرتی ہوں کہ مجھے اس کی طرف دیکھنے اور اس کی میٹھی میٹھی باتیں سننے کے سوا کوئی اور کام نہیں ہونا چاہیئے۔"

یوسف نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "مجھے اپنی بہن سے یہی توقع تھی۔ شاید چچی جان نے فہمیدہ کو بتا دیا ہوگا۔ کہ آپ میرا کتنا خیال رکھتی تھیں۔"

فہمیدہ نے کہا۔ "جی انہوں نے بھی کچھ بتایا ہے۔ لیکن جو باتیں آپ سے متعلق ہیں وہ میں بار بار سننا چاہتی ہوں۔ ان سے بھی اور آپ سے بھی۔"

یوسف نے جواب دیا۔ "فرصت کے وقت میں گزرے ہوئے ایام کے متعلق باتیں کرتے ہوئے تھکاوٹ محسوس نہیں کیا کروں گا۔ لیکن آج سے میں اپنے کام میں

مصروف ہو جاؤں گا۔ اور جو مسودے آپ کے پاس ہیں۔ وہ میں کبھی کبھی آ کر پڑھ لیا کروں گا۔ میں انشاء اللہ آئندہ دو تین ماہ کے اندر اندر اپنی وہ تصنیف جو اس دنیا سے مجھے متعارف کروائے گی۔ لکھ لوں گا۔ اور اس کے ساتھ ہی دوسری کتاب لکھنا شروع کر دوں گا۔ میں ایسا محسوس کرتا ہوں۔ کہ پہلی تصنیف کے اختتام پر جس قدر مجھے خوشی ہوگی اسی قدر مجھے اس کی اشاعت کے لیے دِقتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جو ناشر نئے مصنفوں سے گھبراتے ہیں۔ وہ بہترین کتاب کے لیے بھی یہ عذر پیش کریں گے۔ کہ جنگ کی وجہ سے کاغذ نایاب ہو چکا ہے۔ اس بات کا امکان ہے کہ جنگ کے اختتام کے بعد بھی کافی عرصہ یہی حالت رہے گی۔"

فہمیدہ بولی۔ "آپ اس بات پر کیوں پریشان ہوتے ہیں۔ آپ اطمینان سے لکھتے رہیں۔ مجھے اس بات کا پورا یقین ہے کہ جب آپ کی پہلی کتاب شائع ہوگی تو اس کے بعد آپ کے لیے کامیابی کے تمام راستے کھل جائیں گے۔"

یوسف نے کہا۔ "فہمیدہ میں اس بات سے بہت ڈرتا ہوں کہ چند سال بعد بھی صرف میری رفیقۂ حیات ہی مجھے کامیاب مصنف کی حیثیت سے جانتی ہو۔ اور باقی دنیا میرا اس قدر مذاق اڑاتی ہو۔ کہ آپ بھی میری دماغی حالت پر شک کرنے لگیں۔"

فہمیدہ نے پہلی بار اس کی طرف غور سے دیکھا اور کہا۔ "آپ میری طرف دیکھ کر یہ بات کہہ سکتے ہیں؟"

"نہیں۔ لیکن اس بات سے مجھے بہت خوف محسوس ہوتا ہے کہ میری یہ پہلی منزل کہیں اتنی دُور نہ چلی جائے کہ میرے ساتھ چلتے ہُوئے آپ کے پاؤں زخمی ہو جائیں۔"

فہمیدہ نے مسکراتے ہوئے کہا: "میں ان زخموں کو بھی قدرت کا ایک عطیہ سمجھوں گی۔ کیوں امینہ؟ میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا؟"

"بات تو آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ لیکن میں یہ کبھی نہیں چاہوں گی۔ کہ آپ میں سے کسی کے پاؤں زخمی ہو جائیں۔ کاش! اللہ مجھے اتنی ہمت دیتا کہ میں آپ کے اور بھائی جان کے راستے کا ہر کانٹا مسل سکتی۔"

صفیہ کی آواز سنائی دی۔

"یوسف بیٹے آؤ۔ کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔"

چند ثانیے بعد وہ دسترخوان پر بیٹھے ہوتے تھے۔ بیگم احمد کہہ رہی تھیں۔ "بیٹے میں تم میں سے کسی کے چہرے پر خوشی نہیں دیکھ رہی۔ میں یہ محسوس کر رہی ہوں کہ تم کسی سنجیدہ موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔"

یوسف نے جواب دیا۔ "ہاں جی میں کل سے یہ محسوس کر رہا ہوں کہ مجھے اب سنجیدہ ہو جانا چاہیئے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے بیٹا، لیکن جو مسکراہٹیں لوگوں کے چہرے خوب صورت بنا دیتی ہیں۔ وہ بھی قدرت کا ایک عطیہ ہوتی ہیں۔ ہمیں اس کی بھی قدر کرنی چاہیئے۔"

"ہاں جی۔ آپ بالکل درست فرماتی ہیں۔ فہمیدہ تو چہرے کو جس طرح بھی بنالے مسکراتی ہوئی نظر آتی ہے۔ لیکن میں اپنی اصلاح کرنے کی کوشش کروں گا۔"

بیگم احمد نے خوش ہو کر کہا۔ "بیٹا خدا تمہیں خوش رکھے۔ اب اطمینان سے کھانا کھاؤ۔ اور ہمیں کوئی دلچسپ بات سناؤ۔"

نسرین نے کہا۔ "نانی جان ہم نے تو آپا فہمیدہ کو اور بھائی جان کو بہت اطمینان دلایا ہے کہ اب چوہیچ کا کوئی خطرہ نہیں رہا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اطمینان نہیں ہوا۔ کبھی کبھی یہ مغموم ہو جاتے ہیں۔"

"ارے وہ چوہیچ کون ہے؟" بیگم احمد نے پوچھا۔

نسرین بولی۔ "نانی جان وہ چھوٹے چچا کا دوست جس نے ہمیں اتنا پریشان کیا تھا

میں نے اس کی تصویر دیکھتے ہی اس کا نام چونچ رکھ دیا تھا۔"

بیگم احمد نے صفیہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "بیٹی تم نے ان کو یہ نہیں بتایا کہ فہمیدہ کے ابا اور چچا کیا پروگرام بنا کر دہرہ دون گئے ہیں۔"

"امی جان مجھے موقع نہیں ملا۔ اور میں نہیں سمجھتی تھی کہ ان کو کوئی پریشانی ہے۔ جس کو دور کرنے کے لئے یہ بتانا ضروری ہے۔"

نسرین نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔ "امی جان پریشان تو ہیں یہ آپ نے ان کو تسلی دینے کے لئے کہا بھی تو کچھ نہیں۔"

صفیہ نے یوسف سے مخاطب ہو کر کہا: بیٹا! فہمیدہ کے ابا جان اور چچا نے میجر صاحب کے ساتھ یہ پروگرام بنایا تھا کہ وہ مہمانوں کو رخصت کرنے کے بعد ان کے گھر سے لندن میں اپنے چھوٹے بھائی کو فون کریں گے اور اسے یہ بتائیں گے۔ کہ کل ایک شریف خاندان کے لڑکے کے ساتھ فہمیدہ کا نکاح ہو چکا ہے۔ اور میجر صاحب اس بات پر خوشی کا اظہار کریں گے۔"

نسرین نے کہا: "امی جان چھوٹے چچا کو یہ نہیں بتایا جائے گا۔ کہ اب چونچ صاحب کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں؟"

بلقیس نے کہا۔ "بیٹی اب اس کے ساتھ تمہاری عداوت ختم ہو جانی چاہیے۔ اگر وہ کبھی تمہارے چھوٹے چچا کے دوست کی حیثیت سے یہاں آیا تو تمہیں اس کی عزت کرنی پڑے گی۔"

"چچی جان! اگر وہ نیک نیتی سے آیا۔ تو میرا دل بھی صاف ہو جائے گا، لیکن اگر میں نے یہ محسوس کیا کہ وہ بھائی جان سے کینہ رکھتا ہے تو میں اسے قابلِ معافی نہیں سمجھوں گی۔ میں چچا جان کو بھی معاف نہیں کروں گی۔"

عشاء کی نماز کے فوراً بعد یوسف نے احمد خان، خان محمد اور منظور کے ساتھ کھانا کھایا اور اٹھتے ہوئے کہا: خان صاحب مجھے اجازت دیجئے آج سے میرا لکھنے کا کام پوری رفتار سے شروع ہو جائیگا۔ اور آئندہ دو تین ماہ کے لئے میں کبھی سویا ہوا بھی ہوں تو آپ مجھے وقت پر اٹھا دیا کریں۔ ورنہ جتنی دیر سے میں اٹھا کروں گا۔ اتنی دیر زیادہ مجھے جاگنا پڑیگا۔"

"بھئی یہ خان محمد کی ڈیوٹی ہے۔ مجھے یہ بتاؤ کہ دو گھنٹے کے بعد میں تمہیں کافی بھجوا دوں؟"

"اچھا جی، نوکر سے کہہ دیں کہ سونے سے پہلے مجھے کافی دے جائے۔"

تھوڑی دیر بعد یوسف کے سامنے تپائی پر اس کا قلم اور لکھنے کے کاغذ پڑے ہوئے تھے۔ اور وہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگ رہا تھا۔

"میرے اللہ جو کام میں شروع کر رہا ہوں۔ اس کے لئے تجھ سے ہمت اور برکت کا طلب گار ہوں۔"

اور پھر اس نے کچھ دیر سوچنے کے بعد قلم اٹھایا اور لکھنا شروع کر دیا۔ ایک ناول کا پورا پلاٹ اس کے ذہن میں تھا۔ اور سفید اور چکنے کاغذ پر جو اس نے تین ماہ قبل لاہور سے اپنی کتاب کے مسودہ کے لئے خریدا تھا اس کا قلم نہایت روانی سے چل رہا تھا۔ جب اس نے کچھ تھکاوٹ محسوس کرتے ہوئے اپنی گھڑی کی طرف دیکھا تو دو بج چکے تھے اور منظور اپنے بستر پر آرام سے سو رہا تھا۔ اس کے بائیں ہاتھ تپائی پر کافی کی پیالی پڑی تھی۔ جو ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ اسے یہ معلوم نہ تھا کہ منظور کمرے میں کب آیا ہے۔ اور نوکر کافی کب رکھ گیا تھا۔ اس نے ٹھنڈی کافی کی بجائے میز پر رکھے ہوئے جگ میں سے پانی کا ایک گلاس بھر کر پیا۔ اور چند منٹ سوچنے کے بعد پھر لکھنے میں مصروف ہو گیا۔

مسجد سے اذان کی آواز سنائی دی۔ تو اس نے قلم رکھ دیا۔ اٹھ کر وضو کیا۔ اور لالٹین

میں جا نماز بچھا کر نماز کے لئے کھڑا ہو گیا۔ وہ نماز سے فارغ ہو کر اٹھا، تو احمد خان نے اپنے کمرے سے نکلتے ہوئے کہا۔

"یوسف صاحب آپ ساری رات لکھتے رہے ہیں؟"

"خان صاحب جب مجھ پر لکھنے کا موڈ طاری ہوتا ہے تو وقت گزرتا ہوا محسوس نہیں ہوتا۔ مجھے یہ احساس نہیں ہوا کہ منظور صاحب کب آکر سو گئے تھے اور نوکر کس وقت کافی رکھ گیا تھا۔"

احمد خان نے کہا۔ "بھائی یہ بہتر نہیں ہو گا کہ آپ فوراً اپنے بستر پر لیٹ جائیں اور جی بھر کر سوئیں۔ آپ کے کمرے میں کوئی نہیں آئے گا۔ میرا خیال ہے کہ میں منظور صاحب کو یہ بتا دوں کہ وہ چپکے سے اٹھ کر ڈرائنگ روم میں آجائیں۔ اور آپ کی نیند خراب نہ کریں۔"

"جی اسے کہنے کی ضرورت نہیں۔ اسے میری تمام اچھی اور بُری عادات معلوم ہیں۔"

"اچھا بھئی اب جا کر سو جاؤ۔"

یوسف جا کر بستر پر لیٹ گیا اور چند منٹ بعد وہ گہری نیند سو رہا تھا۔

صبح ناشتہ پر احمد خاں، خان محمد سے کہہ رہا تھا۔ "بیٹا! جن لوگوں نے دنیا میں کچھ پایا ہوتا ہے۔ وہ اسی طرح کام کرتے ہیں۔ منظور صاحب آپ اپنے دوست کو بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔ کیا یہ اسی طرح ساری ساری رات کام کیا کرتے ہیں؟"

"خان صاحب یہ ان کے موڈ پر منحصر ہے۔ اگر موڈ ہو تو وہ کئی راتیں اسی طرح جاگ سکتے ہیں۔ اگر موڈ نہ ہو تو وہ کئی دن پہاڑوں میں گھومتے رہیں گے۔ یا ان کی دلچسپیاں گھوڑے کی سواری تیرنے اور کشتی رانی تک محدود ہو کر رہ جاتی ہیں۔ کبھی پڑھنے کا جنون طاری ہوتا ہے۔ تو یہ بڑی بڑی کتابیں اٹھا لاتے ہیں۔ اور دن رات پڑھنے میں گزار دیتے ہیں۔"

"خدا کا شکر ہے کہ ان تمام باتوں کے باوجود ان کی صحت بہت اچھی ہے۔"

"خان صاحب صحت کا راز تو خوش رہنے میں ہے۔ اور یوسف صاحب ہمیشہ خوش

رہتے ہیں۔ ان کے اوپر سے پہاڑ گزر جائے تو بھی یہ کسی کو احساس نہیں ہونے دیتے کہ انہیں کوئی تکلیف ہو رہی ہے۔ خاں صاحب ایک اور عجیب چیز جو میں نے ان میں دیکھی ہے وہ یہ ہے کہ ان کے دل میں اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں۔ یہ ان لوگوں میں سے ہیں۔ جو خطرے سے بھاگنے کی بجائے۔ خطرہ کا سامنا کرنے کے لئے بھاگتے ہیں۔"

"ارے بھائی یہ تو میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں۔ بیٹا خان محمد۔ تم نے اپنے استاد سے بہت کچھ سیکھنا ہے۔ اگر تم میں یوسف کی ایک خوبی بھی پیدا ہو گئی۔ تو بھی میں تم پر فخر کروں گا۔"

منظور نے کہا۔ "خان صاحب، یوسف صاحب کی وجہ سے کئی جوانوں کی زندگی میں انقلاب آیا ہے۔ میں اس بات کا گواہ ہوں۔ کیونکہ میرے اندر اگر کوئی اچھائی پیدا ہوئی ہے تو وہ ان کی وجہ سے ہے۔ اور خان محمد تو ابھی بچہ ہے۔ انشاء اللہ یہ یوسف صاحب سے اتنا ضرور سیکھے گا۔ جتنا کہ ایک چھوٹا بھائی اپنے بڑے بھائی سے سیکھ سکتا ہے۔"

احمد خان نے کہا۔ "بھئی میں تو کوہِ مردار کے بھیڑیوں کا شکر گزار ہوں کہ ان کی وجہ سے یوسف صاحب میرے دل کے اتنا قریب آگئے۔"

منظور کے استفسار پر احمد خان نے کوہِ مردار کی سیر کا واقعہ سنانا شروع کر دیا ——— اور اختتام پر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"شاید تم میں سے کسی کو یہ معلوم نہیں کہ اپنے سسرال سے ان کے خاندان کا تعلق اسی واقعہ سے پیدا ہوا تھا۔"

"خاں صاحب یہ مجھے معلوم ہے۔ کہ اُن کے خاندان کی ایک بزرگ خاتون اور اس کی کمسن نواسی نے اِن کے ساتھ کوئٹہ سے سفر کیا تھا۔ یوسف صاحب نے ان کا ایڈریس لکھوا کر اپنے بیگ میں رکھا ہوا تھا۔ اُمرت سر سے انہوں نے گاڑی ' ' کر لے سوٹ کیس اتارا اور بیگ بھول گئے۔ انہیں اس وقت یاد آیا۔ جب میں اسٹیشن پر اُن سے

بغل گیر ہو رہا تھا۔ اور گاڑی کے پہیے حرکت میں آ چکے تھے۔ اگر میری گرفت زیادہ مضبوط نہ ہوتی تو شاید بھاگ کر وہ اپنا بیگ پکڑ لیتے۔ لیکن مَیں نے انہیں موقع نہ دیا۔"

"پھر ناراض تو وہ بہت ہوئے ہوں گے تم سے؟"

"جی بس لعن طعن کر کے خاموش ہو گئے تھے۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ مجھ سے کوئی حماقت ہو رہی ہے۔"

احمد خان نے کہا۔ "یار مجھے افسوس ہے کہ میں یوسف کا کلاس فیلو نہیں ہوں اور اسے قریب سے نہیں دیکھ سکا۔"

"خان صاحب آپ کو انہیں قریب سے دیکھنے کا جو موقع ملے گا۔ وہ شاید اور کسی کو نہ ملے۔ ایک بات اور کہوں کہیں آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں آپ کو خوش کرنے کے لئے کہہ رہا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ وہ آپ کا بہت احترام کرتے ہیں۔"

"بھئی منظور، تم یقین نہیں کرو گے۔ لیکن میں نے اُسے پہلے دن دیکھتے ہی پہچان لیا تھا۔ اس کے چہرے پر لکھا ہوا ہے کہ اس کی رگوں میں شریف خون ہے اور جس آدمی کی رگوں میں شریف خون ہو۔ وہ ہمیشہ اُن لوگوں کی عزت کرتا ہے۔ جو اُس سے پیار کرتے ہوں۔"

احمد خاں نے باورچی کو بلا کر کہا۔ "بھئی اب کھانا ذرا پہلے تیار کر لیا کرو۔ یوسف صاحب کے لئے ہمیں اپنا کھانے کا وقت تبدیل کرنا پڑے گا ــــ کیوں منظور صاحب ٹھیک ہے ناں؟"

"جی ہاں، وہ اٹھتے ہی غسل کریں گے۔ اور اس کے بعد اگر کھانا تیار ہوا تو یہ اچھی بات ہوگی جب وہ کام میں مصروف ہوتے ہیں تو دیر سے اٹھنے کی وجہ سے ناشتے کی بجائے کھانا کھا لیا کرتے ہیں۔ اور پھر ان کے ذہن میں کسی لمبی سیر کا پروگرام ہوا کرتا ہے ــــ بھائی خان محمد، آپ کو لمبی سیر کا بڑا شوق ہے اور آپ کو عملی تجربہ ہو جائے گا کہ سیر کیا ہوتی ہے۔"

احمد خاں نے کہا: "بھئی میں بھی جاؤں گا۔ صرف ایک خرابی ہے۔ کہ یہ زیادہ تیز چلنے والے لوگ راستے میں کسی سے بات نہیں کیا کرتے۔ اور اگر کوئی ہمارے ساتھ بات نہ کرے تو ہمیں بڑی اکتاہٹ محسوس ہوتی ہے۔"

"خان صاحب یہ کمی میں پوری کر دیا کروں گا۔ ہم یوسف صاحب سے پوچھ لیا کریں گے۔ کہ ہم نے کس طرف جانا ہے اور میں ان کے پیچھے آپ کی رفتار کا ساتھ دیا کروں گا۔ اور اگر یوسف صاحب اور خان محمد بہت آگے نکل جایا کریں گے۔ تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ وہ ہمیں واپسی پر مل جایا کریں گے۔"

"یار یہ ٹھیک رہے گا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم بہت ہی پیچھے رہ جایا کریں گے۔ چند دن مشق کے بعد میں لمبی سیر کا عادی ہو جاؤں گا۔ ہاں بھئی دہرہ دون سے ایک دوست نے شکار کی دعوت دی ہے۔ اگر یوسف کو شیر کے شکار کا شوق ہو تو وہ سارا انتظام کروا دیں گے۔"

عزائم اور حوصلے

کتاب لکھنے میں یوسف کے انہماک کا یہ عالم تھا کہ پانچ دن تک وہ فہمیدہ کے گھر بھی نہ جا سکا۔ چھٹے روز وہ حسبِ معمول دیر سے بیدار ہوا۔ تو امینہ کا نوکر فضل دین اور اس کے ساتھ فہمیدہ کا بھائی ظہیر اس کا انتظار کر رہے تھے۔ خان محمد نے کہا: "یہ صبح سے آئے ہوتے ہیں۔ اور انہیں یہ پریشانی تھی کہ شاید آپ کی صحت خراب ہے۔"

یوسف نے آگے بڑھ کر ظہیر سے مصافحہ کرتے ہوئے پیار سے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "بھئی، تم نے اندر آ کر مجھے جگا لیا ہوتا۔"

ظہیر نے کہا۔ "مجھے آتے ہی معلوم ہوا تھا کہ آپ ساری رات لکھتے رہے ہیں۔"

"گھر میں سب بخیریت ہیں ناں ؟"

"جی ہاں، ابا جان آپ کا پتہ کرتے آ رہے تھے، لیکن نانی جان نے کہا: تم جاؤ اور ان کو ساتھ لے کر آؤ۔"

"بھئی، اگر نانی جان کا حکم تھا۔ پھر تو تمہیں ضرور جگا دینا چاہیئے تھا۔"

"نہیں جی، اگر نانی جان کو یہ پتہ چلتا کہ آپ ساری رات لکھتے رہے ہیں۔ اور میں نے آپ کو جگا دیا ہے تو میری شامت آ جاتی۔"

"بھئی مجھ سے وہ سب بہت ناراض ہوں گے۔ مجھے اب ہر ایک سے معافی مانگنی پڑے گی۔"

"نہیں بھائی جان! ناراض ہونے کی تو کوئی بات نہیں۔ دو دن آپ نہیں آتے تھے۔

تو ہم نے فضل دین کو بھیج دیا تھا۔ اور وہ آپ کے نوکر سے پتہ کر کے واپس آ گیا تھا کہ آپ دیر تک کام کیا کرتے ہیں اور دیر سے اٹھا کرتے ہیں۔ فضل دین ہر روز کسی نہ کسی وقت آپ کے نوکر سے پوچھ جایا کرتا تھا۔ پھر بھی نانی جان کو یہ شک ہو گیا تھا کہ آپ کی صحت ٹھیک نہیں ہے۔"

احمد خان نے کہا۔ "یوسف صاحب آپ نے بھی کمال کیا ہے۔ آپ کو دن میں ایک مرتبہ تو ضرور وہاں جانا چاہیئے تھا۔ اب آپ جلدی سے کھانا کھا لیجئے اور ان کے ساتھ روانہ ہو جائیے۔ اور ان کی نانی جان سے کہیئے کہ اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔"

نوکر نے کھانا لا کر رکھ دیا اور یوسف نے کہا:

"آؤ ظہیر۔"

"جی میں اس وقت تو کچھ بھی نہیں کھاؤں گا۔" —— اس نے جواب دیا۔ "اور شاید آپ نے تو ابھی تک ناشتہ بھی نہیں کیا۔ آپ اس وقت کچھ کھا لیں اور دوپہر کا کھانا آپ ہمارے ساتھ کھائیں۔ گھر میں ابا جان کے جانے سے پہلے سیر کا پروگرام بن رہا تھا۔"

یوسف نے چند نوالے کھانے کے بعد پانی پیا اور اٹھتے ہوئے کہا۔ "خان صاحب میں وہاں سے ہو آؤں۔ منظور صاحب اگر آپ کے لئے کوئی پیغام ہوا تو میں فضل دین کو بھیج دوں گا۔"

وہ ان کے ساتھ کمرے سے نکلا، لیکن صحن میں پہنچ کر بولا "ظہیر! بھئی ایک منٹ ٹھہرو۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

وہ بھاگتا ہوا اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ اور جب واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں اخبار کے اندر لپٹے ہوئے کاغذات تھے۔ اس نے چلتے ہوئے فضل دین سے کہا: "فضل دین آج میں تمہیں پیسے دوں گا۔ مجھے ان کاغذوں کے لئے ایک ہینڈ بیگ کی ضرورت ہے۔ شاید یہاں کسی دکاندار سے مل جائے۔"

ظہیر نے کہا۔ جی اگر یہاں سے نہ ملا تو دہرہ دُون سے مل جائے گا۔ یا کسی دکاندار
سے کہہ کر منگوا لیا جائے گا۔ ورنہ کوئی نہ کوئی وہاں جاتا رہتا ہے۔"

وہ مکان کے اندر داخل ہوتے تو فہمیدہ، امینہ اور نسرین برآمدے میں دکھائی دیں
نسرین نے اٹھ کر آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "بھائی جان آپ نے بہت پریشان کیا۔ اور ظہیر
کے متعلق تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس میں عقل کی تھوڑی کمی ہے لیکن فضل دین کو کیا ہوگیا تھا۔
میں تو یہ سوچ رہی تھی کہ آپ نے کوئی اور ڈاکو پکڑ لیا ہے۔ اور فضل دین نے اسے باندھنا
شروع کر دیا ہے۔"

"دیکھو نسرین، ان میں سے کسی کا بھی کوئی قصور نہیں۔ بات یہ ہوئی تھی۔ کہ میں نے لکھنا
شروع کر دیا ہے۔ صبح ہونے کو آتی ہے تو میں سویا کرتا ہوں۔ اب یہ فیصلہ تمہاری آپا جان
بہتر کر سکتی ہیں۔ کہ جو کچھ میں لکھ رہا ہوں اس کے بعد مجھے سونا چاہیئے یا نہیں۔ تم ان لوگوں
کو قصوروار کہہ سکتی ہو۔ جنہوں نے تمہارے ایلچیوں کو مجھے جگانے کی اجازت نہیں دی۔
لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ اگر کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے فہمیدہ اِن کاغذات پر ایک نظر
ڈال لیں۔ تو ان کا فیصلہ زیادہ درست ہوگا۔"

یہ کہتے ہوئے یوسف نے کاغذات کا بنڈل فہمیدہ کو پیش کر دیا۔

فہمیدہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں پڑھے بغیر یہ کہہ سکتی ہوں۔ کہ اگر
آپ ساری ساری رات لکھتے رہتے ہیں۔ تو یقیناً کوئی اچھی چیز لکھ رہے ہوں گے۔"

یوسف نے جواب دیا۔ "خیال تو میرا بھی یہی ہے۔ لیکن پورا اطمینان مجھے اس وقت
ہوگا۔ جب آپ اسے اچھی طرح پڑھ کر کوئی رائے قائم کریں گی اور اپنی بہن امینہ سے بھی
میں معذرت چاہتا ہوں کہ میں ان کا حال پوچھنے نہیں آسکا۔"

نسرین بولی۔ "اور بھائی جان مجھے یہ شکایت ہے کہ مجھے آپ ہمیشہ بھول جاتے ہیں
آپ کو یہ خیال بھی نہیں آیا ہوگا۔ کہ میں ہر روز فضل دین کو آپ کی خیریت معلوم کرنے کے

لئے بھیجا کرتی تھی۔ اور پھر ان سب کو تسلی دیا کرتی تھی۔"

"اچھا نسرین پہلے مجھے نانی جان کے پاس لے چلو۔ اور ان سے میری سفارش کرو۔"

"بھائی جان میں سفارش کروں یا نہ کروں۔ وہ سخت غصہ کی حالت میں سو گئی ہیں۔
اور مجھے یقین ہے کہ نیند کی حالت میں بھی آپ کی آواز سنیں گی تو دعائیں دیتی ہوئی اٹھیں گی
بھائی جان پہلے میں یہ سمجھتی تھی ہمارے گھر میں سب سے زیادہ آپا فہمیدہ کے لئے دعائیں
کی جاتی ہیں۔ لیکن اب میرا خیال ہے کہ آپ کے لئے زیادہ دعائیں کی جاتی ہیں۔"

نانی نے باہر جھانکتے ہوئے کہا۔ "باتونی لڑکی، بیٹے کو اندر بھی آنے دو گی۔ یا باہر
ہی اس کا مغز کھاتی رہو گی۔"

"دیکھا بھائی جان" نسرین نے ہنستے ہوئے کہا۔ "کسی کی تعریف کرو تو اس سے یہ انعام
ملتا ہے۔ بھائی جان جلدی جائیے نا اندر۔ ورنہ نانی جان مجھے باتونی سے کچھ اور بنا دیں گی۔"

یوسف نے آگے بڑھ کر کہا۔ "نانی جان، میری ننھی بہن کو کچھ نہ کہا کریں۔ یہ بہت معصوم
ہے اور آپ سے بہت پیار کرتی ہے۔"

"شکریہ بھائی جان" نسرین مسکرائی۔

بیگم احمد ہنستی ہوئی یوسف کو لے کر اندر چلی گئیں۔ چند منٹ بعد صفیہ اور بلقیس بھی بیگم
فریدہ احمد کے کمرے میں آگئیں۔ نسرین نے کمرے میں داخل ہوتے ہی کہا۔

"بھائی جان میں نے امی جان اور چچی جان کو بتا دیا ہے کہ آپ کتاب لکھنے میں مصروف
ہو گئے تھے۔ ساری رات لکھتے رہتے تھے اور دن کے وقت سوتے تھے۔ اس لئے یہاں
نہ آسکے۔"

"تمہیں یہ کیسے خیال ہے کہ ہم نے انہیں لکھنے سے منع کیا تھا۔" بلقیس نے تلخ
ہو کر کہا۔

یوسف نے کہا۔ "چچی جان جو کوتاہی مجھ سے ہوتی ہے۔ مجھے اس کا پورا احساس ہے

میں کسی دکان سے فون بھی کر سکتا تھا، لیکن مجھ پر کبھی کبھی ایسا مُوڈ طاری ہوتا ہے۔ جب میں بہت کچھ بھول جاتا ہوں۔ لیکن آئندہ ایسا نہیں ہو گا۔"

بلقیس نے اپنی مسکراہٹ چھپاتے ہوئے کہا۔ "دیکھو یوسف آئندہ کے لئے یہ یاد رکھو کہ ایسا موڈ مجھ پر بھی طاری ہو سکتا ہے۔"

یوسف نے جواب دیا۔ "چچی جان یہ عجیب بات ہے۔ کہ آج میں نے گھر سے نکلتے ہی یہ محسوس کیا تھا۔ کہ میں آپ کا موڈ خراب کرنے کی غلطی کر چکا ہوں۔"

بلقیس ہنس پڑی۔ "بڑے نالائق ہو تم۔"

یوسف نے جواب دیا۔ "چچی جان مجھے نالائق کہہ لیا کریں، لیکن اسی طرح مسکراتی رہا کریں۔ ماں جی سے پوچھ لیجئے کہ آپ مسکراتی ہوئی کتنی اچھی لگتی ہیں۔"

بیگم احمد نے ہنستے ہوئے کہا "ہے تو یہ بات درست، لیکن چالاک بہت ہو تم، ہمیشہ اپنی بات منوا لیتے ہو۔"

"اچھی مائیں ہمیشہ بچوں کی بات مان لیتی ہیں۔"

نسرین نے کہا۔ "بھائی جان امی اور نانی جان بھی تھوڑی بہت ڈانٹ ڈپٹ کرنے کے بعد میری بات مان لیا کرتی ہیں۔"

بلقیس نے کہا۔ "بیٹا! یہ عجیب بات ہے کہ منظور کہیں غائب ہو گیا ہے۔ اور ہمیں مل کر بھی نہیں گیا۔"

"چچی جان وہ غائب نہیں ہوا۔ میرے ساتھ رہتا ہے۔ اور چند دن یہیں رہے گا۔"

صفیہ نے کہا۔ "بیٹا! ہم سب یہاں سے واپسی کی تیاری کر رہے ہیں اور پرسوں اتوار کے روز مسوری کے باہر کسی ندی کے کنارے پکنک کا پروگرام بنا ہے۔ دہرہ دون والے سب یہاں آئیں گے۔ وہ اس جگہ کی بڑی تعریف کرتے تھے۔"

"جی میں وہ جگہ دیکھ آیا ہوں، غالباً اسے کیمپٹی فالز کہتے ہیں۔ میرا خیال تھا کہ وہاں آپ بیگمیں خوش ہوں گی۔ ایک دن میں سیر کرتے کرتے وہاں تک پہنچ گیا تھا۔ یہ ندی ہے۔ جس کا پانی صاف تھا۔ اور جگہ جگہ بے تحاشا ہوتے لوگ نہار رہے تھے۔ اور بعض کناروں پر بال بچوں کے ساتھ آم اور لیچیاں کھا رہے تھے۔ اور جگہ جگہ چھلکوں اور گٹھلیوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے مکھیاں بھی کافی تھیں وہاں۔"

بلقیس نے کہا۔ "واللہ میں وہاں نہیں جاؤں گی۔ میری توبہ۔"

یوسف بولا۔ "ہم ایک اور طرف اسی قدر فاصلہ طے کر کے ایک ایسے پہاڑ تک پہنچ سکتے ہیں۔ جو بہت خوب صورت ہے۔ یہ کسی راجا کی ملکیت ہے۔ جو آٹھ آنہ پہاڑ کی سیر کرنے والوں سے لیتا ہے۔ اور یہی اس کا ذریعہ آمدنی ہے۔"

بیگم احمد نے پوچھا۔ "اس بچارے کو اپنے پہاڑ کے راستوں کی نگرانی کے لئے کافی پہرے دار رکھنے پڑتے ہوں گے۔"

"ماں جی میں نے معلوم کیا تھا راجہ کی فوج کی تعداد تین آدمیوں پر مشتمل ہے۔ ایک آدمی کے پاس توڑے دار بندوق ہے جسے آپ کمانڈر انچیف کہہ سکتی ہیں اور دو کے پاس نیزے ہیں۔ پہاڑ اتنا خوب صورت ہے کہ میں جب چوٹی تک گھوم کر واپس آیا تو میں نے انہیں ایک روپیہ اور دیتے ہوئے کہا کہ بھئی یہ تمہارا انعام ہے۔ یہ آپس میں تقسیم کر لینا بڑا پہریدار دُور تک مجھے رخصت کرنے آیا تھا اور اس نے مجھے کہا، "صاحب، آپ اگر بُرا نہ مانیں تو میری ایک درخواست ہے اور وہ یہ ہے کہ مسوری میں آپ اچھے لوگوں سے ملتے ہوں گے۔ اس پہاڑی کا نام "ہاتھی پاؤں" ہے۔ اگر آپ سیر کا شوق رکھنے والوں کو اس طرف کا راستہ دکھا دیا کریں تو آپ کی بڑی مہربانی ہو گی۔" میرا خیال ہے کہ آپ وہاں جا کر بہت خوش ہوں گی۔ پہاڑ کے نیچے اور دامن میں دو تین صاف ستھری جگہوں پر لکڑی کے بنچ رکھے ہوئے ہیں۔ قریب ہی ایک جگہ چھوٹے سے چشمے سے پانی بھی مل جاتا ہے۔"

صفیہ نے کہا۔ "امی جان میرا خیال ہے کہ یہاں "دھرم سالہ" سے بہتر کوئی جگہ نہیں

ہے۔ وہاں پانی کے چشمے ہیں۔ اتنا ٹھنڈا پانی کہ ہم صرف ایک ایک گھونٹ کر کے پی سکتے ہیں۔ وہاں آبشاریں اور ندیاں ہیں۔ وہاں ہم تھوڑا سا چلنے کے بعد جھیل کے کنارے پہنچ جاتے ہیں۔"

بلقیس نے کہا۔ "بھئی یہاں تو تمہیں دہرہ دون والوں کی وجہ سے آنا پڑا۔ میرا خیال ہے کہ وہ ہاتھی پاؤں بھی ایک مذاق ہی ہو گا۔"

یوسف نے کہا۔ "چچی جان اگر آپ اس طرح سوچیں تو میں آپ کو صرف کیمل بیک روڈ پر صبح و شام گھومنے کے سوا کہیں اور جانے کا مشورہ نہیں دوں گا۔ سوری مجھے اس لئے خوب صورت لگتا ہے کہ یہاں اچانک نسرین نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ اور پھر خالہ جان اور آپ سب مجھے مل گئے تھے۔ ورنہ معلوم نہیں کہ میں کچھ عرصہ بعد کہاں پہنچ گیا ہوتا۔"

بیگم فریدہ احمد نے کہا۔ "بھئی جو لوگ دہرہ دون سے آتے ہیں ان سب کو اسی سڑک پر دو تین چکر لگوا دینا۔ ہم نہیں جاتے کسی پہاڑی پر شہر سے باہر پہاڑیوں پر درندے بھی ہوتے ہیں ورنہ سانپ تو ضرور ہی ہوتے ہیں۔ کیا نام تھا وہ دوسری جگہ کا جہاں ندی بہتی ہے۔ وہاں بھی ہم نہیں جاتے۔ یہ بڑی توند والے بنیے جہاں کھانے پینے کے لئے جاتے ہیں۔ وہاں ہیضہ کے جراثیم ضرور ساتھ لے جاتے ہیں۔ تم نے سنا نہیں کہ ہیضہ اور جگہ ہو یا نہ ہو ہردوار" میں ضرور ہوتا ہے۔ یوسف بیٹا، کیا اچھا ہوتا کہ تم کانگڑہ جاتے اور ہم سب کو خط لکھ کر بلوا لیتے۔"

"ماں جی اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ سب میرے خط پر پہنچ جائیں گے تو میں یہ خط لکھ کر روانہ ہوتا کہ میں کانگڑہ میں فلاں جگہ جا رہا ہوں۔ اگر کسی کو میری تلاش ہو تو وہ وہاں پہنچ جاتے لیکن اُن دنوں حالات نے مجھے اس قدر رنجیدہ بنا دیا تھا کہ اس قسم کی باتیں میرے ذہن میں نہیں آ سکتی تھیں۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں اپنے آپ سے رُوٹھ گیا تھا۔"

"ارے بیٹے! تم میرے پاس کیوں نہ آ گئے۔" بیگم احمد نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ماں جی، میں آپ کو اپنی پریشانیوں میں حصہ دار بنانا نہیں چاہتا تھا۔"

بلقیس نے کہا۔ "تو بیٹا پھر فیصلہ یہی ہے کہ دہرہ دون والے مہمانوں کے ساتھ یہیں آس پاس چکر لگا لیں گے۔ اب تک تمہیں وہ سارے راستے معلوم ہو گئے ہوں گے۔ جن پر مہمانوں کو جلد از جلد تھکایا جا سکتا ہے۔"

"جی یہ بالکل ٹھیک ہو گا۔ میرا خیال ہے کہ اُن کو آتے ہی ناشتہ وغیرہ کھلا کر سیر کے لئے لے چلیں گے۔ اور پھر انشاءاللہ دو گھنٹے کی سیر کے بعد اُن میں سے کوئی شام تک بھی بستر سے اٹھنا پسند نہیں کرے گا۔"

دوسرے کمرے سے امینہ نے نسرین کو آواز دی۔ وہ بھاگ کر گئی اور پھر چند منٹ بعد واپس آکر اپنی ماں کے کان میں کچھ کہہ کر یوسف کی طرف دیکھنے لگی۔

صفیہ نے کہا۔ "بیٹی، جاؤ یوسف کو ابھی بھیجتے ہیں اور وہ چائے پیئے بغیر نہیں جائیں گے۔ اور دیکھو نوکر سے کہنا کہ یوسف کے لئے اچھی سی چائے بنا کر فہمیدہ کے کمرے میں لے جائے۔ فضل دین سے کہنا وہ ان کے لئے کباب بھی تیار کر دے گا۔ اگر یوسف کا نام لو گی تو وہ بڑے اچھے کباب بنائے گا۔"

تھوڑی دیر بعد یوسف دوسرے کمرے کے دروازے کے سامنے پہنچا تو امینہ جو سامنے بیٹھی ہوئی تھی اسے دیکھتے ہی اُٹھ کر کھڑی ہو گئی، لیکن فہمیدہ جو چمڑے کی ایک خوب صورت فائیل میں نتھی کئے ہوئے کاغذات دیکھنے میں منہمک تھی۔ اپنی جگہ بیٹھی رہی۔ امینہ نے کہا۔ "فہمیدہ بہن! اگر کتاب لکھنے والا اچانک سامنے آ جائے۔ تو کتاب کی اہمیت کم نہیں ہو جاتی؟ خصوصاً اس وقت جب کہ آپ ایک دفعہ اسے پڑھ بھی چکی ہوں۔"

فہمیدہ نے اچانک سر اٹھایا، یوسف کی طرف دیکھ کر مسکراتی ہوئی اٹھی اور کہنے لگی "معاف کیجئے! میں کاغذات فائل میں لگانے کے بعد چیک کر رہی تھی۔ کہ مجھے

کوئی غلطی نہ ہو گئی ہو۔ اور چیک کرتے کرتے بعض صفحات دوبارہ پڑھنا شروع کر دیتی تھی"

یوسف نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تو پھر مجھے یہ اطمینان رکھنا چاہیئے۔ کہ میں نصف سے زیادہ کامیابی حاصل کر چکا ہوں"۔

فہمیدہ نے جواب دیا۔ "میں آپ کی کامیابی کے ساتھ نصف کا لفظ کبھی پسند نہیں کروں گی۔ میرے خیال میں اگر کامیابی توقع کے مطابق ہو۔ تو وہ سو فیصد ہوتی ہے۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ناول کی دنیا میں آپ کی کامیابی آپ کی توقع اور اس کے ساتھ میری توقع سے بھی بہت زیادہ ہو گی۔ آپ لکھتے وقت شائع ہونے والی مشکلات کے متعلق نہ سوچا کریں۔ ظہیر جس دکان سے یہ فائل تلاش کر کے لایا تھا۔ میں نے اسے یہ پیغام بھیج دیا ہے کہ ہمیں اس قسم کی نصف درجن فائلیں اور چاہئیں۔ اگر اس سے بہتر ہوں تو بھی ہم خرید لیں گے۔ آئندہ آپ کا ہر مسودہ محفوظ رہنا چاہیئے۔ اور مجھے اس وقت کا انتظار رہے گا۔ جب آپ کے لکھے ہوئے کاغذ کے ہر پرزے کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا"۔

یوسف بولا۔ "فہمیدہ میں تمہارا شکرگزار ہوں۔ کہ تم نے میری خود اعتمادی میں ہمیشہ اضافہ کیا ہے۔ اور اللہ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھاتے ہوئے ہر بار یہ محسوس کیا کرتا ہوں۔ کہ میری دعائیں قبول ہو رہی ہیں اور اس لئے قبول ہو رہی ہیں کہ بہت سے پیار کرنے والوں کی خاموش آوازیں میری فریاد میں شامل ہیں"۔

فہمیدہ بولی۔ "آپ کو امینہ بہن کو بھی یقین دلانا چاہیئے کہ آپ بھی اس کے لئے دعا کیا کرتے ہیں۔ کیونکہ جتنی دعائیں آپ کے لئے یہ کرتی ہیں۔ اتنی کوئی سگی بہن بھی اپنے بھائی کے لئے نہیں کرتی"۔

یوسف نے مسکراتے ہوئے امینہ کی طرف دیکھا۔ "کیوں امینہ! تمہیں یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ میں بھی تمہارے لئے دعا کیا کرتا ہوں۔ میرا مطلب ہے کہ تمہارا دل تمہیں کچھ نہیں بتاتا؟"

امینہ بولی۔ "بھائی جان، جب بھی میرے دل میں کوئی خوشی کی لہر اٹھتی ہے تو میں یہی محسوس کرتی ہوں کہ آپ میرے لئے دعا کر رہے ہوں گے۔ اور پھر مجھے بھی تو آپ نے ہی دعا کرنا سکھایا ہے۔ کبھی کبھی میں سوچا کرتی ہوں کہ فہمیدہ بہن کا گھر جالندھر کی بجائے ہماری طرح کہیں آپ کے پڑوس میں ہوتا تو چند سال میں آپ انہیں کیا کچھ سکھا دیتے"۔

یوسف نے جواب دیا۔ "معلوم نہیں کہ میں انہیں کیا سکھا سکتا تھا۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں غیر شعوری طور پر ان سے بہت کچھ سیکھ جاتا"۔

فہمیدہ بولی۔ "امینہ یہ تمہارے سوال کا درست جواب نہیں دے رہے۔ یہ بھی تو کہا جا سکتا ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے بہت کچھ سیکھتے۔ اور یہ بات کسی کو معلوم نہ ہوتی کہ انہوں نے غیر شعوری طور پر مجھ سے کیا سیکھا ہے۔ لیکن جو کچھ میں سیکھتی وہ سب کو معلوم ہوتا مثلاً میں ان سے گھوڑے کی سواری سیکھتی، بندوق اور پستول چلانا سیکھتی۔ اور اگر یہ ممکن ہوتا تو کسی نہر، جھیل یا دریا میں تیرنا بھی سیکھتی۔ شاید میرے دل میں کشتی چلانے کا شوق بھی پیدا ہو جاتا۔ مجھے اب یہ سوچنا پڑے گا کہ مجھے یہ کیا کچھ نہیں سکھا سکتے تھے۔ لیکن تم تو گاؤں میں ان سے بہت کچھ سیکھ سکتی تھیں"۔

امینہ بولی۔ "توبہ بہن! شہر میں بھی میرے متعلق یہ مشہور تھا کہ میں کسی سے نہیں ڈرتی۔ اور گاؤں میں تو میں یہ سمجھ گئی تھی کہ وہاں بہت آزادی ہو گی۔ لیکن وہاں بھائی یوسف کو دیکھ کر میری جان نکل جاتی تھی۔ آپ دیکھئے نا! انہوں نے اس مشہور ڈاکو کو پکڑا تھا جس کا نام سن کر لوگ سہم جایا کرتے تھے۔ لیکن میرے دل میں ان کے خوف کے ساتھ ایک اور جذبہ بھی پیدا ہو چکا تھا جس کا مجھے دیر تک احساس نہیں ہوا۔ اور وہ ان کی اطاعت کا جذبہ تھا۔ میں ان کی ہر بات پوری سنجیدگی سے سنا کرتی تھی۔ اور ان کے گھر کی خواتین کی باتیں بھی میرے دل پر بہت اثر کیا کرتی تھیں۔ شاید شروع سے ہی میں نے انہیں انسانیت کا قابل فخر نمونہ سمجھ لیا تھا۔ اور میرے لئے ان کا معمولی اشارہ بھی حکم کا درجہ رکھتا تھا۔ میرا بھائی چھوٹا ہے۔ اور

میں یہ محسوس کیا کرتی تھی کہ اگر یوسف صاحب بھی میرے بھائی ہوتے تو میں کتنا فخر کیا کرتی
اور پھر میری زندگی کا اہم ترین دن وہ تھا۔ جب یوسف بھائی نے کسی اور کی بجائے اپنے مستقبل
کے بارے میں براہ راست میرے ساتھ بات کرنے کی ضرورت محسوس کی اور اپنی منگنی کے
متعلق اپنے والد اور میرے والدین کی خواہشات کو نظر انداز کرتے ہوئے مجھے صاف لفظوں
میں یہ کہہ دیا کہ مجھے کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیئے۔ اس وقت اچانک مجھے محسوس ہوا
کہ یہ انسان اتنا بڑا ہے کہ دنیا میں کسی کو فریب نہیں دے سکتا۔ کسی کی دل آزاری برداشت
نہیں کر سکتا۔ اس ایک لمحے کے اندر مجھے یہ احساس ہوا تھا کہ یوسف صاحب میرے بھائی ہیں
اور ہمیشہ میرے بھائی تھے۔ اب مجھے یہ اعتراف کرتے ہوئے کوئی شرم محسوس نہیں ہوتی
کہ ایک ثانیہ کے لئے میں یہ سوچتے ہوئے زمین کے اندر گڑی جا رہی تھی کہ میں نے ان کے
ساتھ منسوب ہو جانے کے تصور سے اپنے مستقبل کے متعلق کیوں سوچا تھا۔ اب میں
اپنے بھائی اور بھابی کے سامنے یہ اعتراف کروں گی کہ ہمارے گھر میں جب منگنی کی رسومات
کی تیاریاں ہو رہی تھیں تو میں تصور میں یوسف صاحب کو غضبناک دیکھ کر ڈر جایا کرتی تھی۔
فہمیدہ بہن آپ یقین نہیں کریں گی، لیکن جس دن میں نے پہلی بار آپ کو غور سے دیکھا
تھا۔ تو میرے دل میں یہ خیال آیا تھا۔ کہ اگر یوسف صاحب میرے بھائی ہوتے تو میں
اپنے والدین سے کہتی کہ میں اپنی ہونے والی بھابی کو دیکھ چکی ہوں۔ یوسف صاحب کی
والدہ کی وفات کے بعد مجھے اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ انہیں فہمیدہ بہن بہت پسند
تھیں۔ پھر حالات ایسے ہو گئے کہ میں خود ایک بھنور کے اندر پھنس کر بے بس ہو گئی تھی۔
میں یہ جانتی تھی کہ مجھے اس بھنور سے نکالنے کے لئے یوسف صاحب کے سوا کوئی میری مدد
نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ میرا بہادر بھائی خود ایک گرداب میں پھنس گیا تھا۔ اچانک یہ ایک دن
ہمارے گھر میں آتے۔ اور میں نے یہ محسوس کیا کہ قدرت نے مجھے اور میرے بھائی کو بھی
گرداب سے باہر نکال لیا ہے۔ لیکن میرا یہ بھائی اب کہیں دور جا رہا ہے۔ مجھے اس وقت

احساس ہوا کہ ہمارے بزرگوں کی غلطیوں کی وجہ سے یوسف صاحب کے لئے اتنی مشکلات
پیدا ہو گئی ہیں کہ وہ اپنی زندگی کے حسین ترین خواب بھول جانے کے لئے تیار ہو گئے ہیں۔
اب وہ کتابیں نہیں لکھیں گے، بلکہ ملازمت کر کے کہیں دور چلے جائیں گے۔ یہ جاتے
جاتے مجھے بہت سا حوصلہ دے گئے۔ لیکن اس کے بعد میں چھپ چھپ کر رویا کرتی
تھی۔ کہ میرا بھائی زخم خوردہ ہو گیا ہے۔ منظور صاحب جن سے وہ مجھے متعارف کروا گئے
تھے۔ میرے لئے بہت بڑا سہارا ثابت ہوئے۔ لیکن اس مسئلے پر ان سے کوئی بات کرنے
سے پہلے میں نے ایک رات اپنے دل میں یہ فیصلہ کیا کہ میں چچی بلقیس کے ہاں جاؤں گی
خدا کا شکر ہے کہ میرا یہ فیصلہ درست تھا۔ اور چچی بلقیس میری باتیں سن کر جس قدر تڑپی تھیں
وہ میں بیان نہیں کر سکتی۔ پھر میرے دل میں وہی جنون تھا جو ایک بہن کے دل میں اپنے
بھائی کے لئے ہو سکتا ہے۔ میں اپنے ابا کو لے کر یوسف صاحب کے والد کے پاس
پہنچی۔ کہتے ہیں کہ وہ سخت دل ہیں۔ لیکن کوئی باپ بھی سخت دل نہیں ہوتا اور یوسف صاحب
کے والد کی تو یہ حالت تھی کہ وہ میری باتیں سننے کے بعد بڑی مشکل سے اپنے آنسو ضبط کر رہے
تھے۔"

یوسف نے کہا۔ "میری بہن مجھے تو یہ بھی یاد نہیں رہا کہ آپ کو کس نے چھیڑ دیا ہے۔
آپ نے اتنی باتیں کہہ دی ہیں کہ مجھے فہمیدہ بھی رونے کی تیاریاں کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔"

نسرین جو دروازے کی اوٹ میں کھڑی تھی۔ اندر داخل ہوئی اور اس نے کہا: "خدا
کے لئے آپا جان اب تو رونا دھونا چھوڑ دیجئے۔ اب تو فضل دین نے بازار سے گوشت
لا کر گرم گرم کباب بھی تیار کر لئے ہیں، اور چائے دم ہو رہی ہے۔ اگر اجازت ہو تو لے
آؤں۔ ورنہ نانی جان، امی جان اور چچی جان آ کر آپ کے مغموم ہونے کی وجہ پوچھیں گی، تو
مجھے سب کچھ بتانا پڑے گا۔"

امینہ نے جلدی سے اٹھ کر کہا۔ "بھائی جان، خدا کے لئے اسے منع کریں۔ جب یہ

اندر آ رہی تھی تو میں نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا تھا۔ اس طرح اسے باتیں سننے کا موقع مل گیا۔ اب یہ میری ساری باتیں دہرائے گی۔"

نسرین آگے بڑھ کر ہنستی ہوئی امینہ سے لپٹ گئی اور بولی۔ "آپا جان، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ نے مجھے باتیں سننے کا موقع دیا ہو اور میں آپ کا اعتماد مجروح کروں۔"

صفیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "سبحان اللہ! ہمارے گھر میں ادبیت بڑے زوروں سے آ رہی ہے۔"

فضل دین نے دروازے کے قریب آ کر آواز دی۔ "جناب، چائے تیار ہو گئی ہے۔ اگر حکم ہو تو لے آؤں؟"

یوسف نے کہا۔ "نہیں بھئی! چائے میز پر رکھو، ہم سب وہاں آتے ہیں۔"

"جناب! جلدی آئیں ورنہ کباب ٹھنڈے ہو جائیں گے۔"

نسرین نے کہا۔ "فضل دین تم فکر نہ کرو۔ ایک منٹ کے اندر اندر سب وہاں جمع ہو جائیں گے۔ ٹھنڈا پانی بھی رکھوا دو وہاں۔"

"بی بی جی، میں لیموں بھی لے آیا تھا۔"

امینہ بولی۔ "دیکھا، فضل دین کتنی دور تک سوچتا ہے۔ پہلے لیموں کا شربت، پھر چائے اور کباب۔ اور اس کے بعد شاید سیر کے لئے بھی کچھ وقت نکل آئے۔ بھائی جان رات کا کھانا آپ کو ہمارے ساتھ کھانا پڑے گا۔ آپ نسرین سے پوچھ لیجئے۔ انہیں اپنی آپا کا چہرہ دیکھ کر معلوم ہو جایا کرتا ہے کہ وہ کیا چاہتی ہیں۔"

نسرین بولی۔ "جی، سب باتیں بتائی تو نہیں جا سکتیں۔ ورنہ میں تو ایک گھنٹہ پہلے ہی یہ سمجھ گئی تھی کہ آپا جان رات کے کھانے کے بعد بھی کچھ دیر باتیں کرنا پسند کریں گی۔ آج شاید دسویں رات کا چاند ہے ناں؟ اس لئے وہ کچھ دیر صحن میں یا سڑک پر گھومنا بھی پسند فرمائیں گی۔ لیکن اس کا انحصار بھائی جان کے موڈ پر ہے۔ کیونکہ اگر بھائی جان نکلنے

کے موڈ میں آ گئے۔ تو آپا جان یہ پسند نہیں کریں گی کہ وہ دس منٹ بھی ضائع کریں۔ اور میں خود بھی یہ پسند نہیں کروں گی۔ اُف خدایا! ہم نے پھر باتیں شروع کر دیں۔ چائے ٹھنڈی ہو جائے گی۔ اور جب تک بھائی جان میز پر نہیں جائیں گے۔ فضل دین کباب میز پر نہیں لائیگا۔"

وہ سب ہنستے ہوئے اٹھے اور دو منٹ بعد چائے کی میز کے گرد بیٹھے ہوئے تھے سب سے پہلے بیگم احمد نے کباب چکھتے ہوئے فضل دین کی تعریف کی۔ اس کے بعد سب نے باری باری فضل دین سے سوالات پوچھنے شروع کر دیئے۔ "فضل دین وہ خاص چیز کیا ہے جو تم کباب میں ڈالا کرتے ہو؟" بلقیس بولی۔

"کوئی کامیاب باورچی اپنے راز ظاہر نہیں کیا کرتا۔ لیکن ہم امینہ بیٹی سے پوچھ لیں گے اس کی کوئی بات امینہ کے لئے راز نہیں ہو سکتی۔"

فضل دین نے پریشان ہو کر کہا۔ "بی بی جی! خدا کے لئے مجھ پر اعتبار کریں میں نے سب کچھ امینہ بی بی سے سیکھا ہے۔ اور امینہ بی بی نے سب کچھ اپنی امی سے سیکھا ہے میاں صاحب کہا کرتے ہیں کہ کئی سال پہلے ان کے ہاں ایک بہت ہوشیار باورچی ہوا کرتا تھا۔ وہ یو۔پی کے ایک نواب کے باورچی کا بیٹا تھا۔ جب نواب صاحب کی حالت پتلی ہو گئی۔ ان کے تین بڑے بھائیوں نے بڑے بڑے ہوٹلوں میں ملازمتیں کر لیں۔ سب سے چھوٹا بھائی، میاں صاحب کے پاس آ گیا۔ اس زمانے میں میاں صاحب کی نئی نئی شادی ہوئی تھی اور بیگم صاحبہ نے اسے اچھے اچھے کھانے سیکھنے کے لئے اپنا استاد بنا لیا۔ جب وہ کوئی اچھا کھانا پکانا سیکھ لیتی تھیں تو میاں صاحب دوستوں کی دعوت کیا کرتے تھے اور جب مہمان کھانے کی تعریف کیا کرتے تھے۔ تو میاں صاحب اس باورچی کو انعام دیا کرتے تھے۔ وہ دس سال تک میاں صاحب کے پاس رہا۔ لیکن پھر میاں صاحب کے گھر میں ایک بڑی دعوت ہوئی جس میں کوئی بڑا تاجر بھی مہمان تھا۔ اس دعوت میں اس باورچی نے خاص کھانے تیار کئے تھے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس تاجر نے دوگنی تنخواہ پر

اس باورچی کو اپنے پاس بلا لیا تھا۔ پھر دوسرے باورچی آتے رہے۔ جن سے میں کچھ سیکھتا رہا۔ لیکن وہ نواب صاحب والا باورچی بیگم صاحبہ کو جو کباب بنانا سکھا گیا تھا۔ وہ امینہ بی بی نے مجھے بھی بنانا سکھا دیئے۔"

امینہ نے کہا۔ "بھئی ایک تو ہمارا باورچی جب کوئی کہانی شروع کر دیتا ہے تو وہ ختم ہونے کو نہیں آتی۔ یہ بھی شکر ہے۔ کہ اس نے ڈاکو کو پلنگ کی نواڑ میں جکڑنے کا قصہ شروع نہیں کر دیا تھا۔ ورنہ ہم سب یہ محسوس کرتے کہ ہمیں بھی کسا جا رہا ہے۔"

یوسف نے کہا۔ "بھئی وہ تو اس کا ایک کارنامہ تھا اور جتنا بڑا کسی کا کارنامہ ہوتا ہے اتنا زیادہ وہ اسے فخر کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ امینہ اور اس کے والدین کی خوش قسمتی تو یہی بھی کہ فضل دین پورا باورچی نہیں بن گیا تھا۔ کیونکہ اگر یہ بات ہوتی تو اس کے دل میں ایک خطرناک ڈاکو کو سیروں وزنی نواڑ میں جکڑنے کا خیال کیسے آ سکتا تھا۔ اگر وہ ایک کامیاب باورچی ہوتا تو وہ کہتا۔ "جناب مجھ سے پلاؤ تیار کروا لیجئے، بریانی بنوا لیجئے، شاہی ٹکڑے تیار کروا لیجئے۔ لیکن اس خطرناک ڈاکو کو باندھنے کا کام میرے بس کا روگ نہیں۔"

فضل دین نے فوراً کہا۔ "یوسف صاحب خدا کی قسم! آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں کباب تو میں اس لئے بنا لیتا ہوں کہ آپ پسند کرتے ہیں۔ ورنہ میرے اندر باورچیوں والی کوئی خوبی نہیں۔"

یوسف نے کہا۔ "بھئی کباب امینہ بھی تو پسند کرتی ہے ناں؟"

"جی ہاں! وہ بھی میرا دل رکھنے کے لئے پسند کر لیتی ہیں۔"

فہمیدہ نے کباب کھاتے ہوئے کہا۔ "بھئی فضل دین میں تمہارا دل رکھنے کے لئے نہیں کہتی۔ لیکن یہ ماننا پڑتا ہے کہ تم بہت اچھے کباب بناتے ہو۔"

فضل دین نے کہا۔ "شکریہ بی بی جی! کباب تو وہ کھانے والے ہوں گے جو آپ بنائیں گی۔"

نسرین بولی۔ "میرے خیال میں ایک تعلیم یافتہ آدمی ہی آپا جان کی کسی چیز کی صحیح تعریف کر سکتا ہے۔ اگر کسی میں علم کی کمی ہو۔ تو وہ آپا جان کے ہاتھ کے پکائے ہوئے کھانے کی صحیح تعریف بھی نہیں کر سکے گا۔"

ظہیر نے کہا۔ "آپا نسرین ٹھیک کہتی ہیں۔ ہمارا استاد کہا کرتا ہے کہ تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے دماغ کے کئی خانے بند رہتے ہیں۔"

فضل دین نے کہا۔ "صاحب جی! یہ تو میں بھی جانتا ہوں۔ لیکن کھانے کے ذائقے کا تعلق تو نمک اور مرچ مصالحے سے ہوتا ہے۔"

نسرین بولی۔ "یہی تو بات ہے جو تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہی۔ کھانے کے اندر خاص قسم کی مہک ہوتی ہے۔ جسے علم کے بغیر تم بیان ہی نہیں کر سکو گے۔"

فضل دین نے کہا۔ "جناب! اگر گڑ والے پلاؤ کی مہک تو میں دور سے سونگھ لیا کرتا ہوں۔"

بلقیس نے کہا۔ "بھئی اس کے لئے علم کی نہیں تھوڑی سی عقل کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ تو خدا نے تمہیں ڈھیروں دی ہے۔ نسرین بلاوجہ تمہیں پریشان کر رہی ہے۔ تمہارا یہ کہہ دینا کافی نہیں کہ میں ڈاکوؤں کو باندھنا جانتا ہوں۔ اور کچھ نہیں جانتا۔"

"بی بی جی! میں سب کے سامنے جھوٹ تو نہیں بول سکتا ناں۔ میں ابھی اپنی بیوقوفی سے یہ ثابت کر چکا ہوں کہ میں یوسف صاحب اور آپ سب کی پسند کے کباب بنا سکتا ہوں۔ اصل میں یہ میری بدقسمتی ہے کہ میں ایک غلط بحث میں پھنس گیا ہوں اور ان باتوں کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ آپ چائے بھی اطمینان سے نہیں پی رہے۔ یہ ٹھنڈی ہو گئی ہو گی۔ میں اور دم کر کے لاتا ہوں۔ کباب بھی اور تل لیتا ہوں۔"

صفیہ نے کہا۔ "نہیں فضل دین! اب تم اطمینان سے باورچی خانے میں بیٹھ کر چائے پیو۔ اگر ہم آواز دیں تو ہمارے نوکر کو ادھر بھیج دینا۔"

"جی میں بھی تو نوکر ہوں۔"

"نہیں فضل دین تم ہمارے مہمان ہو۔"

نمازِ مغرب کے بعد یوسف نے صفیہ سے کہا:

"خالہ جان اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں شام کے کھانے کے لئے نہیں ٹھہر سکوں گا۔ میں تھوڑی دیر فہمیدہ سے چند ضروری باتیں کرنے کے بعد اُن سے معذرت کروں گا اور مجھے امید ہے کہ وہ برا نہیں مانیں گی۔ چچی جان ابھی نفل پڑھ رہی ہیں۔ جب وہ فارغ ہو جائیں گی تو میں ان سے اجازت لے لوں گا۔"

صفیہ نے کہا۔ "بیٹا، اگر فہمیدہ تمہارے ساتھ سیر کے لئے جانا چاہتی ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"نہیں خالہ جان! ایسا کوئی پروگرام نہیں۔ ہم باہر کھُلی ہوا میں چند منٹ کے لئے ٹہل لیں گے۔ اور پھر میں رخصت ہو جاؤں گا۔"

پھر اس نے ظہیر سے کہا۔ "ظہیر! فضل دین کو بُلا کر کہو کہ وہ دو کرسیاں اٹھا کر لان میں ایک طرف رکھ دے اور جب میں فہمیدہ کے ساتھ باتیں کرنے میں مصروف ہو جاؤں تو تم اپنی امینہ آپا اور نسرین کے ساتھ تھوڑی سی سیر کر آؤ تاکہ وہ کہیں بور نہ ہو جائیں۔ لیکن زیادہ دور نہ جانا۔ فضل دین کو یہ بھی کہہ دو۔ کہ وہ خاں صاحب کے گھر جاتے اور انہیں یہ کہہ دے کہ میں ایک گھنٹے تک پہنچ جاؤں گا اور منظور صاحب کو یہ بتا آئے کہ میں آتے ہی لکھنا شروع کر دوں گا۔"

دس منٹ بعد یوسف کشادہ لان میں کھڑا چاند کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اُسے قدموں کی آہٹ سُنائی دی۔ فہمیدہ اُس کی طرف آ رہی تھی اور گرد و پیش کے تمام مناظر اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو رہے تھے۔ سفید لباس کی طرح اس کا دوپٹہ بھی سفید تھا اور پاؤں میں اس کی سینڈل بھی سفید تھی۔ وہ پہلی بار اس احساس کے ساتھ اس کی طرف دیکھ رہا

تھا۔ کہ اس سے قبل اس نے پہلے کبھی اتنے غور سے نہیں دیکھا تھا۔ یا شاید اُس کی نگاہیں ایک لمحے سے زیادہ اس کے چہرے پر نہیں رک سکیں۔ اور اس کی آنکھوں کے سامنے اچانک اجنبیت کے پردے حائل ہو جایا کرتے تھے۔ لیکن اب وہ نسوانی حسن و وقار کے اس پیکرِ مجسم کو اپنے دل کی دھڑکنیں محسوس کئے بغیر دیکھ رہا تھا۔ جب وہ قریب آ کر رُک گئی تو چند لمحوں کے لئے وہ یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ اسے کیا کہنا چاہیئے پھر اس نے اچانک سنبھل کر کہا:

"عجیب بات ہے۔ کہ ہم خوشی کے لمحات میں "السلام علیکم" کہنا بھی بھول جاتے ہیں میں نے آپ کو اس جگہ بٹھا کر باتیں کرنے کی اجازت لے لی ہے۔ آپ کو اُس کرسی تک جانے کے لئے میرے سہارے کی ضرورت تو نہیں؟"

"جی! بالکل نہیں!" فہمیدہ نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

اور یوسف نے ایسا محسوس کیا کہ کائنات مسرت کے قہقہوں سے لبریز ہو گئی ہے۔

وہ قریب ترین کرسی پر بیٹھ گئی۔ یوسف نے آگے بڑھ کر کہا۔ "نہیں جی! آپ کے لئے وہ کرسی زیادہ آرام دہ ہو گی۔"

فہمیدہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "مجھے تو کوئی خاص فرق نظر نہیں آتا، اُن دو کرسیوں میں"

"جب آپ اس کرسی پر بیٹھ جائیں گی تو آپ کو فرق محسوس ہونے لگے گا۔"

فہمیدہ مسکراتی ہوئی دوسری کرسی پر بیٹھ گئی۔ یوسف نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا: "اب بتائیے کوئی فرق محسوس ہوا؟"

"جی نہیں بالکل نہیں"۔ "میں وہاں بیٹھی رہتی تو بھی آپ میرے سامنے ہوتے۔ اب یہاں بیٹھی ہوں تو بھی آپ میرے سامنے ہیں۔"

یوسف نے اطمینان سے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "فہمیدہ! سر اٹھا کر اوپر دیکھئے۔"

اس نے ذرا گردن اٹھائی تو یوسف نے کہا۔

"میری خواہش یہ تھی کہ آسمان کا چاند زمین کی طرف دیکھ رہا ہو اور میں کبھی اُس طرف دیکھوں اور کبھی اِس طرف دیکھوں۔ میری امی جان کہا کرتی تھیں کہ فہمیدہ چاند سے زیادہ خوبصورت ہے۔ اور اب میں یہ محسوس کرتا ہوں۔ کہ تمہارے سامنے چاند بے معنی سا ہو کر رہ جاتا ہے میں یہاں گھنٹوں بیٹھا رہوں تو بھی مجھے چاند کی طرف مڑ کر دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہو گی۔ تمہیں اس بات پر تعجب نہیں ہوا۔ کہ میں تمہیں اتنے دن دیکھ نہیں سکا؟"

"جی مجھے تو غصہ بھی آتا تھا۔ لیکن جو کچھ آپ نے لکھا ہے۔ اُسے پڑھ کر میرے سارے گلے دور ہو گئے ہیں۔ میں یہ محسوس کرتی ہوں کہ میں ایک لمحہ کے لئے بھی آپ سے جُدا نہیں تھی۔"

یوسف نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "فرض کیجئے کہ میں پوری کتاب ختم کر کے آپ کے پاس آتا۔ اور اس کتاب کا ہر صفحہ آپ کو یہ یقین دلانے کے لئے کافی ہوتا۔ کہ یہ سارا وقت جب کہ میں کتاب لکھنے کے لئے غائب ہو گیا تھا۔ آپ ہر وقت میری آنکھوں کے سامنے تھیں اور میں جب تھک کر لیٹ جایا کرتا تھا تو سونے سے پہلے آپ سے باتیں کیا کرتا تھا اور میں بھی خواب میں آپ کو دیکھا کرتا تھا۔ تو بھی آپ کا موڈ ایسا ہی ہوتا جو اس وقت ہے؟"

"موڈ کا فیصلہ تو اس وقت ہوتا جب میں آپ کا لکھا ہوا پڑھ لیتی۔ لیکن یہ بھی تو ہو سکتا تھا ناں کہ میں، اتنی غضب ناک ہوتی کہ آپ کا مسودہ پکڑتے ہی پھاڑنا شروع کر دیتی؟"

"نہیں فہمیدہ! میں بڑی سنجیدگی سے پوچھ رہا ہوں کہ آپ کے دل میں یہ خیال نہیں آیا کہ میں نے مہینوں کا کام ہفتوں میں کیا ہے۔ میں اس وقت قلم رکھا کرتا تھا۔ جب کہ میرے ہاتھ لکھتے لکھتے شل ہو جاتے تھے اور آنکھیں پتھرا جاتی تھیں۔ مجھے یہ بھی یاد نہیں رہتا تھا کہ میں کتنے گھنٹے لکھتا رہا ہوں اور کتنے بجے سویا ہوں۔ پھر جب خواب میں تمہاری آواز سنائی دیتی تھی تو میری ساری تھکاوٹ دور ہو جاتی تھی؟"

"اگر آپ یہ باتیں اس لئے پوچھ رہے ہیں۔ کہ آپ کی جدائی برداشت کرنے کا میرے

اندر کتنا حوصلہ ہے، تو سن لیجئے۔ اگر آپ کے راستے کے پھول میرے لئے ہیں تو میں کانٹوں میں بھی حصہ دار ہوں۔ مجبوری اور بے بسی کی حالت میں میں آپ کے ساتھ زندگی کی ہر تلخی برداشت کر سکتی ہوں۔ لیکن اگر کوئی مجبوری نہ ہو۔ تو میرے لئے ایک دن کی جدائی بھی ناقابل برداشت ہو گی۔ موجودہ حالات میں جو فیصلہ آپ کریں گے وہ یقیناً صحیح ہو گا۔ آپ نے ایک ناول نگار کی حیثیت سے اس دنیا میں متعارف ہونا ہے اس کے لئے آپ کو رات کی تنہائیوں میں کئی کئی گھنٹے لکھنا پڑے گا۔ اور دل پر پتھر رکھ کر اپنی محنت کے پھل کا انتظار کرنا پڑے گا۔ میں بھی چاہتی ہوں کہ کچھ تعلیم حاصل کر لوں لیکن آپ سے دور رہ کر بھی مجھے یہ اطمینان ضرور ہو گا کہ ہم جن دشوار گزار راستوں پر سفر کر رہے ہیں وہ بالآخر ایک دوسرے سے مل جائیں گے۔ لیکن ہمیں ایک دوسرے سے یہ عہد ضرور کرنا چاہیئے کہ اس دنیا میں ہماری کامیابی کی توقعات پوری ہوں یا نہ ہوں ہمارے پاس ایک دوسرے کے لئے خوشیوں کی کمی نہیں ہو گی۔ آپ کو کبھی اگر ناامیدی کے صحراؤں سے گذرنا پڑے تو آپ ایک لمحہ کے لئے بھی مجھے فراموش نہیں کریں گے آپ اگر ہر روز نہیں تو ہر تیسرے دن یا زیادہ سے زیادہ ہر چوتھے روز مجھے خط ضرور لکھا کریں گے۔ اول تو آپ جس جگہ بھی ہوں وہاں کسی ٹیلی فون سے مجھ سے رابطہ قائم کر سکیں گے۔ ورنہ میں آپ کا حال پوچھ لیا کروں گی۔ اور انتہائی پریشانیوں کے دور میں بھی ہمیں یہ احساس دلانے والے موجود ہوں گے کہ ہم تنہا نہیں ہیں۔"

یوسف نے کہا۔ "فہمیدہ، اس بارے میں تمہیں میں کبھی پریشان نہیں ہونے دونگا میں تم سے ایک اور وعدہ کرنا چاہتا ہوں۔ کبھی کبھی میں لوگوں کی باتیں سن کر اپنے مستقبل کے متعلق اگر ناامید نہیں تو پریشان ضرور ہو جایا کرتا تھا۔ لیکن اب میں تمہاری طرف دیکھتا ہوں تو یہ محسوس کرتا ہوں کہ میرا راستہ کتنا ہی ناہموار کیوں نہ ہو، منزل کتنی ہی دُور کیوں نہ ہو انشاء اللہ اپنی کامیابی کے متعلق میرا یقین کبھی متزلزل نہیں ہو گا۔ میں ایسا محسوس کرتا ہوں کہ

ناامیدی کے طوفان میں تمہاری دعائیں میرے لئے بہت بڑا سہارا بن جایا کریں گی۔ اللہ
نے تمہارے ہاتھ اتنے خوب صورت بنائے ہیں کہ جب بھی یہ اس کی بارگاہ میں اٹھا کریں
گے تو تمہاری ہر دعا قبول ہوا کرے گی۔ فہمیدہ، تم سے پیار کرنے اور تم سے دور رہنے
کے لئے بڑے حوصلے کی ضرورت ہے۔ لیکن میں انشاءاللہ اس آزمائش میں پورا اتروں گا
اب میں اس عزم کے ساتھ جا رہا ہوں کہ میں آج ساری رات لکھوں گا۔ اور میری تحریر میں
پڑھنے والوں کو تمہاری وہ تصویریں نظر آئیں گی۔ جو ہم سے پہلے میں نے بھی نہیں دیکھی تھیں
فہمیدہ، جب میرا یہ ناول شائع ہوگا تو میں اس کی پہلی کاپی دیکھ کر اللہ کا
شکر کروں گا اور پھر تمہیں آواز دوں گا۔ فہمیدہ! تمہارا یوسف آج پیدا ہوا ہے۔ اب
تمہیں کسی مجلس میں یہ کہتے ہوئے جھجک محسوس نہیں ہوا کرے گی۔ کہ تمہارا رفیق حیات ایک
ناول نگار ہے، صرف ایک ناول نگار۔"

یوسف یہ کہہ کر کھڑا ہوگیا۔ فہمیدہ نے اٹھ کر کہا۔ "جی میرا ناول نگار یوسف اس وقت
بھی میرے سامنے ہے۔ میں اپنی عمر اس دن سے گنا کروں گی جس دن آپ کے ساتھ میرا
نکاح ہوا تھا۔ چلئے میں آپ کو دروازے تک چھوڑ آؤں۔"

"شکریہ، ہم باتیں کرتے کرتے تھوڑی دور تک جائیں گے پھر میں آپ کو اچانک
خدا حافظ کہہ کر رخصت ہو جاؤں گا۔ اور مجھے یہ توقع ہے کہ باقی لوگوں سے معذرت کے
لئے آپ موزوں الفاظ تلاش کرلیں گی۔"

فہمیدہ مسکرائی۔ "باقی لوگ کافی سمجھ رکھتے ہیں۔ لیکن آپ کا مسودہ؟"

"وہ فی الحال آپ کے پاس رہے گا۔ کل مجھ سے ایک کوتاہی ہوئی ہے۔ آپ کل
فضل دین کو یہ پیغام دے کر منظور کی طرف بھیج دیں کہ نانی جان نے اسے یاد فرمایا ہے
اور امینہ کو بھی یہ کہہ دیں کہ وہ اپنی کتابیں نکال کر رکھ لے منظور کل سے پڑھانا
شروع کردے گا۔"

"ٹھیک ہے! منظور صاحب کو کسی نہ کسی بہانے ضرور آنا چاہیئے۔ ورنہ وہ بور ہو
جائے گی۔"

"نہیں فہمیدہ، وہ لڑکی ان لوگوں میں سے ہے۔ جنہیں ایک مدت کے بعد سمجھا جا
سکتا ہے۔ پہلی بار اس کی ظاہری شکل وصورت دیکھنے کے بعد میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا
تھا۔ کہ اس کے دل کی گہرائیوں تک پہنچنے کے بعد مجھے اس قدر حیرت ہوگی۔"

فہمیدہ نے کہا۔ "میرے خیال میں آپ کی پہلی بات جو آپ نے بچی بلقیس سے کی تھی
وہ زیادہ صحیح تھی۔ اور وہ یہ تھی کہ امینہ کو اپنی اچھائیاں ظاہر کرنے کے لئے موقع ملنے کی ضرورت
تھی اور یہ سنہری موقع اسے آپ کی وجہ سے ملا ہے۔"

"فہمیدہ! ذرا چاند کی طرف دیکھو۔"

فہمیدہ رک کر چاند کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر مسکراتی ہوئی بولی۔ "فرمایئے! آپ کیا کرنا
چاہتے ہیں۔"

"فہمیدہ! میں یہ کہنا چاہتا ہوں۔ اور اس میں قطعاً کوئی مبالغہ نہیں ہے کہ اگر تم میری زندگی
میں نہ آتیں تو مجھے کبھی یہ احساس نہ ہوتا کہ میں کسی پر اپنی جان نثار بھی کرسکتا ہوں۔"

فہمیدہ نے جلدی سے اس کے ہونٹوں پر انگلیاں رکھتے ہوئے کہا۔ "خدا کے
لئے، ایسی باتیں نہ کیجئے۔ ہمیں یہ دعا کرنی چاہیئے کہ ہم ایک دوسرے کی خوشیاں دیکھنے
کے لئے زندہ رہیں۔ وہ جو دینے والا ہے۔ وہ ہمیں بہت کچھ دے سکتا ہے اور مجھ پر
تو وہ بہت ہی مہربان ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہر لڑکی اپنے خوابوں کے ساتھ اس دنیا میں
آتی ہے۔ آپ نے غلطی سے ایک مسودہ گاڑی میں چھوڑ دیا تھا۔ اور نسرین نے سنبھال
کر مجھ تک پہنچا دیا تھا۔ پھر وہ خواب ایک حقیقت کا روپ دھارنے لگے۔ اور ایک
دن میں نے آپ کو دیکھ لیا۔ مجھے ان ملاقاتوں کی ایک ایک بات یاد ہے۔ مجھے وہ دعائیں
بھی یاد ہیں۔ جو میں ہر نماز کے بعد مانگا کرتی تھی۔ پھر میں نے وہ سپنے دیکھے جو اچانک

حقیقت بن گئے آپ کو معلوم ہے کہ جب آپ مسوری کی سڑک پر ملے تھے۔ تو اپنی خوشیوں کے اظہار کے لئے میرے پاس آنسوؤں کے سوا کچھ نہ تھا۔"

"اگر آپ اپنے آنسو چھپانے میں اتنی مصروف نہ ہوتیں۔ تو شاید میری آنکھوں میں بھی تشکر کے آنسو دیکھ لیتیں۔ یہ وہ ناقابلِ فراموش لمحات ہیں جن کی یاد ہمارے لئے سرمایۂ حیات ہوگی۔ لیکن ہم نے بات کہاں سے شروع کی تھی اور یہ ہم کس طرف نکل گئے ہیں۔"

فہمیدہ بولی۔ "جناب، بات یہ ہو رہی تھی۔ کہ اگر ہم ایک دوسرے سے نہ ملتے، تو ہمیں یہ سمجھنے کا موقع نہ ملتا۔ کہ ہم کتنا پیار کر سکتے ہیں۔ یا خدا نخواستہ نہ ملنے کی صورت میں ہم قدرت کے اس انعام سے کتنے محروم رہتے۔"

یوسف نے ہنستے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اب مجھے اجازت لینی چاہیئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس طرح باتیں کرتے کرتے میں صرف ایک شاعر بن کر رہ جاؤں اور میری بجائے آپ کو ناول لکھنا پڑے۔"

"جی آپ یہ اطمینان رکھیں۔ میں آپ کو شاعر نہیں بننے دوں گی۔"

یوسف نے کہا۔ "باتوں میں ہم اتنے دور نکل آئے ہیں کہ ہمیں وقت کا پتہ ہی نہیں چلا۔ اب واپس چلیئے میں آپ کو گھر تک چھوڑ آؤں۔"

"آپ کو یہ خیال کیسے آیا کہ میں تنہا واپس نہیں جا سکتی؟"

"خیال آئے یا نہ آئے۔ آپ یہ کیسے سوچ سکتی ہیں کہ میں یہاں سے سیدھا گھر جاؤں گا اور اپنا کام شروع کرتے وقت یہ سوال میرے ذہن میں بار بار نہیں آئے گا کہ آپ خیریت سے گھر پہنچیں ہیں یا نہیں۔ اور میں اچانک یہ پوچھنے کے بہانے وہاں پہنچ جاؤں گا۔ کہ فہمیدہ اس وقت کیا کر رہی ہیں؟"

"اچھا آئیے۔" فہمیدہ نے مڑتے ہوئے کہا۔ "اگر مجھے یہ احساس نہ ہوتا کہ آپ کے

کام میں حرج ہوگا۔ تو میں آپ سے کوئی بہت طویل راستہ اختیار کرنے کے لئے کہتی اور آپ یہ دیکھتے کہ گھنٹوں چلنے کے بعد بھی مجھے تھکاوٹ کا احساس نہ ہوتا۔"

یوسف بولا۔ "جب میں اپنے کام سے فارغ ہو جاؤں گا تو ہم بہت لمبی سیر کیا کریں گے۔"

تھوڑی دیر چلنے کے بعد وہ ایک اور سڑک کے قریب پہنچے جو اُن کے راستے سے مل جاتی تھی۔ تو یوسف نے کہا: "میرا خیال ہے کہ امینہ، نسرین اور ظہیر دوسری طرف سے لمبا چکر لگا کر واپس آ رہے ہیں مجھے نسرین کی آواز بھی سنائی دے رہی ہے۔"

فہمیدہ بولی۔ "وہ تو میں بھی سُن رہی ہوں۔"

یوسف نے کہا۔ "اگر ہم آہستہ آہستہ چلتے رہیں تو مکان کے قریب وہ ہم سے آ ملیں گے۔ اور میں آپ کو گیٹ تک پہنچاتے ہی واپس چل پڑوں گا۔"

فہمیدہ بولی۔ "میرا خیال ہے کہ انہوں نے بھی ہمیں دیکھ لیا ہے۔ اور رفتار تیز کر دی ہے۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ ہم یہیں رک کر کچھ اور باتیں کر لیں۔ بشرطیکہ آپ کا لکھنے کا موڈ خراب نہ ہو جائے۔"

یوسف نے کہا۔ "فہمیدہ! اگر تم مجھے آزمانا چاہتی ہو۔ تو چلو ہم لان میں جا کر بیٹھ جاتے ہیں اور پھر میں اس وقت اٹھوں گا۔ جب آپ کی آواز نیند سے بھاری ہو جائے گی۔ لیکن اس کے بعد بھی واپس جا کر میرا لکھنے کا موڈ خراب نہیں ہوگا۔"

"بھائی جان! بھائی جان!" نسرین نے ہانپتے ہوئے ان کے قریب پہنچ کر کہا۔

"ہم نے آج اتنی لمبی سیر کی ہے کہ آپ نے بھی کبھی نہیں کی ہوگی۔ ظہیر نے شرط لگائی تھی کہ آپا امینہ ہمارے ساتھ نہیں چل سکیں گی۔ پورے ڈیڑھ سیر آموں کی شرط۔ لیکن وہ تھک کر پیچھے رہ گیا۔"

یوسف نے کہا۔ "نسرین، تم کو معلوم ہے کہ بڑی بہنیں چھوٹے بھائیوں سے شرط نہیں جیتا کرتیں۔"

اتنی دیر میں امینہ اور ظہیر قریب پہنچ چکے تھے۔

یوسف نے کہا۔ "امینہ، میری وجہ سے آپ کی پڑھائی کے بہت دن ضائع ہوئے ہیں۔ منظور جلدی جانا چاہتا تھا، لیکن میں نے اسے روک لیا ہے۔ اس لئے روک لیا ہے کہ چند دن جب تک میں تمہیں وقت نہیں دے سکتا، منظور آجایا کرے۔"

امینہ نے کہا۔ "بھائی جان میرا بھی یہاں زیادہ دن رہنے کا ارادہ نہیں اور میں نے فہمیدہ کے گھر والوں سے سنا ہے۔ کہ وہ بھی واپس جانے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔"

یوسف نے کہا۔ "اس بات کا مجھے بھی احساس ہے کہ یہاں میرے لئے ایک بہت بڑا خلا پیدا ہو جائے گا۔ لیکن کتاب کے اختتام تک مجھے یہ خلا زیادہ محسوس نہیں ہوگا۔ میں فہمیدہ اور آپ دونوں سے ایک مشورہ لینا چاہتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ جب ڈیرہ دون سے مہمان آئیں گے تو احمد خان صاحب کھانے کی دعوت دینے کی کوشش کریں گے اگر یہ معاملہ صرف میری ذات تک محدود ہوتا تو میں انکار نہ کر سکتا، لیکن اس بارے میں گھر کے بزرگ بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں۔ تاہم میں یہ ضرور چاہتا ہوں کہ آپ دونوں کا ووٹ میرے ساتھ ہونا چاہیئے۔"

نسرین بولی۔ "بھائی جان، میرا ووٹ بھی آپ کے ساتھ ہوگا۔ اور ظہیر کا بھی۔ اور فضل دین کا بھی مشورہ یہی ہوگا کہ ہمیں احمد خان صاحب کی دعوت رد نہیں کرنا چاہیئے اور جب میں نانی جان کو یہ یاد دلاؤں گی۔ کہ خان صاحب کوئٹہ میں بھی ہماری دعوت کر چکے ہیں تو وہ بھی دعوت قبول کرنے کے لئے آپ کی طرف داری کریں گی۔"

یوسف نے کہا۔ "یہ میں نے سوچ لیا ہے کہ دعوت کسی ہوٹل میں ہوگی یا خان صاحب کے گھر میں اور انتظام کے لئے میجر صاحب کو بلانے اور کھلانے کے لئے دہرہ دون

سے موزوں آدمی بھیجنے پڑیں گے۔ اگر خان صاحب نے یہ مسئلہ چھیڑا تو میں ساری تفصیلات ان سے طے کروں گا۔ اور مجھے صرف اس بات کا افسوس ہوگا۔ کہ میں ایک دن نہیں لکھ سکوں گا۔"

امینہ نے کہا۔ "بھائی جان آپ کے لئے ایک دن تفریح کا بھی تو ہونا چاہیئے ناں۔"

"مجھے تفریح کا احساس بھی اس وقت ہوتا ہے۔ جب میں کوئی تسلی بخش چیز لکھ لیتا ہوں۔"

دس دن بعد شام کے وقت یوسف اور فہمیدہ پھر ایک بار لان میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے اور یوسف کہہ رہا تھا:

"یہ دن کتنی جلدی گزر گئے ہیں۔ اگر بار بار کوئی پروگرام بنانا اور اسے منسوخ کر دینا میرے اختیار میں ہوتا۔ تو میں شاید یہی کوشش کرتا کہ میری کتاب کے اختتام تک آپ یہیں رہیں، لیکن ہماری چھوٹی چھوٹی خواہشات وقت کے دھارے نہیں بدل سکتیں!"

فہمیدہ نے کہا۔ "میرا خیال ہے۔ کہ جب میں یہاں نہیں ہوں گی۔ تو آپ زیادہ سکون سے لکھ سکیں گے۔"

"زندگی یہی تو ہمیں سکھاتی ہے۔ کہ ہر مجبوری اور بے چارگی کو خندہ پیشانی سے قبول کر لیا جائے۔ اور ہم مستقبل کی روشنی کی امید پر گرد و پیش کی تاریکیوں سے بے پرواہ ہو کر آگے بڑھتے جائیں۔ لیکن جب تک تمہارے تصور سے میری آنکھیں روشن رہیں گی۔ مجھے گرد و پیش کی تاریکیوں کا قطعاً کوئی احساس نہیں ہوگا۔"

فہمیدہ نے کہا۔ "اگر آپ بُرا نہ مانیں تو میں درخواست کرنا چاہتی ہوں کہ آپ یہیں سے مجھے الوداع کہہ دیں اور اسٹیشن تک جانے کی تکلیف نہ کریں۔ ابا جان، امی جان، چچی بلقیس اور نانی جان سب اس بات میں میرے ہم خیال ہیں۔ کہ رات کام کرنے کے بعد

صبح آپ کو آرام کرنے کی ضرورت ہوگی۔ اسی لئے آپ صبح آ کر ہمیں الوداع کہہ جائیں اور پھر آرام کریں۔ آپ یہ تو یقیناً نہیں چاہیں گے۔ کہ ریلوے سٹیشن پر آپ سے جُدا ہوتے وقت لوگ مجھے آنسو بہاتے اور سسکیاں لیتے ہوئے دیکھیں۔"

"میں تمہاری الوداعی مسکراہٹ کے سوا کسی اور چیز کی خواہش دل میں لے کر نہیں جاؤں گا۔"

"الوداعی مسکراہٹ کے ساتھ میں آپ کو صرف اس گھر سے رخصت کر سکتی ہوں لیکن جب میں مسوری سے موٹر پر بیٹھ کر نکلوں گی تو اپنے آنسو ضبط کرنا میرے بس کی بات نہیں ہوگی۔ میں سمجھتی تھی کہ میں بہت بہادر ہوں اور بہت کچھ برداشت کر سکتی ہوں۔ لیکن جب آپ سے جدائی کا مسئلہ آجاتا ہے تو میں کچھ بھی تو نہیں رہتی۔"

"جدائی کا تصور میرے لئے بھی بہت تکلیف دہ ہے۔ اور میں بھی آپ سے یہ وعدہ نہیں کر سکتا۔ کہ میں سب کچھ بھول کر اُسی گاڑی میں سوار نہیں ہو جاؤں گا۔ فہمیدہ! مجھے تو یہ بھی بھول جانے کا ڈر ہے کہ میں ایک ناول نگار ہوں اور ابھی میں نے اپنا ناول ختم کرنا ہے۔"

فضل دین آیا اور اس نے کہا۔ "صاحب! منظور صاحب آتے ہیں۔"

"انہیں یہیں لے آؤ۔ اور ایک کرسی اور رکھ دو۔" یہ کہہ کر یوسف فہمیدہ سے مخاطب ہوا:

"میں نے منظور اور امینہ سے خاص بات کرنی ہے۔ آپ اسے یہاں بھیج دیں۔ کیونکہ میری چھٹی حس بڑے عرصے سے یہ کہتی ہے کہ امینہ اُس کے والدین اور اس کے چھوٹے بھائی کو کسی وقت بھی ایک خطرہ پیش آسکتا ہے۔ میں نے آپ کو شاید بتایا نہیں۔ کہ منظور کو میں وہاں ایک پہرے دار کی حیثیت سے چھوڑ آیا تھا۔ اور اب جبکہ امینہ کے ساتھ اس کی منگنی ہو چکی ہے۔ اس کے لئے بھی بعض خطرات پیدا ہو گئے ہیں

اب آپ امینہ کو بھی یہاں بھیج دیں۔ پھر اگر ضروری ہوا۔ تو آپ کو بھی سب کچھ بتا دیا جائے گا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ فی الحال اس کی ضرورت نہیں۔"

فہمیدہ اٹھ کر اندر چلی گئی۔ اور اس کے جاتے ہی منظور وہاں آ بیٹھا اور تھوڑی دیر بعد امینہ سر پر سفید چادر لئے نسرین کا ہاتھ پکڑے شرماتی اور جھجکتی یوسف کے ساتھ والی کرسی پر آبیٹھی۔

یوسف نے منظور سے کہا: "بھئی مجھ سے ایک اور کوتاہی ہوئی ہے —— اگر میں تمہارا معاملہ چند گھنٹے پہلے سوچتا اور چند منٹ اور امینہ کے ابا جی کے ساتھ بات کر لیتا۔ تو وہ بوجھ جو اتنے دن تک میں اپنے دل پر محسوس کرتا رہا ہوں وہ ٹل جاتا۔ میں اگر تھوڑی سی عقل سے کام لیتا تو اسی شام اس گھر میں ایک نکاح کے بعد ایک منگنی کی بجائے دوسرے نکاح کا اعلان بھی ہو سکتا تھا۔ جس قدر زیادہ میں امینہ، اس کے والدین اور اس کے چھوٹے بھائی کے متعلق سوچتا ہوں اسی قدر زیادہ میں یہ محسوس کرتا ہوں۔ کہ تمہاری شادی کسی تاخیر کے بغیر ہو جانی چاہیئے۔ کیونکہ جو خدشات میں نے لاہور چھوڑتے ہوئے تم پر ظاہر کئے تھے۔ وہ مجھے اب زیادہ پریشان کرتے ہیں۔ میں نے اپنی سوتیلی والدہ کو معاف کر دیا ہے۔ لیکن جب فہمیدہ کا مسئلہ آئے گا تو میں یہ بھی گوارا نہیں کروں گا کہ یہ اس کے ہاتھ سے پانی کا ایک گلاس لے کر چند گھونٹ پی لے۔ امینہ کے والد کافی دور اندیش ہیں، لیکن سادہ دل بھی ہیں ان پر میں نے تمام صورتِ حال واضح نہیں کی اور نہ شاید امینہ یہ بتا سکے کہ مجھ پر کیا گزرنے والی تھی۔ کسی کو صرف خطرناک کہہ دینا ہی کافی نہیں ہوتا۔ ویسے عام حالات میں وہ بڑھیا جسے قدرت کی ستم ظریفی نے میری نانی بنا دیا ہے امینہ کی ماں کے تیور دیکھ کر آپ کے قریب آنے کی جرأت نہیں کرے گی۔ اس کے خاوند کو میں ایک بے وقوف آدمی سمجھتا ہوں اور بعض حالات میں بے وقوف آدمی بھی کافی خطرناک ہوتا ہے۔ اس لئے خواہ کچھ ہو۔ آپ کو اُن لوگوں کے ہاتھ سے کوئی چیز لے

کرنہیں کھانی چاہیئے۔ فضل دین کو میں نے یہ سمجھا دیا ہے کہ آپ کا باورچی خانہ ان کی آمد و رفت سے قطعاً محفوظ رہنا چاہیئے۔ اور جب وہ کبھی آجائیں تو آپ کی کوشش یہ ہونی چاہیئے۔ کہ وہ زیادہ دیر آپ کے پاس نہ ٹھہر سکیں۔ باہر زمین کی دیکھ بھال اور دوسرے کاروباری معاملات میں بھی قائم دین کی حیثیت ایک تنخواہ لینے والے آدمی کی ہونی چاہیئے۔ ویسے ایسی بیوی سے اسے بھی جان کا خطرہ ہو سکتا ہے۔ میں نے آپ سے یہ باتیں کہنے کی اس لیئے ضرورت محسوس کی ہے کہ یہ لوگ اگر اتنے خطرناک نہ ہوں تو بھی وہ پیر کو کے شاہ جو زہر فروشی کا کاروبار کرتا ہے اور جس کا حلقۂ اثر کافی وسیع معلوم ہوتا ہے۔ جب یہ محسوس کرے گا کہ کچھ لوگ اس کے متعلق جانتے ہیں۔ اور ان کی وجہ سے وہ کسی وقت بھی قانون کی زد میں آسکتا ہے تو اس کا اور اس کے حلقۂ اثر کے لوگوں کا پہلا کام یہ ہو گا کہ وہ ایسے لوگوں کو جلدی ختم کرنے کی کوشش کرے۔ جو اُن کے جرائم کے خلاف گواہ بن سکتے ہوں یا ثبوت کے طور پر پیش کیئے جا سکتے ہوں۔"

منظور احمد بولا۔ "بھائی صاحب! یہ خطرہ تو ہم سب سے زیادہ آپ کو ہے۔"

"بھئی! میں نے کب اس سے انکار کیا ہے۔ مجھے موقع نہیں ملا۔ ورنہ میں لاہور چھوڑنے سے پہلے اس پیر کا پتہ کرتا۔ اور پہلی ملاقات کے بعد ہی اسے میری طرف آنکھ اٹھانے کی جرأت نہ ہوتی۔ اسے صرف یہ بتانے کی ضرورت ہے۔ کہ ہم نے اپنا ایک خطرناک دشمن دیکھ لیا ہے اور صرف ہم نے نہیں۔ ہمیں جاننے والے بیسیوں لوگوں کو یہ معلوم ہے کہ پیر کو کے شاہ کون ہے کیا کاروبار کرتا ہے اور کن لوگوں کو فوری طور پر گرفتار کر کے اس کے جرائم کے متعلق معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں۔ پھر وہ کون ساز ہر ہے جو وہ اپنے خاص خاص مریدوں کو فروخت کرتا ہے۔ اور وہ کون ہیں جو اس زہر کے اثرات سے بچ گئے ہیں اور یہ زہر کس لیبارٹری میں تیار ہوتا ہے۔ اس کا نمونہ کہاں محفوظ ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اس وقت آپ کے سامنے یہ مسئلہ ہونا چاہیئے کہ جب تک ان کے زہریلے دانت نہیں نکالے جاتے ان کو گھر سے دور رکھا جائے۔ امینہ! میں آپ سے کہتا ہوں۔ انہیں آپ کی منگنی کی مبارک باد دینے والے لوگوں کے ہجوم میں شامل نہیں ہونا چاہیئے۔ اگر آپ یہ محسوس کریں۔ کہ میری سوتیلی ماں تمہارے گھر بار بار آنے پر بضد ہیں اور ان کی وجہ سے اس کے والدین اور پیر صاحب کے مرید وغیرہ بھی وہاں پہنچ سکتے ہیں۔ تو تمہیں لگی لپٹی رکھے بغیر اپنے ابا جان کو یہ بتا دینا چاہیئے کہ میرے ساتھ کیا پیش آیا تھا۔ پھر تمہارے ابا جان کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں رہے گی کہ انہیں کیا کرنا چاہیئے۔ قائم دین کی بیوی اگر اپنی بیٹی کے ذہن میں یہ ڈال سکتی ہے کہ مجھے راستے سے ہٹا کر وہ خاندان پر اپنی بادشاہت قائم کر لے گی۔ تو تمہارے خلاف، تمہارے بھائی کے خلاف اور تمہارے والدین کے خلاف وہ کیا نہیں کرنا چاہے گی۔"

امینہ نے کہا۔ "کوئی بھائی اپنی بہن کے لئے اتنا بڑا معمہ نہیں ہو گا۔ جتنا آپ میرے لئے ہیں۔ کاش مجھے یہ حق ہوتا کہ میں ایک بہن کی حیثیت سے اپنے غم و غصّہ کا اظہار بھی کر سکتی۔"

"امینہ! یہ حق میں تم سے کبھی چھیننے کی کوشش نہیں کروں گا۔ تمہارے دل میں جو بات آئے وہ بے دھڑک کہہ دیا کرو۔"

"بھائی جان! میں اب بھی ڈرتے ڈرتے یہ بات کہہ رہی ہوں کہ مجھے کئی بار آپ پر غصہ آیا ہے۔ لیکن میں ظاہر نہیں کر سکی۔ آپ کو یاد ہے کہ ایک دن آپ سخت غصہ کی حالت میں اپنی والدہ مرحومہ کی قبر پر چلے گئے تھے۔ گھر والے سب پریشان تھے اور میں یہ سمجھ گئی تھی کہ آپ کہاں گئے ہیں۔ اور آپ کو کس بات پر غصّہ آیا تھا۔ بھائی جان، آپ یقین کیجئے کہ میں اس وقت بھی چاہتی تھی کہ چراغ بی بی کا گلا گھونٹ دوں۔ لیکن میں ایسا نہ کر سکی۔ لیکن جب مجھے معلوم ہوا۔ کہ آپ کو کھانے میں زہر دیا گیا تھا۔ تو مجھے آپ پر بہت غصہ آتا تھا۔ کہ جب آپ یہ محسوس کر رہے تھے کہ میں اس زہر کے اثر سے

مر رہا ہوں۔ اور چراغ بی بی آپ کا حال پوچھنے آئی تھی تو آپ نے اس کی گردن کیوں نہیں مروڑ دی تھی۔ خدا کی قسم اگر آپ کو کچھ ہو گیا ہوتا اور مجھے پتہ چل جاتا تو میں آپ کا انتقام ضرور لیتی۔ میں اپنے قاتل کو معاف کر سکتی تھی۔ آپ کے قاتل کو نہیں۔ بھائی جان! میں اب بھی سوچا کرتی ہوں۔ کہ آپ کے بغیر یہ دنیا کتنی ویران ہو جاتی۔"

"ارے پگلی، یہی وجہ تھی کہ مجھے تمہارے مستقبل کے لئے ایک قابلِ اعتماد ساتھی کی تلاش تھی۔ میرے والد کو تمہارے اباجی کی دولت کا کچھ کچھ علم تھا، لیکن شاید پورا علم نہیں تھا۔ تاہم ایک دن انھوں نے کہا تھا کہ میاں صاحب دولت کمانے کے معاملے میں جس قدر ہوشیار ہیں! اس قدر شاید دولت سنبھالنے میں ہوشیار ثابت نہ ہوں۔ میں یہ خدشہ محسوس کروں گا کہ کئی دور اور نزدیک کے رشتے دار ان کی دولت ہتھیانے کی کوشش کریں گے۔ میں نے اس وقت اس بات پر غور نہیں کیا تھا۔ لیکن زہر آلود کھانا حلق میں اتارنے کے بعد مجھے محسوس ہوا۔ کہ لالچی لوگ کتنی آسانی سے اپنے راستے کی رکاوٹوں کو ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں اور آپ کے سر پر کتنے خطرات منڈلا رہے ہیں۔ میں نے لاہور چھوڑنے سے پہلے اشارۃً آپ کو چند باتیں سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن منظور بھائی کو میں نے پوری طرح چوکس کر دیا تھا۔"

امینہ نے کہا۔ "بھائی جان! میں اس بات پر فخر کیا کروں گی۔ کہ آپ میری سلامتی کے بارے میں اس قدر سوچتے ہیں۔ لیکن میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میں اس بوڑھی چڑیل اور اس کالے پیر سے قطعاً خوفزدہ نہیں ہوں۔"

یوسف نے کہا: "دیکھو امینہ، تمہارے لئے اس کالے پیر کے وہ جاہل مرید زیادہ خطرناک ہیں۔ جو سوچے سمجھے بغیر اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ ان مریدوں میں کوئی ایسی عورت بھی ہو سکتی ہے۔ جو کوئی تحائف لے کر آپ کے گھر آئے، مہمان کی حیثیت سے ٹھہرے اور کھانے میں زہر ملا دے۔ یا کوئی ایسا جرائم پیشہ بھی ہو سکتا ہے جو پیچھے سے

چھرا مار کر بھاگ جائے۔ تمہاری آنکھیں اپنے گرد و پیش کے متعلق ہر وقت کھلی رہنی چاہئیں۔"

نوکر ٹرے میں شربت کے گلاس رکھ کر لایا۔ اور نسرین نے جو اس کے ساتھ آرہی تھی۔ ٹرے سے ایک ایک گلاس اٹھا کر انہیں پیش کیا۔ یوسف نے لیموں کے شربت کے چند گھونٹ پیتے ہوئے کہا "نسرین! تمہاری آپا جان کیا کر رہی ہیں؟"

"بھائی جان، وہ اپنے کپڑے رکھنے میں مصروف ہیں۔"

یوسف نے کہا: "کیوں بھئی تم نے یہ محسوس نہیں کیا کہ ایسے موقعوں پر چھوٹی بہنیں کام آیا کرتی ہیں۔ تم جاؤ اور انہیں بھیج دو اور فضل دین سے کہو کہ چند اور کرسیاں یہاں رکھ دے۔"

نسرین بولی۔ "بھائی جان، میں ایک اور کرسی یہاں بھجوا دیتی ہوں۔ امی جان کہتی ہیں کھانا تقریباً تیار ہو چکا ہے اور آپ کو کھانے کے لئے اٹھنا پڑے گا۔ ابا جان بھی آنے والے ہیں اور ان کے آتے ہی کھانا لگا دیا جائے گا۔ آپا جان بھی یہی کہتی ہیں کہ آج آپ کھانا کھا کر جائیں گے۔"

"اچھا، ٹھیک ہے، تم فہمیدہ کو یہاں بھیج دو۔"

نسرین بھاگتی ہوئی چلی گئی۔ اور تھوڑی دیر بعد فہمیدہ نمودار ہوئی۔ امینہ نے اٹھ کر اسے قریب بٹھاتے ہوئے شکایت کے لہجہ میں کہا،

"بہن اگر کوئی کام تھا تو میں کر دیتی۔ مجھے چیزیں سنبھال کر رکھنے کا ویسے بھی شوق ہے، اور آپ کی چیزیں تو سنبھال کر رکھنے سے خوشی بھی ہوتی۔ مجھے صرف اِس بات کا افسوس ہے۔ کہ آپ ہماری گفتگو نہیں سُن سکیں۔"

"بھئی میں راستے میں ساری باتیں تم سے سُن لوں گی۔"

امینہ، یوسف سے مخاطب ہوئی۔ "بھائی جان، مجھے یہ بات سُن کر تعجب ہوا ہے کہ آپ ڈیرہ دون ریلوے سٹیشن تک ہمارے ساتھ نہیں جائیں گے۔"

"نہیں بھئی، یہ میرا اور فہمیدہ دونوں کا فیصلہ ہے اور باقی لوگوں کی ذمہ داری فہمیدہ نے لے لی تھی۔ منظور کو مجھ سے اتفاق ہے اور اب تم کہو کیا کہتی ہو؟"

"بھائی جان، میں یہ کہنا چاہتی ہوں۔ کہ جب گاڑی چلنے لگتی ہے اور چھوٹی بہن کھڑکی سے سر باہر نکالتی ہے، اور اسے خدا حافظ کہنے والا بھائی اس کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھ دیتا ہے تو میں کسی قیمت پر اپنے بھائی کی اس شفقت سے محروم ہونا نہیں چاہتی کتابیں آپ بعد میں بھی لکھتے رہیں گے، لیکن بہن کو الوداع کہنے کے لئے تو بار بار نہیں آیا کریں گے۔"

یوسف چند ثانیے خاموش رہا پھر اس نے کہا ——

"میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اب فہمیدہ صاحبہ کا کیا حکم ہے، میری اس چڑیل بہن نے ایک آسان مسئلہ مشکل بنا دیا ہے۔"

فہمیدہ نے امینہ کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا،

"یہ چڑیل صرف آپ کی پیاری بہن نہیں میری بھی ہے۔ اور دہرہ دون سے رخصت ہوتے ہوئے میں شاید اپنے آنسو چھپانے میں کامیاب ہو جاؤں، لیکن امینہ کی آنکھوں میں آنسو دیکھنا برداشت نہیں کر سکوں گی۔"

"بھئی، میں ہار مانتا ہوں اور مجھے اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے قطعاً جھجک محسوس نہیں ہوتی کہ مجھے خود بھی یہ یقین نہیں تھا کہ جب آپ لوگ یہاں سے رخصت ہوں گے تو میں یہاں کھڑے کھڑے آپ کو خدا حافظ کہہ سکوں گا۔ آپ کو اس طرح رخصت کرنے کے تصور سے میرا موڈ اس قدر خراب ہو رہا تھا کہ لکھنا تو درکنار میں شاید سوچ بھی نہ سکوں۔"

امینہ بولی۔ "فہمیدہ بہن کو بھی تو اس خیال سے نیند نہیں آتی تھی۔ یہ آپ کو خوش کرنے کے لئے بہادر بننے کی کوشش کر رہی تھیں۔ ورنہ مجھے ان کے دل کا حال معلوم ہے —— بھائی جان! اگر یقین نہیں آتا تو ان سے پوچھ لیجئے۔ کہ کیا یہ اس بات پر افسوس نہیں کر رہی

تھیں کہ انہوں نے یہیں سے الوداع کہنے کی تجویز مان کیسے لی۔"

یوسف نے کہا۔ "میری بہن ہمیں یہ سبق سیکھنے کی ضرورت تھی۔ کہ آئندہ ہمیں اس قسم کے چھوٹے چھوٹے فیصلے کرنے میں بھی بہت سوچنا چاہیئے۔ ہم چند سال بعد یقیناً یہ سوچتے کہ اس وقت ہم دونوں اچانک اتنے بیوقوف کیوں بن گئے تھے۔"

فہمیدہ نے کہا۔ "آپ تو شاید بھول جاتے، لیکن میں کبھی نہ بھولتی۔"

بلقیس، بیگم احمد کے ساتھ باہر نکلیں اور منظور نے جلدی سے اٹھ کر دو کرسیاں لا کر وہاں رکھ دیں۔ اور پھر بیگم احمد کو ادب سے سلام کرتے ہوئے بولا۔

"ماں جی، تشریف رکھیئے۔"

بیگم احمد نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"جیتے رہو بیٹا، تمہیں اور امینہ کو دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوتی ہے۔"

منظور نے کہا۔ "ماں جی، جب یوسف صاحب کوئٹہ کے سفر کے حالات سناتے ہوئے آپ کا ذکر کیا کرتے تھے۔ تو یہ کہا کرتے تھے کہ ماں جی کی بہت سی باتیں میری امی جان سے ملتی ہیں۔ جب میں نے پہلی بار انہیں دیکھا تھا۔ تو مجھے اچانک ایسے محسوس ہوا تھا۔ کہ امی جان اچانک کوئٹہ پہنچ گئی ہیں۔"

"بیٹا، یوسف نے یہ بات مجھے پہلے بھی کہی تھی۔ لیکن جب تک میں نے قدسیہ کو نہیں دیکھا تھا میں اپنے متعلق بہت سی خوش فہمیوں میں مبتلا تھی۔ لیکن ان کے چہرے پر پہلی نگاہ ڈالتے ہی میں نے اپنے دل میں کہا تھا کہ "کاش! میں ایسی ہوتی"۔ بلقیس تو یہ کہتی تھی۔ کہ میں بھی دنیا میں بہت گھومی ہوں، لیکن ایسی عورت میں نے کہیں نہیں دیکھی۔ خدا یوسف کو سلامت رکھے مجھے کبھی کبھی اس کی ایک ہلکی سی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ کوئی ایسی چیز جس کی وجہ سے بعض لوگ دیکھنے والوں کو بہت پیارے لگتے ہیں۔ میں بیان نہیں کر سکتی وہ کیا چیز تھی۔ ابھی قدسیہ میرے سامنے آجاتے تو پھر میں کبھی اس کی پیشانی، کبھی اس کے چہرے کے نقوش

کبھی اس کی آنکھوں اور کبھی اس کے قد وقامت کی تعریف شروع کر دوں گی۔ اور تم سب یہ محسوس کرو گے کہ بعض لوگ سر سے پاؤں تک قدرت کی ان نعمتوں سے مالا مال ہوتے ہیں جنہیں دیکھنے والوں کی زبان پر بے اختیار "سبحان اللہ، سبحان اللہ" کے الفاظ آجاتے ہیں۔"

فہیدہ نے کہا۔" ابا جان آگئے۔ میں کھانے کا پتہ کرتی ہوں۔"

امینہ نے کہا۔" میں بھی آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔"

کھانے کی میز پر سب بہت اچھے موڈ میں تھے۔ خصوصاً فہیدہ کے ابا جان جنہوں نے باہر سے آتے ہی یوسف سے بغلگیر ہو کر اس کی پیشانی اور دونوں گالوں پر بوسے دیئے تھے، بہت خوش نظر آتے تھے۔ وہ منظور احمد سے بھی بغلگیر ہو کر ملے تھے اور انہوں نے امینہ کے سر پر بھی شفقت سے ہاتھ رکھا تھا۔ کھانے کے دوران انہوں نے کہا،

"یوسف بیٹا! میں ضروری بات اکثر بھول جایا کرتا ہوں۔ صبح رخصت ہوتے وقت تو مجھے بالکل یاد نہیں رہے گا۔ اس لئے دل میں رکھنے کی بجائے ابھی کہہ دیتا ہوں۔ فہیدہ بیٹی نے تمہاری اجازت کے بغیر مجھے وہ فائل دکھا دی تھی جس میں تمہارا تازہ مسودہ رکھا جا رہا ہے۔ اور مجھے پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی تھی۔ اس بات پر تمہارا یقین کبھی متزلزل نہیں ہونا چاہیئے۔ کہ تم ایک بڑا مصنف بننے کے لئے پیدا ہوتے ہو۔ فہیدہ کہتی تھی کہ کاغذ کی نایابی کے باعث پبلشروں کے متعلق تم بہت پریشان ہو۔ بیٹا! تمہیں چاہیئے کہ تم اطمینان سے لکھتے جاؤ اور اس یقین کے ساتھ لکھتے جاؤ۔ کہ وہ کسی دن شائع بھی ہو گا اور پسند بھی کیا جائے گا اور اس میدان میں کامیابی کے راستے تمہارے لئے کھل جائیں گے۔ تمہیں اللہ کی اعانت پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔"

یوسف نے جواب دیا۔" جی، اللہ کی اعانت ہی تو میرا سب سے بڑا سہارا ہے اور اب بھی جس طرح کچھ دن بے نشان راستوں پر بھٹکنے کے بعد اپنے اصلی راستے اور منزل

کی طرف لوٹ آیا ہوں اور جس طرح انتہائی مایوسی کی حالت میں اس نے میری دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا ہے، میں بد ترین آزمائشوں میں بھی اس کی طرف سے مایوس نہیں ہوں گا۔"

"بیٹا، میں تمہارے لئے ہر وقت دعا کیا کروں گا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے لئے بہت سے لوگ دعائیں کرتے ہیں، اگر تم نے رات بھر کام کرنا ہے۔ تو اس تکلف کی کیا ضرورت ہے کہ تم صبح ہمیں رخصت کرنے کے لئے یہاں آؤ۔ کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ تم صبح لکھنے کے بعد آرام کرو۔ اور ہم کھانا ختم کرنے کے بعد یہیں سے ایک دوسرے کو خدا حافظ کہہ لیں۔"

فہیدہ بولی۔" ابا جان! وہ پروگرام منسوخ ہو چکا ہے۔ یوسف صاحب اب ہمیں ریلوے سٹیشن پر خدا حافظ کہیں گے۔"

"اور اس تبدیلی کے لئے میں کس کو مبارک باد دوں؟"

فہیدہ بولی۔" ابا جان۔ اس کے لئے مبارک باد کی پہلی مستحق تو امینہ بہن ہیں۔ اور ہمیں یوسف صاحب کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہیئے کہ یہ اپنا پروگرام تبدیل کرنے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔"

یوسف نے کہا۔" خالو جان! اس نادانی میں ہم دونوں شریک تھے۔ اور دونوں نے یہ فرض کر لیا تھا کہ ہم بوقتِ ضرورت پتھر بن سکتے ہیں۔ لیکن پھر ہمیں اچانک احساس ہوا کہ ہم صرف انسان ہیں۔ اور انسان کو تھوڑی دیر کے لئے بھی پتھر بنتے ہوئے بہت تکلیف ہوتی ہے۔"

"بیٹا، میں خوش ہوں۔ کہ میں کچھ دیر اور تم سے باتیں کر سکوں گا۔ بہت سی باتیں ہیں۔ جو میں تم سے کہنا چاہتا ہوں۔ جب تم اس کتاب سے فارغ ہو جاؤ گے۔ تو مجھے لکھ دینا میں تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا ورنہ تم میرے پاس آجانا۔"

"خالو جی، کتاب ختم کرنے کے بعد مجھے کسی اچھے پبلشر کی تلاش میں لاہور جانا پڑے گا۔ اور راستے میں انشاللہ آپ کو بھی سلام کر لوں گا۔"

"بیٹا، صرف سلام نہیں تم وہاں ٹھہرو گے۔ اور ہماری اجازت کے بغیر آگے نہیں

جاؤ گے۔"

"خالو جان، آپ کو معلوم ہے کہ آپ کا اشارہ بھی میرے لئے حکم کا درجہ رکھتا ہے۔"

بیگم احمد نے کہا: "بیٹا اب اس طرف آتے جاتے تمہیں لدھیانہ میں بھی رکنا پڑے گا۔"

"ہاں جی، میں لاہور سے فارغ ہو کر واپسی پر لدھیانہ آؤں گا۔"

"بیٹا، واپسی پر کیوں، جاتے ہوئے کیوں نہیں۔ اور پھر ہر مرتبہ کیوں نہیں؟"

"ہاں جی، اصل میں بات یہ ہے۔ کہ جاتے ہوئے میرے پاس کتاب کا مسودہ ہوگا اور مجھے ہر وقت یہ خیال رہے گا۔ کہ میں اسے کہیں گم نہ کر بیٹھوں۔ اس لئے میں یہ چاہتا ہوں کہ میں پورے اطمینان کے ساتھ آپ کے پاس آؤں۔"

"بیٹا! میں تو یہ دعا کیا کروں گی کہ خدا وہ دن جلد لائے۔ جب تم دونوں اطمینان سے میرے پاس آیا کرو۔"

کھانا ختم کرنے کے بعد منظور کے ساتھ اپنی قیام گاہ کے راستے کی مسجد میں یوسف نے عشاء کی نماز پڑھی۔ جب وہ نماز سے فارغ ہو کر اٹھا تو بزرگ صورت مولوی صاحب نے آگے بڑھ کر اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

"یوسف صاحب! ظہیر کہتا تھا، کہ کل وہ واپس جا رہے ہیں۔ شکر ہے کہ آپ سے بھی ملاقات ہو گئی۔"

"جی! میں شاید کافی عرصہ یہاں رہوں۔ اور آپ سے انشاء اللہ بہت سی ملاقاتیں ہوں گی۔"

مولوی صاحب نے کہا۔ "مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی کہ آپ تحریک پاکستان کے ایک سرگرم کارکن ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ شہر کے سرکردہ لوگوں کو جمع کیا جائے اور آپ کو کچھ کہنے کی دعوت دی جائے۔"

یوسف نے جواب دیا: "جناب! اس کام کے لئے آپ جب چاہیں مجھے بلا سکتے

ہیں۔ لیکن میرے لئے صرف ظہر اور مغرب کے درمیانی اوقات موزوں ہوں گے۔"

"اگر ہم نماز جمعہ کے ساتھ ہی آپ کو تقریر کی دعوت دیں تو۔؟"

"جناب! یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"اور منظور صاحب! آپ بھی تقریر کر سکیں گے؟"

"جناب، مجبوری کی حالت میں تو انسان ہر کام کر سکتا ہے، لیکن میں کل جا رہا ہوں۔"

یوسف نے کہا: "اچھا مولانا! اب ہمیں اجازت دیجئے۔"

اور مولوی صاحب مسجد کے دروازے تک پہنچا کر دونوں سے باری باری بغلگیر ہوئے۔ اور وہ دونوں خدا حافظ کہہ کر مسجد سے باہر نکل گئے۔

یوسف جاتے ہی لکھنے بیٹھ گیا اور پچھلے پہر تک لکھتا رہا۔ پھر وہ نصف گھنٹے کے لئے بستر پر لیٹا ہی تھا کہ فجر کی اذان سنائی دی۔ اس نے اٹھ کر وضو کیا۔ نماز پڑھی اور نوکر کو آواز دے کر کہا۔

"بھئی! میرے لئے جلدی سے ناشتہ لے آؤ۔ اور جب منظور صاحب اٹھیں تو انہیں کہہ دینا کہ میں سیر کے بعد یہاں آنے کی بجائے خالو جی کے گھر پہنچ جاؤں گا۔ اور فضل دین کو تمہارا سامان اٹھانے کے لئے بھیج دوں گا۔"

احمد خاں اپنے کمرے سے نمودار ہوا اور اس نے پوچھا۔ "یوسف صاحب، کہاں کی تیاریاں ہو رہی ہیں؟ اور آج تو آپ بالکل نہیں سوئے۔"

یوسف نے جواب دیا۔ "خاں صاحب! میں انہیں گاڑی پر بٹھا کر دہرہ دون سے آنے کے بعد آرام کروں گا۔ اگر میں نے زیادہ تھکاوٹ محسوس کی، تو ممکن ہے چند گھنٹے کے لئے میجر صاحب کے ہاں چلا جاؤں۔"

احمد خاں نے کہا۔ "بھائی آرام یہیں آ کر کرو تو زیادہ ٹھیک ہے۔"

"ٹھیک ہے، خان صاحب، میں خود بھی یہی سوچ رہا تھا کہ دہرہ دون رکنے

کا پروگرام وہاں پہنچتے پہنچتے بدل جائے گا۔"

احمد خان نے کہا "میرا خیال ہے کہ ابھی نماز کا وقت ہے۔ آپ منظور صاحب کو بھی جگا دیں۔ میں بھی نماز پڑھ لیتا ہوں۔ اس کے بعد ہم اکٹھے ناشتہ کریں گے۔"

یوسف نے کہا "خان صاحب، مجھے اس لئے جلدی تھی کہ میں میاں صاحب سے چند ضروری باتیں کرنا چاہتا تھا۔"

"یوسف صاحب، ایک بات میں نے بھی آپ سے کہنی ہے مجھے بار بار خیال آتا ہے کہ تمہارے سسرال والے یہ ضرور جاننا چاہیں گے۔ کہ اس وقت تمہارا ذریعہ معاش کیا ہے۔ آپ انہیں یہ بتا سکتے ہیں۔ کہ آپ خان محمد کے اتالیق ہیں اور میرے سیکرٹری ہیں فی الحال آپ کی تنخواہ پانچسو روپے ماہوار ہے اور تمہارے طعام و قیام کے تمام اخراجات ہمارے ذمہ ہیں۔ بعد میں اس تنخواہ میں ایک معقول اضافہ بھی ہو سکتا ہے۔ مسوری میں رہتے ہوئے تمہیں لکھنے پڑھنے کی عام آزادی ہوگی۔"

نوکر نے چائے اور ناشتہ لا کر یوسف کے سامنے تپائی پر رکھ دیا اور احمد خان نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "یوسف آپ جلدی سے ناشتہ کر کے چلے جائیں۔ میں منظور اور خان محمد کو نماز کے لئے اٹھاتا ہوں۔"

فہمیدہ فجر کی نماز پڑھنے کے بعد قرآن کی تلاوت کر رہی تھی کہ نسرین بھاگتی ہوئی آئی اور اس نے کہا "آپا جان! بھلا بتائیے اس وقت کون آیا ہے؟"

فہمیدہ قدرے توقف کے بعد قرآن مجید بند کر کے جزدان لپیٹنے کے بعد اٹھی اور اسے چوم کر الماری میں رکھنے کے بعد نسرین کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے بولی "نسرین، تم مجھ سے یہ پوچھ رہی تھیں کہ کون آیا ہے؟"

"جی ہاں"

فہمیدہ بولی "تمہارے سوال کا جواب تمہارے چہرے پر لکھا ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ تم یوسف صاحب کو دیکھ کر آئی ہو۔"

"آپا جان، میں یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ بھائی جان اس وقت آجائیں گے۔ یہ ان کے کاغذات رکھ لیجئے۔" اس نے ایک چھوٹا سا پیکٹ دیتے ہوئے کہا۔

باہر سے آواز آئی "بھئی، میں بھی یہ نہیں سوچ سکتا تھا کہ میں اس وقت یہاں پہنچ جاؤں گا۔ اب اگر اجازت ہو تو میں اندر آجاؤں؟"

فہمیدہ نے دبی زبان میں نسرین سے کچھ کہا۔ اور وہ باہر نکلتے ہوئے بلند آواز میں بولی "بھائی جان، آئیے نا! آپا جان بڑی دیر سے آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔"

"کیا انہوں نے یہ کہا ہے کہ وہ انتظار کر رہی ہیں؟"

"جی ہاں، ان سے پوچھ لیجئے۔"

"میں کیوں پوچھوں، اگر انہوں نے یہ کہا ہے تو صحیح ہوگا۔"

فہمیدہ نے کمرے سے نکلتے ہوئے کہا۔ "نسرین، تم کب تک ان کا راستہ روکے رہو گی؟ تم نے یہ محسوس نہیں کیا کہ انہوں نے رات بھر آرام نہیں کیا۔"

یوسف نے کہا۔ "یہ درست ہے کہ میں نے رات بھر لکھنے کے بعد سونے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اور اگر میں غلطی پر نہیں تو شاید آپ بھی نہیں سو سکیں۔ اس کے باوجود کوئی ہمیں دیکھ کر یہ نہیں کہہ سکے گا کہ ہم تھکے ہوئے ہیں۔ میں اس سے گھنٹہ پہلے آسکتا تھا لیکن سوچا کہ آپ پریشان ہوں گی۔"

"اگر آپ ایک کی بجائے دو گھنٹے پہلے آجاتے تو بھی میں پریشان نہ ہوتی۔ اور آپ یہ محسوس کرتے کہ میں آپ کی منتظر ہوں ——— نسرین! جاؤ، نوکر سے کہو کہ جلدی سے ناشتہ تیار کرے۔ ابا جان پندرہ بیس منٹ تک سیر سے واپس آجائیں گے۔"

صفیہ اپنے کمرے سے باہر نکلی۔ یوسف نے سلام کیا۔ اس نے آگے

بڑھ کر پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا:

"بیٹا! یہ عجیب بات ہے کہ میں نماز کے لئے اُٹھی تھی، تو فہمیدہ باہر ٹہل رہی تھی۔ اور اس نے مجھے کہا تھا کہ آپ بہت جلد آئیں گے۔" اور میں اسے کہتی تھی۔ کہ صبح تک لکھنے کے بعد وہ کم از کم دس بجے تک سوئے گا۔ جب ہم تیار ہو جائیں گے۔ تو فضل دین کو اسے بلانے کے لئے بھیج دیں گے۔ ورنہ اگر منظور پہلے آ گیا تو روانگی سے پہلے اسے یوسف کو لانے کے لئے بھیج دیں گے۔"

بلقیس نے کمرے سے باہر نکل کر کہا۔ "دیکھا بہن! میں نہیں کہتی تھی۔ کہ یوسف اچانک پہنچ جائے گا۔"

یوسف نے کہا۔ "چچی جان! میں نے سوچا تھا۔ کہ تھکاوٹ دور کرنے کے لئے کچھ دیر سونے کی بجائے، آپ سے باتیں کرنا بہتر ہے۔"

بلقیس بولی۔ "دیکھو بیٹا! تم فہمیدہ کی حق تلفی نہ کیا کرو۔ مجھے معلوم ہے کہ تم دونوں صبح کے انتظار میں نہیں سوتے۔ اب تم اطمینان سے باتیں کرو۔ میں اور صفیہ تمہارا ناشتہ تیار کرواتی ہیں۔"

یوسف، فہمیدہ اور نسرین کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ امینہ، جو بستر پر لیٹی کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔ جلدی سے اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ "السلام علیکم! بھائی جان! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج میرے سوا کسی کو بھی نیند نہیں آئی۔ دو تین بار میری آنکھ کھلی تھی۔ تو میں نے ایک بار دیکھا کہ فہمیدہ بہن آپ کا پرانا مسودہ پڑھ رہی ہیں۔ دوسری بار آنکھ کھلی تو کمرے سے باہر نکل رہی تھیں۔ صبح کی نماز پڑھ کر میں پھر سونے کا ارادہ کر رہی تھی تو مجھے محسوس ہوا کہ بہن فہمیدہ اضطراب کی حالت میں اندر اور باہر پھر رہی ہیں۔ شاید میں نے انہیں یہ کہتے ہوئے سنا تھا۔ کہ آپ آنے والے ہیں پھر میں نے یہ کتاب اٹھا کر پڑھنا شروع کر دی۔

یہ عجیب سی بات ہے بھائی جان۔ میرا دل بھی یہ گواہی دیتا تھا کہ آپ نماز کے بعد آرام کرنے کی بجائے سیدھے اس طرف آئیں گے۔"

یوسف نے مسکراتے ہوئے کہا: "یہ تو خوش قسمتی کی بات ہے۔ کہ مجھ سے پیار کرنے والے لوگ مجھے اتنا زیادہ جانتے ہیں کہ میرے ارادے بھی ان سے پوشیدہ نہیں رہ سکتے۔"

فہمیدہ نے کہا: "اللہ کی اطاعت کرنے والوں کی کوئی بات اس کی مخلوق سے پوشیدہ نہیں رہتی۔ نیکی اور پاکیزگی اُن کے چہرے کو ایسا آئینہ بنا دیتی ہے جس کے باعث ان کے دل کی کیفیت پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ مجھے یہ خطرہ تھا۔ کہ آپ میرے لئے ایک بہت بڑا معمہ بن جائیں گے۔ لیکن آج سے یہ خطرہ دور ہو چکا ہے۔"

"اور پھر مجھے خدا کا شکر کرنا چاہیئے کہ ہماری شب بیداری ضائع نہیں گئی۔ میں بھی آپ کو یہ بتا دوں تو شاید بُری بات نہ ہو۔ کہ رات لکھتے وقت جب میری توجہ اس طرف ہوتی تھی۔ تو میں یہ محسوس کرتا تھا۔ کہ آپ بھی میری طرح صبح کے متعلق پریشان ضرور ہوں گی۔"

امینہ نے کہا۔ "فہمیدہ بہن! میرا تجربہ ہے کہ اگر رات بھر جاگا جائے تو بھوک بہت لگتی ہے۔ میں ناشتے کا پتہ کرتی ہوں۔"

یوسف نے کہا۔ "بھئی بات یہ ہے کہ میں نے نماز پڑھتے ہی اس طرف کا رُخ کرنے سے پہلے نوکر کو ناشتہ لانے کے لئے کہہ دیا تھا کہ اس طرح کچھ اور وقت گزر جائے گا۔ بہر حال جب ناشتے پر سب بیٹھیں گے تو میں ان کے ساتھ شریک ہو جاؤں گا۔ جو بھوک مجھے محسوس ہونی چاہیئے تھی۔ وہ اس وقت محسوس نہیں ہو رہی تھی۔"

فہمیدہ بولی۔ "اگر آپ نماز پڑھتے ہی آ جاتے تو آپ دیکھتے کہ میں آپ کے انتظار میں گیٹ کے آس پاس ٹہل رہی تھی۔"

"بھئی! اپنی اس غلطی کا مجھے بڑی دیر تک افسوس رہے گا۔"

"افسوس کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ آئندہ آپ اپنے دل سے پوچھ لیا کریں کہ آپ کو کیا کرنا چاہیئے۔ مجھے یقین ہے کہ میرے معاملے میں آپ کا دل آپ کو غلط مشورے نہیں دیا کرے گا!"

"رات میں نے جو صفحات لکھے تھے۔ وہ نسرین کو پکڑا دیئے تھے۔ آپ احتیاط سے انہیں اپنی فائل میں لگالیں۔ میں ہر پندرہ دن کے بعد آپ کے لئے ایک پیکٹ بھیج دیا کروں گا۔ اور کتاب کے آخری صفحات لے کر جالندھر آؤں گا۔ اور وہاں سے پورا مسودہ لے کر لاہور چلا جاؤں گا۔ لاہور کے سفر کی کامیابی کے لئے آپ کو ابھی سے دعا شروع کر دینی چاہیئے۔"

فہمیدہ بولی۔ "میں آپ کے لئے بہت سی دعائیں کیا کروں گی۔ اور پہلی دعا ہمیشہ آپ کی صحت کے لئے ہوگی۔"

یوسف نے کہا۔ "میرے لئے ایک اور دعا بھی کیا کریں وہ یہ کہ مجھ سے زندگی میں کوئی ایسی غلطی نہ ہو جائے کہ میں آپ کو کھو بیٹھوں۔ کیونکہ میرے لئے اس سے بڑی سزا اور کوئی نہیں ہو سکتی!"

"میں بہت دعائیں کیا کروں گی میرے اس یقین میں کوئی فرق نہیں آئے گا کہ ہم ہزار غلطیاں کرنے کے بعد بھی ایک دوسرے سے دور نہیں ہو سکتے۔"

صفیہ نے آواز دی۔ "بیٹی فہمیدہ، تمہارے ابا جان آ گئے ہیں۔ اب فوراً ناشتے کے لئے آ جاؤ۔"

تھوڑی دیر بعد وہ سب کھانے کے کمرے میں بے تکلفی سے باتیں کر رہے تھے۔ نسرین کے والد کہہ رہے تھے۔ "دس بجے سے پہلے میجر بشیر اور ان کے دوست جو اس کوٹھی کے مالک ہیں، یہاں پہنچ جائیں گے۔ اور اس کے بعد ہم اسٹیشن کی طرف روانہ ہوں گے۔ جن لوگوں نے ملنا ہے۔ وہ سب وہیں آ جائیں گے ــــــ بیٹا یوسف،

ابھی کافی وقت ہے۔ اس لئے تم کچھ دیر اندر جا کر لیٹ جاؤ۔ ہم تمہیں دس بجے جگا لیں گے۔ اور میرا خیال ہے کہ ہم سب کو بھی کچھ دیر آرام کر لینا چاہیئے۔ جب موٹریں پہنچیں گی تو ہم دس منٹ میں سوار ہو کر چل پڑیں گے۔ اور گاڑی چلنے میں کافی وقت ہو گا!"

گیارہ بج کر دس منٹ پر کاریں دہرہ دون کے اسٹیشن سے باہر رکیں۔ اور وہ نیچے اترنے لگے۔ فضل دین اور منظور سامان اٹھوا رہے تھے۔

یوسف نے فہمیدہ سے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ بہت سے لوگ آپ کو رخصت کرنے آئے ہوں گے۔ اندر جا کر شاید مجھے آپ کو خدا حافظ کہنے کا موقع بھی نہ ملے۔ اس لئے آپ کے دل میں اگر کوئی بات ہو تو فوراً کہہ دیجیئے۔"

فہمیدہ بولی۔ "اس وقت تک اور اس کے بعد گھر پہنچنے تک اور پھر اس وقت جب تک میں آپ کو دوبارہ نہیں دیکھتی، میرے دل میں آپ کے لئے دعاؤں کے سوا کچھ نہیں۔"

یوسف امینہ کی طرف متوجہ ہوا۔ "امینہ، شاید میں تم جیسی بہن کا کبھی شکریہ ادا نہیں کر سکوں گا۔ کتنا بوجھ ہے جو تم چپکے سے میرے سر پہ لاد چکی ہو۔ میں اس احسان کا شکریہ فہمیدہ کے سامنے ادا کرنا چاہتا ہوں۔ کہ اگر تم کل میری اعانت نہ کرتیں۔ تو میں شاید عمر بھر اس بات پر پشیمان رہتا کہ میں مسوری میں کڑھتا رہا اور آپ کو خدا حافظ کہنے کے لئے نہ آ سکا۔ میں تمہارا بے حد شکر گزار ہوں، امینہ۔"

"بھائی جان، میری یہ خواہش بھی تو کوئی چھوٹی خواہش نہیں تھی کہ جب گاڑی چلنے لگے اور میں کھڑکی سے سر نکال کر باہر دیکھوں تو میرا عظیم بھائی پیار سے میرے سر پہ ہاتھ رکھ دے۔ بھائی جان، جو حالات آپ نے بیان کئے ہیں۔ ان کے پیش نظر میں یہ عرض کرنا چاہتی ہوں۔ کہ جب آپ لاہور آئیں تو ہمارے ہاں ٹھہریں۔ میں منظور صاحب

سے یہ کہہ دوں گی کہ وہ آپ کے پروگرام سے باخبر رہیں ـــــ منظور صاحب! آپ سنتے ہیں؟"

"بھئی میں سن رہا ہوں۔ اور آپ کو یہ اطمینان ہونا چاہیئے۔ کہ ان کے پروگرام کی سب سے پہلے مجھے خبر ہوگی"۔

یوسف نے کہا۔ "احمد خان صاحب نے کرائے کے مکان میں ٹیلی فون لگوانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ انہوں نے کل مالکِ مکان کو بلایا تھا اور مجھے اُمید ہے کہ چند دن تک میں آپ کو ٹیلی فون کی اطلاع دے سکوں گا"۔

امینہ بولی۔ "بھائی جان، یہ تو بڑی خوشی کی بات ہوگی، لیکن آپ کا پہلا ٹیلی فون فہمیدہ بہن کو آنا چاہیئے"۔

"ارے پگلی، یہ تمہیں کیسے خیال آیا۔ کہ میں ٹیلی فون کا اس سے بہتر مصرف بھی سوچ سکتا ہوں، بہرصورت میں تمہارا شکرگزار ہوں"۔ پھر یوسف کو اچانک کوئی خیال آیا۔ اس نے اپنی جیب سے ہاتھ نکالتے ہوئے کہا۔ "فہمیدہ، یہ لو۔ مجھے خان صاحب نے تنخواہ میں سے کچھ رقم ایڈوانس دے دی تھی۔ یہ اپنے پاس رکھ لو"۔

"نہیں جی، بالکل نہیں، کبھی بھی نہیں۔ پردیس میں آپ کو بہت ضرورت ہوگی"۔

یوسف نے پریشان سا ہو کر کہا۔ "میرا خیال تھا کہ آپ اس بات پر خوش ہوں گی"۔

"میں تو یہ سوچ رہی تھی کہ میرے پاس جتنے پیسے جمع ہو گئے ہیں وہ آپ کو دے جاؤں۔ لیکن میں ڈرتی تھی کہ آپ کو غصہ نہ آجائے۔ دیکھئے جب تک آپ کی کتاب شائع نہیں ہوتی۔ اس وقت تک ہمیں ایک ایک پائی سنبھال کر رکھنی پڑے گی۔ میں چاہتی ہوں کہ ہم اس دنیا میں سر اٹھا کر چل سکیں"۔

چند منٹ بعد وہ ویٹنگ روم کے اندر اور باہر دہرہ دون کے رشتہ داروں اور میجر صاحب کے دوستوں، ان کی بیگمات اور بچوں کے جھرمٹ میں کھڑے تھے۔ یوسف،

منظور اور امینہ کا تعارف کروایا جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ رخصت کرنے والوں سے مصافحہ کرنے اور بغلگیر ہونے کے بعد گاڑی پر سوار ہو گئے اور نسرین نے گاڑی پر سوار ہونے سے پہلے یوسف سے لپٹتے ہوئے کہا۔

"نانی جان کہتی تھیں کہ آپ کو اتنی محنت نہیں کرنی چاہیئے اور اپنی صحت کا خیال ضرور رکھا کریں۔ مجھے یہ اطلاع دیتے رہیں کہ آپ ٹھیک ہیں۔ ورنہ میں بیمار ہو جاؤں گی"

"میں اپنی ننھی بہن کو بیمار نہیں ہونے دوں گا۔ اب جلدی سے گاڑی پر سوار ہو جاؤ"۔

سب سے آخر میں نصیرالدین اور منظور، یوسف کے ساتھ گرمجوشی سے بغلگیر ہوتے۔ اور گاڑی پر جو حرکت میں آچکی تھی۔ سوار ہو گئے۔ یوسف چند ثانیئے پلیٹ فارم پر کھڑا رہا۔ جب گاڑی دُور نکل گئی۔ تو کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "چلئے یوسف صاحب ہم آپ کا انتظار کر رہے ہیں"۔ یہ میجر بشیر تھے۔ وہ ان کے ساتھ اسٹیشن سے باہر نکلا۔ تو مرتضیٰ خان نے پوچھا۔

"یوسف صاحب آپ میرے ساتھ مسوری چلیں گے یا میجر صاحب کے ساتھ جانے کا پروگرام ہے"۔

میجر بشیر نے کہا۔ "بھئی، تم دونوں ہمارے ہاں کھانا کھاؤ گے اور پھر جاؤ گے"۔

مرتضیٰ خان نے کہا۔ "نہیں جناب! مجھے ابھی بھوک نہیں۔ میں کھانا مسوری پہنچ کر کھاؤں گا"۔

یوسف نے کہا۔ "میجر صاحب، اگر آپ مجھے بھی اجازت دے دیں تو میں بھی سیدھا مسوری پہنچ جاؤں۔ وہاں احمد خان صاحب کھانے پر میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ میں رات بھر لکھنے میں مصروف رہا ہوں اور اب یہ چاہتا ہوں کہ مسوری پہنچتے ہی کھانا کھا کر سو جاؤں"۔ پھر اس نے بیگم بشیر کی طرف مڑتے ہوئے کہا "چچی جان، امید ہے کہ آپ برا نہیں مانیں گی۔ میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ جب بھی آپ کا حکم آئے گا میں حاضر ہو

جایا کروں گا۔"

"نہیں بیٹا، اس میں بُرا ماننے کی کون سی بات ہے۔ تم جا کر آرام کرو۔ ہم کسی دن ڈرائیور کو بھیج کر تمہیں، تمہارے خان صاحب اور ان کے لڑکے کو بلوالیں گے۔ ہمارے دل پر خان صاحب کی مہمان نوازی کا بہت اثر ہے۔"

میجر بشیر نے کہا۔ "بھئی اُن کو تو میں نے ضرور بلانا ہے۔ بڑے اچھے آدمی ہیں وہ۔ اچھا بیٹا، السلام علیکم۔" میجر بشیر نے مصافحہ کیا اور وہ مرتضیٰ خان کے ساتھ کار میں بیٹھ گیا۔ مسوری تک پہنچتے پہنچتے وہ ایک دوسرے سے کافی بے تکلف ہو چکے تھے۔ مرتضیٰ خان، یوسف کو بڑے اصرار کے ساتھ شکار کی دعوت دے چکا تھا۔ لیکن یوسف نے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا۔ "خان صاحب، ابھی کچھ عرصہ کے لئے میں بہت مصروف ہوں۔ جب مجھے اپنے کام سے فرصت ملے گی۔ تو میں دن رات آپ کی رفاقت میں شکار کھیلتے ہوئے تھکاوٹ محسوس نہیں کروں گا۔"

مسوری پہنچ کر یوسف نے محسوس کیا کہ یہ شہر جو اس کے لئے ایک پُررونق دنیا تھی اچانک سمٹ کر بہت چھوٹا ہو گیا ہے۔ وہ جگہ جہاں خان صاحب نے اپنی کار کے لئے گیراج لیا ہوا تھا۔ مکان سے کوئی ایک میل دور تھی۔ وہاں سے اتر کر وہ مرتضٰے خان صاحب کی قیام گاہ تک آیا تو اسے یہ محسوس ہوا کہ یہ گھر بھی بہت چھوٹا ہو چکا ہے۔

مرتضیٰ خان نے کہا۔ "بھئی اگر آپ کو مسوری ٹھہرنے میں کوئی دقت ہو تو آپ میرے پاس ٹھہر سکتے ہیں۔"

"جی شکریہ۔ احمد خان صاحب مجھے کہیں اور نہیں ٹھہرنے دیں گے۔ ویسے اس دعوت پر میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ اب مجھے اجازت دیجئے وہ میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ اگر آپ کھانا ہمارے ساتھ کھائیں تو خان صاحب بہت خوش ہوں گے۔"

"بھئی پھر کبھی دیکھا جائے گا۔ آپ کو بری فکر نہیں کرنی چاہیئے۔ یہاں میرے ذکر

نے انتظام کر رکھا ہوگا۔"

یوسف مصافحہ کر کے وہاں سے چل دیا اور تھوڑی دیر بعد وہ احمد خان اور خان محمد کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا۔

کھانا ختم کرنے کے بعد احمد خان نے کہا۔ "دیکھو بھائی یوسف، اب تم سیدھے اپنے کمرے میں جاؤ۔ اور وہاں بستر پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لو۔ اور جب تک تم خود نہیں اٹھو گے یہاں تمہیں کوئی نہیں جگائے گا۔ ہاں تمہیں ایک خوشخبری سنانا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اسی ہفتہ یہاں ٹیلی فون لگ جائے گا۔ میں نے مکان کے مالک کو ایک سال کا مزید ایڈوانس دے دیا ہے اور اگر تمہیں سردیوں تک یہاں ٹھہرنا پڑا تو اس نے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ مزید کرایہ لئے بغیر دو دن میں انتظام کر دے گا۔"

یوسف نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "خان صاحب میں کل سے دن کے وقت تین گھنٹے خان محمد کے لئے نکالا کروں گا اور رات کو اپنے کام میں مصروف رہوں گا۔ اور جس رفتار سے میں لکھ سکتا ہوں۔ اس سے مجھے امید ہے کہ میں ستمبر تک اپنا کام ختم کر لوں گا۔"

"بھئی اتنی جلدی کتاب ختم کر لو گے؟"

"خان صاحب اس کے بعض حصے میں پہلے لکھ چکا ہوں۔ اس کتاب کو ترتیب دیتے وقت شاید ان میں کچھ کاٹ چھانٹ کرنی پڑے۔ اور اس کام کے لئے مجھے دسمبر تک یہیں ٹھہرنا پڑے مجھے برفباری دیکھنے کا بھی شوق ہے۔"

"اور وہ مسودہ، جسے تم گاڑی میں بھول گئے تھے؟"

"خان صاحب وہ ایک الگ چیز ہے۔ وہ کبھی بعد میں مکمل ہوگا۔"

"یار بڑا حوصلہ ہے تمہارا۔ میرے لئے تو ایک خط لکھنا بھی مصیبت ہوتا ہے۔ تم اب جا کر سو جاؤ۔"
